THE BOOK WAS DRENCHED

PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

نگار

ایک علمی و ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتح پوری

صحابیات

یعنی عہد سعادت کی اٹھاون خواتین کے حالات نہایت مستند روایات کی بنا پر مع ایک فاضلانہ مقدمہ کے جس مین مسئلہ نسائیات پر نہایت اچھوتے انداز سے بحث کی گئی ہے

قیمت دو روپیہ عا ر



شہاب کی سرگزشت

اردو مین یہ پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہو یہ فسانہ ایک سال تک نگار مین شایع ہوتا رہا ہے اور اب ملک کے اصرار پر کتابی صورت مین شایع کیا گیا ہے۔

قیمت (عہ ر)

تصویر زیب النساء بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبایش کا حسین موضوع، آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنیکا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت نے نہایت گران قیمت پر خرید کرکے برٹش میوزیم کو دیدیا ہے۔ یہ تصویر ہم نے اب ٹائمز آف انڈیا پریس بمبئی مین طبع کرائی ہے اور حسن طباعت کے لحاظ سے پہلی چھپی ہوئی تصاویر سے بدرجہا بہتر ہے چونکہ اسکی مانگ زیادہ ہے اس لیے جلد طلب کیجیے۔ علاوہ محصول ۸/

مینجر نگار بھوپال

نگارستان

حضرت نیاز کے تمام اُن بہترین ادبی مضامین کا مجموعہ جو اس سے قبل مختلف رسائل مین شایع ہوکر شہرت دوام حاصل کرچکے ہین اگر انشائے عالیہ اور ادب لطیف کا صحیح لطف اُٹھانا ہو تو اسے ملاحظہ کیجیے۔ قیمت عا ر

گہوارۂ تمدن

اردو مین اپنے موضوع پر پہلی کتاب جسمین تاریخ مذہبی روایات اور دیگر ذرائع سے ثابت کیا گیا ہے کہ تہذیب و شایستگی کی ترقی کسقدر عورت کی ممنون ہے اور مدنیت اسکی کتنی گرانبار ہے قیمت ...... عا

نوٹ

میعاد اشتہار کے اندر اشتہار کا مضمون ایک مہینے پہلے اطلاع دینے پر بدل سکتا ہے۔

اُجرت ہر حال مین پیشگی آنا لازمی ہے

مینجر نگار بھوپال

نرخنامہ اُجرت اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ
۶ مرتبہ	۵۰ روپیہ	۳۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
۳ مرتبہ	۳۰ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۷ روپیہ	۵ روپیہ

رجسٹرڈ نمبر ال ۲۸۸ جلد (۹) شمار (۲)

نگار

اڈیٹر :— نیاز فتحپوری

فہرست مضامین فروری سنہ ۲۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیمت سالانہ پانچ روپیہ
قیمت ششماہی تین روپیہ

نگار

تاریخ اشاعت ہر ماہ کی پندرہ
اڈیٹر:۔ نیاز فتحپوری

شمار (۲)	فروری سنہ ۱۹۲۶ء	جلد (۹)

ملاحظات

اس مہینہ کے ملاحظات مین سب سے پہلے مجھے اس امر پر اظہار افسوس و معذرت کرنا ہے کہ گزشتہ ماہ کے رسالہ مین کثرت سے غلطیان رہگئین جسکا بڑا سبب یہ تھا کہ مجھے کاپیان دیکھنے کی فرصت نصیب نہین ہوئی میرے ایک کرمفرمانے یہ خدمت انجام دی لیکن اس حسن کے ساتھ کہ

بگزر زسعادت و نحوست کہ مرا

لیکن انھون نے سعادت کو سخاوت سے بدلدینے مین ذرا تامل نہ فرمایا پھر اس پر ستم یہ ہے کہ مین انکا شکریہ ادا کرنے پر بھی مجبور ہون!

سرورق پر بھی ایک نہایت مکروہ غلطی ہوگئی (جسکا ذمہ دار مین نہین ہون) اور وہ یہ کہ لفظ مرتبہ کے بعد "رئیس التحریر" لکھا گیا چونکہ "رئیس التحریر" صرف اڈیٹر یا چیف اڈیٹر کا مترادف ہے اس لئے "مرتبہ" کے بعد اسکی ضرورت نہ تھی۔ "رئیس التحریر" کوئی لقب یا خطاب نہین ہے (اور نہ مین کسی ایسے اعزاز کا مستحق ہون) کہ وہ میرے نام کا ضروری جزو قرار دیا جائے اس مہینے اصلاح کردیگئی ہے

خیال تھا کہ لکھنؤ مین رسالہ کی طباعت بہتر ہوگی۔ لیکن جنوری کا پرچہ چونکہ بہت سرعت مین چھپا اس لئے وہ حسب دلخواہ انتظام نہین کرسکے۔ امید ہے کہ فروری کا رسالہ زیادہ اطمینان سے طبع ہوگا۔

جنوری گزشتہ سے قبل نگار کا سرورق بلاک سے چھپا تھا لیکن چونکہ اس مین بعض تبدیلیان ضروری تھین اس لئے اسکا استعمال ترک کردیا گیا اور اب دوسرا بلاک طیار کیا جارہا ہے۔ انشاءاللہ مارچ کا سرورق اُسی سے طبع ہوگا۔

اس ماہ کے رسالہ کو آپ تین مختلف خطوں مین لکھا ہوا پائینگے اسکا سبب یہ ہے کہ نگار کے کاتب تقریباً دو جزو لکھنے کے بعد غائب ہوگئے اور اسوقت تک واپس نہین آئے اور نہ آنے کی امید ہے اس لئے مجبوراً کچھ اجزا بھوپال کے ایک کاتب سے اور چند صفحات لکھنؤ مین لکھوائے گئے۔

مین کوشش کررہا ہون کہ کسی اچھے کاتب کی مستقل خدمات حاصل ہوجائین۔ جب تک مین اس سعی مین کامیاب نہونگا مسودہ لکھنؤ بھیجکر وہین کتابت کرائی جائیگی۔ ہرچند اسمین بہت طوالت ہے لیکن مجبوری کی قوت کے سامنے ہر شخص کو سر جھکا دینا پڑتا ہے۔

پنجاب کے اگر کوئی اچھے کاتب بھوپال آنا چاہین تو براہ کرم مجھسے خط و کتابت کرین مین معقول معاوضہ یا مشاہرہ پیش کرنے کیلئے آمادہ ہون

جسطرح اڈیٹر یا منیجر کے کچھ فرائض ہین اسی طرح چند فرائض خریدارون کے بھی ہین لیکن فرق یہ ہے کہ اگر اسطرف سے کبھی سہو یا غفلت ہو تو آپ فہمائش و نکوہش کے لئے سخت سے سخت الفاظ استعمال کرسکتے ہین لیکن اگر کوئی فرد گزاشت آپ سے ہو تو تنبیہ کا نرم سے نرم لہجہ بھی اختیار نہین کرسکتے۔

اگر آپ کے پاس کسی مہینہ کا رسالہ نہین پہونچا تو آپ کے لئے سب سے زیادہ آسانی اسمین ہوتی ہے کہ اسکو منیجر کی غلطی قرار دیکر اس سے بازپرس کرین کیونکہ آپکے نزدیک محکمہ ڈاک مین ہر جگہ عالم ملکوت کے نفوس متعین ہین جن سے غلطی یا بددیانتی کبھی ہو ہی نہین سکتی اور آپکی ڈاک کا انتظام بھی خراب نہین ہوسکتا کیونکہ ایسا سمجھنے یا ظاہر کرنے مین شاید آپکی توہین ہے۔ اچھا ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ ہمیشہ دفتر نگار ہی کی غلطی ہوتی ہے اور اس غلطی کی پاداش مین مکرر سہ کرر رسالہ بھیجنے کے لئے بھی آمادہ ہین لیکن انصاف سے کہیئے کہ کبھی آپ نے بھی رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع وقت مقررہ پر دی ہے۔

ہمیشہ اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ ۲۰ کے بعد فوراً اطلاع دیجئے لیکن حالت یہ ہے کہ دوسرا رسالہ پہونچ جاتا ہے تو آپکو یاد آتا ہے کہ شاید گزشتہ ماہ کا رسالہ نہین پہونچا اور اس خیال کے ساتھ ہی آپ پر برہمی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور جو جی مین آتا ہے غریب منیجر کو سنا ڈالتے ہین۔ جس وقت رسالہ یہان سے ڈاکخانہ روانہ کیا جاتا ہے، دو دو مرتبہ رجسٹر خریداران سے مقابلہ کرلیا جاتا ہے اور خاص آدمی اپنے سامنے ڈاکخانہ مین بیٹھکر مہرین چھپواتا ہے لیکن پھر بھی حالت یہ ہے کہ ہر ماہ کم از کم چالیس پچاس شکایتین رسالہ

نہ پہونچنے کی موصول ہوتی ہین ۔ اسکے دو سبب ہین بڑا سبب تو یہ ہے کہ بعض مقامات کے اہلکار ڈاک غفلت کرتے ہین اور دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض حضرات کو خود بھی اپنی ڈاک کی چندان فکر نہین ہوتی اور پوسٹ مین اسی بے پروائی کو محسوس کرکے بے احتیاطی سے ڈاک تقسیم کرنے لگتا ہے

باوجود اسکے کہ محکمۂ ڈاک کا انتظام بہترین انتظام سمجھا جاتا ہے اور حقیقت مین ہے بھی لیکن باینہمہ بعض بعض مقامات کے متعلق ہمارا ذاتی تجربہ بالکل اسکے خلاف ہے مثلاً حیدرآباد مین ایک مقام گجویل شریف ہے کہ کبھی تو وہان معمولی کارڈ بھی پہونچ جاتا ہے اور کبھی رجسٹرڈ تحریرین بھی نہین پہونچتین چنانچہ حال ہی مین شباب کی کاپی جو ذریعہ رجسٹری بھیجی گئی تھی اس تحریر کے ساتھ واپس آئی کہ 'پتہ نہین چلتا'

اسکے ساتھ ایک شکایت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرات اپنا نمبر خریداری یاد رکھنے سے سخت بیزار ہین حالانکہ جب تک مینیجر کو نمبر خریداری سے مطلع نہ کیا جائے وہ آپکی کسی تحریر کا جواب نہین دے سکتا کیونکہ نہ رجسٹر مین وہ آپکے نام کی جستجو کرسکتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ آپکا حساب کیا ہے بعض حضرات ڈاکخانہ کے رجسٹرڈ نمبر ان ۔ ۲۸۸ کو اپنا نمبر خریداری سمجھتے ہین حالانکہ نمبر خریداری علحدہ قلم سے درج ہوتا ہے۔

بھیلسہ کے کسی صاحب نے تحریر بھیجی کہ نمبر خریداری تو یاد نہین ہے لیکن چونکہ غالباً بھیلسہ مین ایک مین ہی خریدار ہون اسلئے تلاش کرلیجئے ۔ گویا ان کے نزدیک مقام کے لحاظ سے فہرست خریداران مرتب کی جاتی ہے ۔

مدینہ کے ایک صاحب نے دسمبر کا رسالہ نہ پہونچنے کی شکایت کی نمبر خریداری تو وہ کیا درج کرتے لیکن انہون نے اپنا نام بھی صاف نہین لکھا اور حیدرآبادی وضع مین طغرا نما دستخط ثبت فرمائے ۔ گویا ان کے نزدیک مینیجر کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر خریدار کے دستخط کو بھی پہچان سکے۔

چونکہ مینیجر کی یہ شکایتین ناقابل ضبط حد تک پہونچ گئی تھین اسلئے مین نے انکی طرف سے انہین پیش کردیا ۔ خدا کرے آپ ان تکالیف کا صحیح اندازہ کرسکین ۔

دسمبر اور جنوری کا اکثر حصہ مجھے بھوپال سے باہر صرف کرنا پڑا اور زیادہ تر قیام لکھنؤ مین رہا ۔ یون تو مین تمام احباب لکھنؤ کا شکرگزار ہون کہ ان کے خلوص کی معیت مین میرا وقت بہت لطف سے بسر ہوا ۔ لیکن حضرت وصل بلگرامی نے جو محبت و نوازش مجھ پر صرف فرمائی اس کا اعتراف میرے امکان سے باہر ہے ۔ کیونکہ مین حقیقتاً ابھی تک اس تعلق کی وسعت کا اندازہ ہی نہین کرسکا جو ان کو میرے ساتھ ہے ۔ ولله در ما قال :—

اقصے نہایت علمی فیہ معرفتی
بالعجز منی عن ادراک معرفتہ

ارادہ ہے کہ مارچ کا رسالہ زیادہ اہتمام کے ساتھ شائع ہو۔ لفظ "اہتمام" مین سب سے پہلے میرے نزدیک کتابت شامل ہے۔ سو خدا کی طرف سے اسمین تغیر کے سامان پیدا ہو گئے۔ یعنی نگار کا کاتب جسکو باوجود بدخط ہونیکے مین علحدہ نہ کرسکتا تھا از خود چلا گیا۔ اور اسطرح اس سے نجات مل گئی۔ اب جو بھی دوسرا کاتب ملیگا وہ اس سے بہرحال بہتر ہوگا۔

دوسری چیز "اہتمام" مین مضامین کی ترتیب ہے۔ سو کوشش کی گئی ہے کہ آئندہ ماہ سے اس مین بھی تغیر پیدا کیا جائے۔ وہ تغیر کیا ہوگا؟ اس کا بیان غالبًا قبل از وقت ہے۔ اگر ناظرین خود ہی مطالعہ کے بعد فیصلہ کرین تو بہتر ہے۔

تیسری چیز تصویر ہے۔ سو مارچ مین غالبًا یہ بھی ہوگی۔ کلکتہ کے ایک کارخانہ سے بنگال کے ایک مشہور نقاش مزمدار کی ایک رنگین تصویر رقاصہ کے لئے خط وکتابت ہو رہی ہے اور قوی امید ہے کہ وہ مارچ تک طبع ہو جائیگی مین ملک کے مایۂ ناز صناع مسٹر عبدالرحمٰن چغتائی سے بھی بعض ان تصویرون کے متعلق خط وکتابت کر رہا ہون جنھین مین نے امسال لکھنؤ کی نمائش فنون لطیفہ مین دیکھ کر گھنٹون لطف اٹھایا ہے۔ خدا کرے نگار ان کے نقوش حاصل کرنے مین کامیاب ہو سکے۔

میرا یہ زمانہ تمامتر اس کوشش مین صرف ہوا کہ نگار کے لئے کسی طرح ایک مشین فراہم ہو جائے تاکہ طباعت کی دقتین دور ہو جائین۔ اور سعی مین اس حد تک کامیاب ہو چکا ہون کہ میرے کرمفرما حضرت وصل بلگرامی اڈیٹر رسالہ مرقع لکھنؤ کو اسطرف خاص توجہ پیدا ہو گئی ہے اور اگر ان کے خیال مین کوئی اعوجاج (مین قصدًا یہ لفظ استعمال کر رہا ہون تاکہ ہر شخص نہ سمجھ سکے) پیدا نہوا تو اپریل تک کامیابی کی توقع کی جاتی ہے۔

مین نے جنوری کے مہینہ مین ضمنًا اسکا اظہار کیا تھا کہ حضرت وصل نے لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ مرقع کے نام سے جاری کیا ہے لیکن مین اسپر کوئی رائے زنی نہ کر سکا تھا کیونکہ اسوقت تک وہ شائع نہ ہوا تھا۔ اب اس رسالہ کے دو نمبر شائع ہو چکے ہین اور اگر مقبولیت کسی رسالے کی خوبی کی دلیل ہو سکتی ہے تو مجھے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہین رہتی کہ مرقع کس درجہ اپنے نام کے خصوصیات کا حامل ہے۔ لکھنؤ مین اس سے قبل بہت سے علمی و ادبی رسالے شائع ہوئے لیکن اظہار حقیقت سے گریز ہوگا اگر یہ نہ کہا جائے کہ مرقع سب کا پیشرو ثابت ہوا ہے اور اسکا مستقبل اس کے حال سے کہین زیادہ شاندار ہے۔ ناظرین نگار اسکے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ کر سکتے ہین کہ میرے بیان مین کوئی مبالغہ شامل نہین ہے۔ مرقع کی سالانہ قیمت صرف ۱۲ع محصولڈاک ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۸ر وصول ہونے پر حضرت وصل بلگرامی اڈیٹر مرقع۔ نیظر آباد لکھنؤ سے مل سکتا ہے۔

نیاز

ہندوستان کی زراعت پر ایک نظر

مسلسل

ہندوستان میں ذرائع آبپاشی سے کس حد تک کام لیا جاتا ہے

گو ہندوستان میں ذرائع آبپاشی سے کام لیا جاتا ہے مگر وہ مزروعہ علاقہ کی مقدار سے بہت کم ہے ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہو جس سے واضح ہوگا کہ کن کن صوبوں کی مزروعہ زمین کا فی صدی کتنا رقبہ مصنوعی ذرائع آبپاشی سے کاشت کیا جاتا ہے :-

صوبہ	رقبہ زیر کاشت بذریعہ آبپاشی فیصدی
سندھ	۷۵
پنجاب اور سرحدی صوبہ	۴۱
صوبۂ متحدہ	۲۹
مدراس	۲۶
شمالی برما	۱۷
بہار	۱۲
بنگال	۷
صوبہ متوسط	۱۹
دکن	تقریباً ۲۶

ہندوستان میں جتنا رقبہ کاشت ہوتا ہو اسمیں صرف ۲۰ فیصدی ایسا ہو جسمیں آبپاشی سے کام لیا جاتا ہے اور تقریباً ۸۰ ایسا ہو جو ذرائع آبپاشی سے محروم ہے اگر ان ذرائع کو ترقی دیجائے نہریں اور تالاب بنوائے اور پرانے درست کرالئے جائیں اور بارش پر اسقدر دارو مدار نہ ہو تو ہندوستان کی زراعت بہت کچھ ترقی کر سکتی ہو۔ ہندوستان کے ذرائع آبپاشی بھی یہی تین یعنی نہریں، تالاب اور کوئیں ہیں پنجاب سرحدی صوبہ اور سندھ میں نہروں سے کام لیا جاتا ہو یہاں تالاب نہیں ہیں، صوبہ متحدہ میں

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام ابتک اسی منیجر کی زیر نگرانی ہے جو چالیس سال سے کام کر رہا ہے۔

کوئیں آبپاشی کا بڑا ذریعہ ہیں اور دکن میں (خاص طور سے مدراس) تالابوں سے کام لیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع سے بحیثیت مجموعی جتنا کام لیا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

ذرائع آبپاشی	فیصدی بحیثیت مجموعی
سرکاری نہریں	۴۱
ذاتی اور خانگی نہریں	۵
کوئیں	۲۵
تالاب	۱۶
دیگر ذرائع	۱۳

ذرائع آبپاشی کی خراب حالت کا ثبوت

ہندوستان میں نہروں کی توسیع گو زیادہ تر برطانوی عہد حکومت میں ہوئی مگر یہ ترقی اور توسیع بھی کچھ دل خوش کن نہیں، صوبہ متحدہ میں نہروں کی توسیع کی بہت گنجائش ہے، اگر یہاں نہریں خاطر خواہ بن جائیں تو بڑا فائدہ ہو، ہندوستان کے ذرائع آبپاشی کی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ صرف مدراس میں اب تک تباہ شدہ تالابوں کا پتہ پچاس ہزار تک چلا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کے حکمرانوں نے اسکو کسقدر ترقی دے رکھی تھی اور یہ کہ جب یہ تمام تالاب بھرے رہتے ہونگے تو زراعت کسقدر عمدہ ہوتی ہوگی مزید برآں ان شکستہ تالابوں سے اُن رعایا پرور، ہوشمند اور بیش بیں حکمرانوں کی عقل اور دولت کا پتہ چلتا ہے، جنہوں نے ذرائع آبپاشی کو بام عروج پر پہونچا دیا تھا۔ صوبۂ متحدہ میں بھی کنوؤں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے ان کنوؤں اور تالابوں کی تباہی کا اصلی باعث کاشتکاروں کا افلاس اور حکومت کی حکمت عملی ہے، مگر یہ کہ کاشتکاروں کی مالی حالت کیوں خراب ہوئی اور حکومت کیوں ان پر روپیہ صرف نہیں کرتی بجائے خود بہت بڑے غور طلب مسئلے ہیں۔ ہم کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کو آئندہ بیان کرینگے۔

یہ ظاہر ہے کہ تالابوں اور نہروں کے لیے کسقدر روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ غریب کاشتکاروں کے بنائے نہیں بن سکتے، جب تک حکومت ان پر روپیہ صرف نہ کرے ان کی توسیع غیر ممکن ہے، کبھی کبھی حکومت کاشتکاروں کو کوؤں کے لیے روپیہ تقاوی پر دیتی ہے مگر صرف تقاوی کا طرز عمل اس خرابی کو دور کرنے کے لیے کافی نہیں۔ آجکل ہماری سرکار نظام ریاست حیدرآباد کے ذرائع آبپاشی پر بہت روپیہ

صرف کررہی ہے اور مختلف جگہ بڑے بڑے تالابوں کی اسکیم پاس ہوچکی ہے، جنسے نہ صرف لاکھوں ایکڑ زمین کاشت ہوسکے گی بلکہ ایک بڑی مقدار میں بجلی بھی پیدا ہوسکے گی، خود حیدرآباد کا عثمان ساگر جو گنڈی پیٹ کے نام سے مشہور ہے اسقدر بڑا ہے، کہ اسکے بھر جانے کے بعد اگر خدا نخواستہ حیدرآباد میں چار پانچ سال تک پانی نہ برسے تو یہ اہل شہر کی ضرورت کے لیئے کافی ہوگا۔ دوسرا ایک بہت بڑا تالاب نظام آباد میں تیار ہورہا ہے جو نظام ساگر کہلائے گا، اس سے بھی بجلی پیدا کی جاسکیگی۔ ان کے علاوہ چند اور بڑے تالاب ہیں مثلاً حسین ساگر اور میر عالم کا تالاب، غرض آجکل یہاں اس مسئلہ پر خاص توجہ کیجا رہی ہے۔

حکومت کے فرائض اور ترقی کی صورت

ہندوستان کے ذرائع آبپاشی کی حالت تو معلوم ہوچکی اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ انکی ترقی کی کیا صورت ہے، اسکے ساتھ ہی یہ بتا دینا غیر موزوں نہ ہوگا کہ ہر حکومت پر ملک کی بہبودی کے لیئے کچھ نہ کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں مثلاً ملک کو بیرونی حملوں سے بچانا، ملک میں جھگڑے اور بدامنی نہ پھیلنے دینا، امن و امان کے ذرائع بہم پہنچانا رفاہ عام کے کام کرنا، اشاعت تعلیم اور ملک کی عام خوش حالی و زرعی ترقی کی طرف توجہ کرنا، ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اول دو کاموں کا اسقدر معقول انتظام کیا ہے، کہ وہ ہندوستان کے لیئے ضرورت سے زیادہ ہے، فوج پر جتنا روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ ظاہرا تو ہندوستان کی حفاظت کے لیئے ہے مگر درحقیقت درپردہ اسکا مقصود نہ صرف انگریزوں کی پرورش ہے، بلکہ یہاں کی فوج سے برطانیہ عظمیٰ کی حفاظت کا کام لینا ہے جیسا کہ اس جنگ سے اچھی طرح ظاہر ہوگیا۔ یہاں کی فوجوں کی تنخواہ کا بجٹ ہر سال ساٹھ پینسٹھ کروڑ روپیہ کے قریب ہوتا ہے، صنعت و حرفت، اشاعت تعلیم، حفظان صحت اور زراعتی ترقی پر کافی روپیہ صرف نہیں کیا جاتا، ہندوستان میں ریلوے کو بہت ترقی دی گئی مگر یہی ترقی ہندوستان کی صنعت و حرفت کی تباہی کا بڑا باعث ہوئی، اب ذرائع آبپاشی کی ترقی یوں ہی ہوسکتی ہے کہ حکومت اپنا طرز عمل بدلے، زراعتی کاموں میں روپیہ صرف کرے، تمام تباہ شدہ تالاب درست کروائے اور جہاں ضرورت ہو اور طیار کرائے، تالاب اور نہریں بنوائے، کوؤں کے لیئے دل کھول کر تقاوی دے مالگذاری زیادہ نہ بڑہائی جائے، تاکہ کاشتکار خود بھی کوئیں بنوا سکیں، اسطرح تالاب نہریں اور کوئیں بنوانے سے نہ صرف موجودہ زراعت کو ترقی ہوگی بلکہ بہت سی زمینیں جو غیر مزروعہ ہیں ان میں زراعت ہونے لگے گی۔ سرکار کا گو فی الحال بہت روپیہ صرف ہوگا مگر آئندہ پیداوار بڑہنے کی صورت میں پھر لگان میں اضافہ

ہوجائیگا۔ اور رفتہ رفتہ سرکار کا کل روپیہ ادا ہوجانے کے بعد نفع ہونے لگے گا، غرض ہندوستان کی زراعت کو بڑھانے کا ایک بڑا ذریعہ آبپاشی کی ترقی ہے اور یہ صرف حکومت کی کوششوں پر منحصر ہے

ہندوستان کی زراعتی پستی کے چند وجوہ اوپر بیان ہو چکے جنہیں سے کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کا بیان اور یہ کہ اس خرابی کا زراعت پر کیا اثر پڑ رہا ہے ابا قی ہے، ابھی تک ہم یہ سنتے آئے ہیں کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت بہت خراب ہے، اس حقیقت کو کہدینا تو مشکل نہیں، مگر اسکی صحیح صحیح حالت بتانی بہت مشکل ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، یہاں کے معاشی حالات ابھی تک پوری کدوکاوش سے دریافت ہی نہیں کیے گئے اور ہمارے پاس کوئی مستند معلومات کا ذخیرہ نہیں دوسرے اور باتوں کی طرح اس مسئلہ میں حکومت اور پبلک کے نقطۂ نظر میں اختلاف ہے، حکومت ہمیشہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت روبہ اصلاح ہے اور ابھی ہو رہی ہے، پبلک یہ کہتی ہے کہ انکی مالی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے حکومت اس ثبوت میں کہ کاشتکاروں کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہے یہ بیان پیش کرتی ہے کہ آج کل اجناس کی قیمت روز بروز بڑھ رہی ہے اسطرح یقیناً کاشتکاروں کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہے پبلک کا جواب یہ ہے کہ اضافہ قیمت کا فائدہ غریب کاشتکاروں کو نہیں ہوتا بلکہ بیچ کے تجار اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر انکی دولت بڑھتی تو معیار زندگی بلند ہونا چاہیئے تھا، اگر وہ جسقدر گرا ہوا ہے اسکی کوئی حدو نہایت نہیں، تیسرے اگر یہاں کے کاشتکاروں کا یورپ کے کاشتکاروں سے مقابلہ کیا جائے تو ان کی پستی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے، یورپ کے کاشتکاروں کا معیار زندگی بہت بلند ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مصنوعی کھاد، تخم، آلات استعمال کرتے ہیں مگر یہ اچھے تخم، مصنوعی کھاد اور آلات استعمال نہیں کر سکتے، ان کا معیار زندگی بھی از حد پست ہے ایک جھونپڑی میں رہکر اور خشک روٹی کھاکر زندگی کے دن پورے کرتے ہیں، کڑاکے کی سردی میں زیر آسمان ایک کمبل تان کر پڑے رہتے ہیں۔ یہ سب کیوں؟ صرف اسوجہ سے کہ بیچارے کے پاس اس سے زیادہ ترقی کی گنجائش نہیں، جب حالت یہ ہے تو پھر کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ انکی مالی حالت میں ترقی ہو رہی ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ انکی مالی حالت ہمیشہ سے ایسی ہی خراب ہے یا اب خراب ہوتی جاتی ہے، ہم کو عہد مغلیہ کے کاشتکاروں پر نظر ڈالنی چاہیئے، جب ہم اسوقت کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنی زندگی نہایت چین سے بسر کرتے تھے، اور خوشحال تھے، اسوقت غلہ جسقدر سستا

"عطر خاص" جو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہے۔ اُسکا نسخہ ہی مختلف ہے

تھا، وہ اب خواب وخیال معلوم ہوتا ہے۔ ان تمام حالات اور بیانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نہایت آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت اب بہت خراب ہو گئی ہے۔

اس خرابی کو معلوم کرنے کے لیے ہم ایک دوسرا اور سب سے مستند طریقہ جو ہندوستان میں ہو سکتا ہے اور جس کو حکومت بھی ماننے کے لیے تیار ہے اختیار کرتے ہیں، یہ طریقہ خود سرکاری کمیشنوں کی رپورٹوں کا خلاصہ ہے، جسکو حکومت نے وقتاً فوقتاً یہاں کی مالی حالت کی دریافت کے لیے مقرر کیا تھا، اس بیان میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا اندیشہ نہیں اور اگر کچھ خیال ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہی کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت کو اتنا خراب نہیں دکھایا ہوگا جتنا کہ حقیقتاً دکھانا چاہیئے، کیونکہ کمیشن کے اکثر اشخاص حکومت کے ملازم اور خود حکومت کا نقطۂ نظر رکھنے والے ہوتے ہیں، اسلیئے ان کے بیان میں اس بات کا اندیشہ نہیں کہ انہوں نے انکی مالی حالت کو اور خراب بتایا ہو، پس ہم انہیں کی رپورٹوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت کسقدر خراب ہے۔

سنہ ۱۸۷۵ء میں دکن میں کچھ معاشی فسادات ہوئے تھے، جسکی تحقیق کے لیے حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جسنے حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے "ہم بتا چکے ہیں کہ ان علاقوں میں کاشتکار عام طور پر مقروض ہیں کچھ تو قدرتی اسباب کی بنا پر اور کچھ ہمارے نظم ونسق کے باعث۔ یہ قرضداری گزشتہ بیس سال کے دوران میں اپنی انتہائی حد کو پہونچ چکی ہے، تقریباً ایک ثلث کاشتکار قرضداری کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں اور ان کے قرض کا اوسط مالگذاری کی مقدار سے اٹھارہ گنا زیادہ ہے، اور اس قرض کا تقریباً دو ثلث حصہ زمین کو رہن رکھکر حاصل کیا گیا ہے"

سنہ ۱۸۸۰ء کی قحط کمیشن نے حسب ذیل الفاظ میں اس بیان کی تائید کی ہے۔

"ہندوستان کے مختلف علاقوں سے شہادت جمع کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مالکان زمین کے طبقہ کی تعداد تقریباً ایک ثلث ایسی ہے جو اسقدر زیادہ مقروض ہے کہ ان کے لیے قرضداری سے نجات پانا ناممکن ہے اور کم ازکم اتنی ہی تعداد ان لوگوں کی ہے جو قرضدار تو ہیں لیکن جن کے قرضے ادا کیے جا سکتے ہیں"

سنہ ۱۹۰۱ء کی قحط کمیشن نے بھی اسی صورت حال کی تائید کی ہے، "ان تمام بیانات کا لحاظ کرتے ہوئے اور جو شہادت جمع کی گئی ہے اس سے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمارے خیال میں گمان غالب یہ ہے

کہ کم ازکم بمبئی پریسیڈنسی میں کاشتکاروں کی ایک چوتھائی تعداد اپنی زمین کھو چکی ہے، اور پہلے سے کم تعداد ایسی ہے جو مقروض نہیں، بقیہ کم و بیش مقروض ہے ۔"

آنریبل مسٹر روجر کی رپورٹ وزیر ہند کی خدمت میں

آنریبل مسٹر روجر رکن مجلس واضع قوانین بمبئی نے وزیر ہند کی خدمت میں ایک رپورٹ پیش کی تھی ، جسمیں یہ درج تھا " سنہ ۱۹۰۶ء کے قبل گیارہ سال کے عرصہ میں سرکاری مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے تقریبًا بیس لاکھ ایکڑ زمین فروخت کی گئی جو آٹھ لاکھ چالیس ہزار سات سو ستر (۸۴۰۷۷۰) اشخاص کے قبضہ میں تھی اسکے علاوہ ستیں لاکھ روپیہ کی غیر منقولہ جائداد بھی اسی غرض سے فروخت ہوئی مگر اس زمین کا ساٹھ فیصدی حصہ خود حکومت کو خریدنا پڑا کیونکہ ان پر کوئی شخص بولی نہیں بول سکتا تھا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر آدمی مالگذاری ادا کرنے اور زمین خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے) گویا بہ الفاظ دیگر گیارہ سال کی مدت میں اس مجموعی آبادی کا ۱/۸ حصہ بے خانماں ہو گیا " یہ حالتیں صرف ایک ایک صوبہ کی تھیں اسی سے پورے ملک کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

پنجاب کی انجمن ہائے قرضہ اتحاد باہمی کے رجسٹرار کی تحقیق

پنجاب میں انجمن ہائے قرضہ اتحاد باہمی کے رجسٹرار صاحب نے سنہ ۱۹۲۱ء میں مقامی کاشتکاروں کی قرضداری کی تحقیق کی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ " صوبہ پنجاب کے کاشتکاروں کی مجموعی قرضداری کی مقدار تین کروڑ پونڈ یعنی ۴۵ کروڑ روپیہ ہے ۔ اس قسم کے واقعات اور صوبوں کے متعلق بھی معلوم کیئے گئے ہیں جن سے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستان کی زرعی آبادی قرضداری کی مصیبتوں میں بہت زیادہ مبتلا ہے ۔"

پنجاب کے کاشتکاروں کی مالی حالت تمام ہندوستان میں بہتر سمجھی جاتی ہے جب انکی یہ حالت ہے تو پورے ہندوستان کی حالت یقینًا اس سے خراب ہوگی ۔ دوسرے یہ بیانات سرکاری کمیشنوں کی رپورٹوں سے اخذ کئے گئے ہیں اسلیئے کم از کم اس حالت کو یقین کرنے میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ، ان بیانات کو دیکھنے سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہوگا کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں مالی حالت کسی طرح نہیں سدھری بلکہ اور خراب ہوگئی ہے

مالی خرابی کے اسباب پیشوں میں توازن کی کمی

مالی حالت کی خرابی تو اچھی طرح واضح ہو چکی ہے اب اسکی خرابی کے اسباب پر نظر کرنی چاہیئے ، اس خرابی کی ایک وجہ پیشوں میں توازن کی کمی ہے جس پیشہ میں جتنے لوگوں کی ضرورت اور گنجائش ہے اتنے ہیں ہیں کسی میں بہت کم اور کسی میں بہت زیادہ اور یہ دونوں حالتیں دولت کی ترقی کے لیئے سد راہ ہیں پیشوں میں توازن کی کمی کے بھی کئی اسباب ہیں ، ایک تو یہاں کی ذات پات کی بندش دوسرے قدامت

پسندی مگر اس خرابی کی سب سے بڑی وجہ صنعتی انقلاب ہے۔ یعنی جوں جوں ہندوستان کی دستکاری تباہ کی جانے لگی، لوگ زراعت کی طرف بڑھنے لگے اور خود کاشتکار جو گھریلو دستکاری سے پیسہ پیدا کرتے تھے اسکے مردہ ہو جانے سے زیادہ مفلس ہو گئے، غرض اسطرح صنعت محدود ہوتی گئی اور زراعت میں لوگوں کی کثرت ہونے لگی۔ ہر ملک میں مختلف دماغ کے آدمی پیدا ہوتے ہیں جو مختلف کاموں کے لیئے موزوں ہوتے ہیں اگر انکو انکی قابلیت کے مطابق کام ملے تو ملک بہت ترقی کر سکتا ہے مگر کام جب انکی قابلیتوں کے خلاف ہو تو ملک میں پستی بڑھے گی، جس ملک میں جتنے قسم کے معاشی وسائل ہوں اگر ان سب سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اس کا نتیجہ بھی صنعتوں کی تباہی اور ملکی تنزل کا باعث ہوا کرتا ہے۔ اسوقت ہندوستان میں یہی حالت ہے، کہ نہ ہر شخص اپنی دماغی اور جسمانی قابلیت کے لحاظ سے کام انجام دے رہا ہے اور نہ یہاں کی معاشی وسائل سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، آجکل سرکاری ملازمتوں کی راہیں بھی مسدود ہو گئی ہیں اسوجہ سے بھی زراعت پیشہ لوگوں میں ترقی ہو رہی ہے ان تمام باتوں کے یکجا ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت ۲۰ فیصدی آدمی زراعت پیشہ ہیں اور افلاس روبہ ترقی ہے۔ ہندوستان کی خوفناک غربت کا صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انگلستان میں سالانہ آمدنی کا اوسط فی کس پچاس پونڈ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور ہندوستان کی سالانہ آمدنی کا اوسط فی کس زیادہ سے زیادہ ڈھائی پونڈ پڑتا ہے

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کی ایک وجہ تو اوپر بیان ہوئی ہے دوسری یہ ہے کہ یہاں کا طریق مالگذاری بھی خراب ہے، کہیں رعیت واری طریقہ رائج ہے اور کہیں زمینداری، رعیت واری طریقہ تو کاشتکار کے حق میں بہتر ہے مگر زمینداری سخت مضر، کیونکہ رعیت واری میں کاشتکار کا بالراست تعلق حکومت سے ہوتا ہے اور ماحصل زائد میں صرف حکومت حصہ دار ہوتی ہے مگر دوسرے طریقہ میں زمیندار بھی حصہ دار ہوتا ہے جسکی وجہ سے کاشتکار کا حصہ کم ہو جاتا ہے، دوسرے بندوبست کے دو طریقے ہیں ایک بندوبست میعادی دوسرا بندوبست دوامی عام طور سے بندوبست میعادی جاری ہے ۔ پہلے تو بہت جلد جلد بندوبست ہوتا تھا مگر اب پندرہ سال سے لیکر تیس سال تک بندوبست کی میعاد مقرر کر دی گئی ہے، جہاں بندوبست دوامی ہے وہاں کے کاشتکار خوشحال ہیں اور جہاں میعادی ہے جو قریب قریب تمام ہندوستان میں رائج ہے وہاں کی حالت اچھی نہیں۔

اس خرابی کی تیسری وجہ تشخیص مالگذاری اور محکمۂ بندوبست کی خرابی ہے تشخیص مالگذاری کا

طریقہ یہ ہے کہ جب میعاد بندوبست ختم ہوتی ہے تو ہر صوبہ کے محکمۂ بندوبست کے کچھ عہدہ دار معہ عملہ گاؤں گاؤں دورہ کرکے ہر کھیت کی پیداوار کا اندازہ لگاتے ہیں اور پیداوار کا تخمینہ کرکے زائد ما حصل کا پچاس فیصدی مالگذاری مقرر کر دیتے ہیں، اکثر صورتوں میں اندازہ غلط ہوتا ہے اور کبھی کبھی شرارتاً بھی پیداوار کا تخمینہ زیادہ کر دیا جاتا ہے، چونکہ یہاں کے کاشتکار جہالت کی وجہ سے مصارف کا حساب و کتاب نہیں رکھتے حتیٰ کہ اپنی محنت اور اصل کو بھی اخراجات میں داخل نہیں کرتے، اس وجہ سے صحیح زائد ما حصل کا پتہ نہیں چل سکتا اور تشخیص مالگذاری صرف حکام اور عملہ کے اندازہ پر منحصر ہوتی ہے، بندوبست کا عملہ اس موقع پر کاشتکاروں کو بہت پریشان کرتا ہے، اور رشوتیں لیتا ہے چونکہ اسوقت کاشتکار بالکل انکی گرفت میں ہوتے ہیں، اسلیئے رشوت کی وجہ سے کاشتکار بہت زیربار ہو جاتے ہیں اور بعض لیا بھی کرتے ہیں کہ جب بندوبست کا زمانہ قریب آتا ہے تو وہ قصداً کھیتوں کو خراب کر دیتے ہیں تاکہ مالگذاری کی تشخیص کم کیجائے اسطرح کھیت پر نگرانی نہ کرنے اور انکو خراب کرنے سے فصلیں خراب ہوتی ہیں اور جب بندوبست . . . . کی بلا سر سے ٹلتی ہے تو پھر کھیتوں کی درستگی میں محنت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے غرض دُہری زیرباری سے انکی مالی حالت پر برا اثر پڑتا ہے ۔

ان دو باتوں کے علاوہ حکومت نے تحصیل مالگذاری کا جو طریق اختیار کیا ہے وہ بھی کاشتکاروں کے لیئے از حد مضر ہے، اول یہ کہ حکومت نے کل مالگذاری وصول ہونے کا ایک دن مقرر کر دیا ہے، اگر کاشتکار اس دن مالگذاری ادا کرنے سے قاصر رہا تو اسکی جائداد نیلام کرکے مالگذاری وصول کیجاتی ہے، دوسرے حکومت تحصیل میں بجائے غلہ کے روپیہ لیتی ہے، اور تحصیل کا مقررہ دن فصل تیار ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے اسوقت کاشتکاروں کے پاس روپیہ تو ہوتا نہیں اور تحصیل کے سپاہی سر پر کھڑے ہوتے ہیں اسلیئے مجبوراً وہ غلہ کو نہایت ارزاں فروخت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں - اسوقت یہ اپنا غلہ روک نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو روپیہ کی سخت ضرورت ہے جس بھاؤ بھی بکے بیچنا پڑتا ہے اسوقت بیچ کے تجار اور بنیئے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، سستا سستا مال خرید کر کوٹھوں میں بھر لیتے ہیں اور جیسے جیسے قیمت چڑھتی ہے خوب نفع کماتے ہیں۔ غرض اس صورت سے بھی کاشتکاروں کو سخت مالی نقصان پہنچتا ہے ۔

مالگذاری کی زیادتی کاشتکاروں کی مفلسی کا باعث

اس خرابی کے تین سبب تو اوپر بیان ہو چکے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں سے مالگذاری حد سے زیادہ وصول کیجاتی ہو گویا وہ ایک سخت ٹیکس ہو۔ جب حکومت سے زیادتی مالگذاری کی شکایت کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہو کہ مالگذاری کا بار کسی طرح کاشتکار پر نہیں پڑ سکتا، اور نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ حکومت ماحصل زائد میں سے ½ حصہ بطور مالگذاری وصول کرتی ہو، اور ماحصل زائد سے لیا جانا کسی طرح ظلم نہیں۔ اس بات کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگر ماحصل زائد میں سے مالگذاری لی جائے تو وہ مالی حالت کی خرابی کا باعث نہیں ہو سکتی مگر حقیقت یہی ہے کہ موجودہ مالگذاری کسی طرح ماحصل زائد کا جزو نہیں بلکہ ٹیکس ہے، اس ثبوت کے لیئے پبلک مندرجہ ذیل بیانات پیش کرتی ہو۔

پہلا مفروضہ

اول یہ کہ سرکار جن اصول اور مفروضات کے ماتحت مالگذاری وصول کرتی ہو وہ مفروضات ہندوستان میں قائم نہیں ہیں رکارڈو نے مسئلہ لگان سے متعلق جو مفروضات بیان کیئے تھے انمیں سے پہلا یہ ہو کہ کاشتکاری نفع بخش ہو، اس ثبوت کے لیئے کہ ہندوستان میں کاشتکاری آج کل نفع بخش نہیں ہو خود سرکاری رپورٹیں اسکی شاہد ہیں اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سرکاری کمیشنوں نے یہاں کی کاشتکاری کی حالت کسقدر ردی بتائی ہے، اور اس خرابی سے اکثر زمینوں سے معاشی لگان وصول نہیں ہوتا۔ جب زمینوں سے لگان ہی نہیں ملتا تو مالگذاری وصول کرنا ٹیکس نہیں تو اور کیا ہے اسطرح پہلا مفروضہ یہاں غلط ثابت ہوا۔

دوسرا مفروضہ

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ ہر شخص وہی کاروبار اختیار کرتا ہو اور اسی میں اپنا روپیہ لگاتا ہے جس کو وہ نفع بخش سمجھتا ہو یعنی مسابقت کا مادہ ہر شخص میں فرض کر لیا گیا ہو۔ اس مفروضہ کا بھی ہندوستان کے کاشتکاروں پر اطلاق نہیں ہوتا، وہ اسطرح کہ زمین محدود ہو اور چند زمینداروں کے قبضہ میں ہے برخلاف اسکے کاشتکاروں کی کوئی انتہا نہیں چپہ چپہ زمین حاصل کرنے کے لیئے وہ اپنی جان تک لڑا دیتے ہیں۔ یعنی زمین محدود ہے اور طلب بہت زیادہ۔ زمیندار طاقتور ہیں اور کاشتکار کمزور یہاں کے کاشتکار حد درجہ جاہل اور پست ہمت ہیں انمیں آزادی کی بو تک نہیں، ان کی وجوہ اور انقلابات صنائع کی وجہ سے آبادی کا بڑا حصہ کاشتکاری کی طرف مائل ہے گو اسمیں ان کو نفع نہیں ہوتا پھر بھی اسکو نہیں چھوڑتے اسلیئے کہ جہالت کی وجہ سے وہ کوئی دوسرا کام انجام نہیں دے سکتے سب سے آسان کاشتکاری ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسمیں زیادہ مہارت کی ضرورت نہیں اور رسم و رواج انکو

سکا مخصوص حصہ علی پور شاہزادہ ضلع لکھنؤ سے جسکو قریباً ایک صدی کے زمانہ ہوا نیکنامی سے جاری ہے

پیشہ بدلنے نہیں دیتا اسطرح انمیں مسابقت کا مادہ بھی مفقود ہے اور وہ پرانی لکیر کے فقیر ہیں، اسلیئے یہاں دوسرا مفروضہ بھی منطبق نہیں ہوتا۔

تیسرا مفروضہ

تیسرا مفروضہ یہ ہے کہ پیداوار میں سے کل مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جو کچھ ماحصل زائد بچے اسکا ½ حصہ مالگذاری لی جائے، یعنی پہلے مصارف کاشت منہا کیئے جائیں اسکے بعد جو بچے انمیں سے مالگذاری لی جائے مگر ہندوستان میں قانوناً زمین کی پیداوار پر سب سے پہلے حکومت کا حق ہے یعنی قبل اسکے کہ مصارف کاشت منہا ہوں حکومت مالگذاری وصول کرلیتی ہے اور تاوقتیکہ مالگذاری ادا نہ ہوجائے مہاجن وغیرہ اپنا قرض وصول نہیں کرسکتے، جب مصارف کاشت منہا کرنے کے قبل ہی مالگذاری لے لی جاتی ہے تو وہ لگان کہاں رہا اسلیئے تیسرا مفروضہ بھی یہاں موجود نہیں ہے، اس کے بعد ہم یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان میں مالگذاری کی نوعیت لگان کی نہیں بلکہ ٹیکس کی ہے۔ ہندوستان میں مالگذاری کا ایک بڑا حصہ ماحصل زائد یا معاشی لگان سے نہیں لیا جاتا بلکہ اُس کا بڑا حصہ اُس جزو سے وصول ہوتا ہے جو کاشتکار کی سال بھر کی زندگی کے لیئے ضروری ہوتا ہے۔

اسکو ٹیکس تسلیم کرنے کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی حالت انکم ٹیکس کی سی بھی نہیں کیونکہ اسمیں وہ سہولتیں جو دوسرے ٹیکسوں میں پائی جاتی ہیں موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ایسا سخت ٹیکس ہے جسمیں کسی قسم کی رعایت نہیں، اسکے علاوہ انکم ٹیکس اُس شخص سے وصول کیا جاتا ہے جسکی سالانہ آمدنی دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو، مگر مالگذاری کی کوئی مقدار معین نہیں چھوٹی سی چھوٹی آمدنی والے کاشتکار سے بھی مالگذاری لی جاتی ہے

مہاجنوں کی شرح سود

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کے اسقدر اسباب بتائے جاچکے ہیں پھر بھی ابھی باقی ہیں جنمیں سے مہاجنوں کی اعلیٰ شرح سود ہے، مہاجن کاشتکاروں سے جسقدر اعلیٰ شرح سود وصول کرتے ہیں اسکے متعلق ڈاکٹر منہر صاحب لکھتے ہیں کہ "میں ہمیشہ ہندوستان میں یہ معلوم کرنے کی کوشش میں رہا کہ روپیہ سے کسقدر سود پیدا ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ اب کاشتکاروں سے ۳۷½ فیصدی سود لیا جاتا ہے، غریب آدمی جو بلا ضمانت قرض لیتے ہیں ایک آنہ فی روپیہ ماہوار یعنی ۷۵ فیصدی سالانہ سود ادا کرتے ہیں، مقروض ہر سال سود ادا کرنے ہی کا نقصان برداشت نہیں کرتے بلکہ کتنے ہی اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ آجکل کوئی شخص بغیر سرمایہ کے کوئی کام نہیں کرسکتا، ترقی زراعت کے لیئے بھی بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ

کاشتکاروں کے پاس روپیہ نہیں اگر عمدہ بیل اور مضبوط مویشی ہوں تو پیداوار میں بہت ترقی ہو سکتی ہے"
جب شرح سود اسقدر سخت ہو تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہو کہ سود ہی ادا کرنا مشکل سے منافع کیسا، بعض مرتبہ مہاجنوں کی نیت بھی خراب ہوتی ہے اور وہ کاشتکار کو سود کے جال میں پھنسا کر انکی زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اسی طرح بہت سی زمینیں مہاجنوں کے قبضہ میں پہونچ چکی ہیں۔ کاشتکاروں کی مالی خرابی کا واحد ذمہ دار مہاجن نہیں جیسا کہ حکومت اسکو قرار دیتی ہے بلکہ اسکے چند دوسرے اسباب ہیں جنکی وجہ سے مہاجنوں کی وجہ سے تقویت ہو گئی ہے، مہاجن جو اعلیٰ شرح سود وصول کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر گاؤں میں عموماً ایک ہی شخص روپیہ کا لین دین کرتا ہو تمام کاشتکار اسی سے قرض لیتے ہیں روپیہ کی مقدار تو محدود ہوتی ہے مگر طلب زیادہ، اگر کاشتکار خوشحال ہوں اور گاؤں میں کواپریٹو بنکس ہوں تو یہ نوبت نہیں پہونچ سکتی۔

کاشتکاروں کی بیجا فضول خرچی

کاشتکاروں کی افلاس کا ایک سبب انکی بیجا فضول خرچی بھی ہے یہ وجہ تو بہت زیادہ اہم نہیں اسلیئے کہ ان کے پاس ہے کیا جو صرف کریں، پھر بھی وہ اکثر اوقات ضروریات رسمی کو ضروریات زندگی پر ترجیح دیتے ہیں خواہ بھوکے رہیں مگر مذہبی رسوم میں پیسہ ضرور صرف کرینگے، یہ فضول خرچی بھی بجائے خود بہت زیادہ ذمہ دار نہیں اسلیئے کہ عہد مغلیہ کے کاشتکار اس سے بہت زیادہ فضول خرچی کرتے تھے اور خوشحال تھے، یہاں کے کاشتکاروں کی فضول خرچی بھی دوسرے اسباب کے ماتحت ہے ایک یہ کہ انکو مذہب کی طرف سے واقفیت نہیں ہوتی دوسرے جہالت اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ آیندہ ضروریات کو محسوس نہیں کرتے لہٰذا فضول خرچی کم ہونے کے لیئے ان باتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

اس مالی خرابی کی ایک بڑی وجہ وہ مغربی قوانین ہیں جو جائداد غیر منقولہ سے متعلق ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جبوقت تک انگریز ہندوستان نہیں آئے تھے اسوقت تک کاشتکاروں کی حالت اچھی تھی مگر جیسے جیسے انکی حکومت پختہ ہوتی گئی ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انگریزوں کے آنے سے قبل زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات نہ صرف زراعت تک محدود تھے بلکہ زمیندار اپنے کو ان کا سرپرست سمجھتے تھے اور جب کبھی کاشتکاروں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو وہ اُن کی مدد کرتے تھے کاشتکاروں کا برتاؤ بھی اسیطرح کا تھا گو اس وقت کاشتکاروں کی حالت غلاموں کی سی تھی پھر بھی اپنے حال میں خوش تھے، جیسے جیسے مغربی قوانین رائج ہوتے گئے آپس میں مغائرت بڑھتی

گئی اور دونوں کے تعلقات صرف قانونی حد تک محدود ہوگئے۔ اب زمیندار اپنے کو اس بات کا ذمہ دار نہیں سمجھتا کہ وقت ضرورت کاشتکاروں کی مدد کرے، اب اسکو کاشتکار کی تباہی سے بحث نہیں اسطرح آپسمیں مغائرت بڑھی اور مغائرت کا نتیجہ مقدمہ بازی ہوا جو فریقین کی زیر باری کا باعث ہے پہلے کاشتکار کی یہ مجال نہیں تھی کہ بغیر زمیندار کی اطلاع اور رضامندی کے زمین رہن رکھے یا حق کاشت فروخت کرے، مگر نئے قوانین کی رو سے وہ ایسا کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں، کاشتکاروں کو ان حقوق کے دینے سے حکومت کا منشا یہ تھا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کاشتکار زمین رہن کر کے اسکا حق کاشت فروخت کر کے اسکو منتقل کر کے مالگزاری وقت پر ادا کر دے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ انگریزی قوانین کا رجحان ہی اسطرف ہو کہ انکی مالی حالت خراب ہو، کاشتکاروں کو آزادی مل جانے سے زمین کی قیمت میں تو اضافہ ہوگیا مگر پیداوار میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا، کاشتکار کو اس حد تک زمین پر اختیار مل جانے اور قیمت بڑھنے نے ان کو اس بات کی لالچ دی کہ جب کچھ بھی ضرورت ہو زمین رہن یا منتقل کر دے اسطرح قرض ستانی کی عادت انمیں اور ترقی کر گئی، اب اس خرابی کو حکومت بھی محسوس کر رہی ہے، اور بعض جگہ اس قسم کے قوانین نافذ کئے گئے ہیں کہ زمین قرض کے بارے سے فروخت نہیں ہو سکتی۔

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کے قریب قریب کل وجوہ مختصراً بیان کر دئیے گئے، ان خرابیوں کا زراعت پر جسقدر خراب اثر پڑ رہا ہو اور اس سے زراعت کو جسقدر نقصان پہونچ رہا ہو وہ خاص توجہ کے محتاج ہیں مالی خرابی کی وجہ سے نہ اچھے مویشی ہیں، نہ کھاد ہو، نہ عمدہ قسم کے تخم نہ نئے قسم کے آلات زراعت، نہ آبپاشی کا پورا انتظام غرض یہ کہ زمین کو درست کرنے اور زراعتی ترقی کے لئے جن جن باتوں کی ضرورت ہو وہ سب موجود نہیں ہیں۔

ان تمام باتوں کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا انکی حالت درست بھی ہو سکتی ہو یا نہیں، پانی کہاں تک پہونچ چکا ہے اور سر سے گزرنے میں کتنی دیر ہے؟ ابھی پانی سر سے نہیں گزرا ہو اور اگر فوراً اسکی طرف توجہ مبذول کی جائے تو پھر حالت درست ہو سکتی ہے مگر جسطرح پہلے سے تعویق ہوتی آئی ہو اگر اسی طرح ہوتی رہی تو پھر علاج ممکن نہ ہوگا۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہو کہ فوراً اس خرابی کو دور کرنے کی صحیح تدابیر اختیار کی جائیں اور سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ خود کاشتکاروں میں اپنی حالت کی خرابی کا احساس پیدا ہو اور وہ خود تعمیر

ذلت سے نکلنے کی کوشش کریں، صرف دوسروں کی کوششوں سے بغیر اسکے کہ وہ اپنی حالت کو محسوس کریں اور با تدبیر ہلائیں اس حالت کی درستگی مشکل ہے۔

اس کا واحد ذریعہ اشاعت تعلیم ہے، کاشتکاروں کی تعلیم سے مراد یہ نہیں کہ انکو اعلیٰ اعلیٰ علوم و فنون اور یونیورسٹی کی تعلیم دی جائے (اگر ایسا کیا جائیگا تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا کیونکہ کاشتکار اتنی اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد زراعت کو ذلیل سمجھنے لگیں گے دوسرے اعلیٰ تعلیم کو اسقدر وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لیئے زبردست انتظام اور بے حد روپیہ کی ضرورت ہے تیسرے اعلیٰ تعلیم کے لیئے ایک مدت دراز درکار ہے اور یہاں تو فوری انتظام اور بے حد روپیہ کی ضرورت ہے

یہاں کاشتکاروں کی تعلیم سے یہ مراد ہے کہ ان کو اتنا لکھنا پڑھنا آجائے کہ وہ اپنا کاروبار چلا سکیں اور اخبارات پڑھ سکیں، دوسرے ان کو زراعتی تعلیم دیجائے اور زراعتی تعلیم بھی اعلیٰ نہیں بلکہ جتنی ان کے لیئے اشد ضروری ہو۔ تیسرے جس صوبہ میں جس خاص چیز کی کاشت ہوتی ہو صرف اُسی کے متعلق انکو پوری تعلیم دی جائے، مثلاً بنگال میں جوٹ کی کاشت کی، بہار اور برما میں چانول کی، پنجاب میں گیہوں اور برار میں روئی کی غرض جس صوبہ میں جس چیز کی کاشت زیادہ ہوتی ہو اسی کے متعلق ان کو تعلیم دیجائے اسطرح وقت بھی کم صرف ہوگا۔ اور پوری طرح زراعتی ترقی بھی ہو سکے گی۔

دوسرے حکومت سرکاری طریق مالگذاری اور تحصیل مالگذاری (جنکی تشریح پہلے ہو چکی ہے) میں نرمی کرے محکمۂ بندوبست میں اصلاح کرے اور عملے کو رشوت ستانی سے باز رکھے۔ طریق مالگذاری کی اصلاح

تیسرے یہ کہ کاشتکاروں کی مالی حالت درست کرنے کے لیئے روپیہ کی فراہمی کا مناسب انتظام کرنا چاہیئے تاکہ کاشتکار مویشی، آلات کشاورزی اور تخم خرید سکیں، کھاد استعمال کر سکیں اور زمین کی زرخیزی کو بڑھا سکیں قرض دینے کا ایسا انتظام کیا جائے کہ شرح سود بہت کم ہو اور قرض ملنے میں سہولت اور رغبت ہو فضول خرچی کے لیئے قرض نہ دیا جائے، آیندہ کے لیئے ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ قرض کی عادت اور ضرورت مسدود ہوتی جائے۔ حکومت نے ان اصلاحات کا کچھ انتظام کیا ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔" حکومت نے بہت پہلے ان ضروریات کو محسوس کیا اور انکی تکمیل کے لیئے ۱۸۸۳ء میں قانون قرضہ جات اصلاح اراضی (Land Improvements Loans Act) پاس کیا اور ۱۸۸۴ء میں قانون قرضہ جات کاشتکاران نافذ کیا جو روپیہ ۱۸۸۳ء کے قانون کے ماتحت

دیا جاتا تھا اسکو اصلاح زمین کے لیے صرف کرنا ضروری تھا، مثلاً کنواں کھودنا موریوں اور نالیوں کی تعمیر و مرمت وغیرہ برخلاف اسکے ۱۸۸۴ء کے قانون کے تحت جو روپیہ دیا جاتا تھا لازم تھا کہ وہ مویشیوں تخم آلات وا وزار خریدنے پر صرف کیا جائے "۔ اگرچہ کاشتکاروں کی ایک معقول تعداد نے ان قوانین سے اپنی حالت سدھارنے کے لیے استفادہ کیا تاہم بحیثیت مجموعی جو امداد ان قوانین سے حاصل ہوئی وہ تقریباً ناقابل لحاظ ہے ایک تو یہ کہ جو رقم دیجاتی ہے وہ مقدار میں بہت قلیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ شرح سود اتنی کم نہیں ہوتی، جس سے کاشتکاروں کو قرض لینے کی کافی ترغیب ہو، تیسرے یہ کہ ان قوانین کے ماتحت قرض حاصل کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بہت ہی سخت اور تکلیف دہ ہے، یہی حال قرضہ ہائے تقاوی کا ہے اسکی بھی مقدار قلیل ہوتی ہے اور ادائی ایک وقت معینہ کے اندر لازم کردی جاتی ہے ان تمام خامیوں کے علاوہ ایک اور عام شکایت یہ ہے کہ قبل اسکے کہ قرض کی رقم کاشتکار کو ملے اس کا ایک جزو نامعلوم طریقے سے مفقود ہوجاتا ہے ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک کوئی معقول انتظام انکی مالی حالت کی درستی کے لیے نہیں ہوا ہے

چوتھے ایسے قوانین نافذ کیے جائیں جن سے کاشتکار زمین علیحدہ نہ کرسکیں اور قرض یا مالگذاری کا بار زمین پر نہ پڑے، اسکے متعلق بھی حکومت نے چند قوانین نافذ کئے ہیں، جن کا منشا یہ ہے کہ انکی املاک کو خاص طور پر محفوظ رکھا جائے، چنانچہ مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کی ایک خاص دفعہ کی رو سے کاشتکاروں کی بعض املاک کو قرق ہونے سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے (دفعہ ۴۴ - ۵۴ اور ۶۰) اسی طرح قانون امداد کاشتکاران (The agricullurists Relief Act) کے ماتحت کوئی کاشتکار کسی نقدی ڈگری (money decree) کے لیے گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور ہر کاشتکار کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا قرضہ باقساط ادا کرنے کا مطالبہ کرے ایک اور قانون قرضہ رباخوری (The usurious Loans act) پاس کیا گیا ہے، یہ قانون بھی خاص طور پر کاشتکاروں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

ایکٹ نمبر ۱۰ بابت ۱۹۱۸ء

ملک کے بعض حصوں میں اس مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے، حکومت نے چند اور قوانین نافذ کیے ہیں جنکی رو سے زمین کو منتقل یا رہن کرنے کے حق پر مختلف موانع عائد کیے گئے ہیں چنانچہ پنجاب، صوبہ متحدہ اور بمبئی میں یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے ۱۹۰۱ء کی قحط کمیشن نے یہ

رائے ظاہر کی تھی کہ زرعی قرضداری کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ سررشتہ بندوبست کی طرف سے زمین پر کاشتکاروں کا مالکانہ حق تسلیم کیا جائے، جب تک کہ ان حقوق میں رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں اسوقت تک کاشتکاروں کو قرضداری میں مبتلا ہونے سے روکنا ناممکن ہے اسی وجہ سے قانون انتقال اراضی پنجاب کی رو سے انتقال اراضی کے حقوق پر سخت رکاوٹیں پیدا کردی گئی ہیں، کوئی کاشتکار حاکم ضلع کی اجازت بغیر اپنی زمین کسی غیر کاشتکار کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، دکن کے بعض علاقوں میں بھی اس قسم کے قوانین نافذ کیے گئے ہیں۔"

اگرچہ زرعی ترقی میں ان تدابیر کی وجہ سے کوئی خاص نتایج برآمد نہیں ہوئے تاہم ان کا اسقدر فائدہ تو یقینی ہے کہ زمین سرعت کے ساتھ منقسم ہونے نہیں پاتی اور کاشتکار اپنی اراضی کے بعوض بہت زیادہ قرضداری میں مبتلا نہیں ہوسکتے، پھر بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ مالی اصلاح کی حقیقی تدبیر یعنی قرضہ کی فراہمی کا مناسب انتظام جلد سے جلد کیا جائے۔"

جیسا کہ بار بار بتایا جاچکا ہے باوجود حکومت کی ان ظاہرا تدابیر کے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ رہا ہے اور ان اسکیموں اور قوانین کے باوجود مالی حالت جیسی تھی ویسی ہی ہے۔

ابوالمنصور حمید عثمانیہ کالج ہوسٹل
(حیدرآباد)

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ

(مسلسل)

اخبار الاولیا میں ایک دفعہ کے اعتکاف کا ذکر لکھا ہے کہ مہرولی کے باہر ایک تنگ و تاریک کنواں تھا، اس کی مینڈھ سے رسی باندھ کر لٹک جاتے، اور دو دو ہفتہ اسی طرح لٹکے رہتے تاہم اس تمام محنت و کوشش کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا، البتہ یہ ہوگیا کہ کبھی کبھی بجلی چمک جاتی، حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھتے نظر آنے لگے اور ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی روشنی قلب میں پیدا ہورہی ہے۔

حسن اتفاق سے ایک روز تغلق آباد کے ویرانہ میں ایک صاحب دل سے ملاقات ہوگئی انہوں نے کہا: تم یہ کس وحشت میں مبتلا ہو، تعلقات کی زنجیروں کا کاٹ دینا ہی کافی نہیں ہے، دل بھی دونیم و دردمند ہونا چاہیئے، گزشتہ گناہوں کی تلافی کے لیئے ضروری ہے کہ آنکھیں اشکبار ہوں، درد کی تڑپ تن بدن میں جاری ہو، طلب صادق ہو، کسی غرض و خواہش کا میل نہ ہو، جوش ہردم تازہ رہے حقیقت کا جلوہ جہاں بھی نظر آجائے بے تامل دوڑ جاؤ، [illegible] خالص طلب میں پابندی کفر ہے۔

جواب دیا میرے اختیار کی جو بات ہے اس کے لیئے میں تیار ہوں، مگر یہ باتیں کہاں سے لاؤں، درد، سوز، تڑپ کس سے مانگوں، جوش کو جتنا تازہ اور قوی رکھ سکتا ہوں رکھتا ہوں، صدق و خلوص جتنا میرے اختیار میں ہے اپنے اندر پیدا کرلیا ہے مگر یہ سب بن پروئے موتی ہیں، ان کا ہار بنانے کے لیئے پرونے والے ہاتھ کی ضرورت ہے اور اسی سے اب تک محروم ہوں" انہوں نے کہا: تلاش شرط ہے، غرض تمہاری ہے، کسی اور کی نہیں، تمہیں ضرورت ہے تو ہمہ تن جستجو بن جاؤ، یہ کیا کہ کمر ہمت کھول ڈالی، اور منتظر ہیں کہ کوئی ہماری جھولی بھر دے، جستجو ہے تو قدم بڑھاؤ، کیسۂ زاد خالی ہے، تو کیا پروا، ہمت جوان ہونی چاہیئے سروسامان ناپید ہیں تو فکر نہیں، پاؤں میں تیزی اور شوق طلب میں جوش چاہیئے، یہ نہ ہو کہ دو چار قدم چلے اور بیٹھ رہے، یہ عشق نہیں عشق کے نام سے آرام طلبی ہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ حقیقت تک پہونچنے کے لیئے مجاز سے گذرے بغیر چارہ نہیں ہوتا، شاہ صاحب کی زندگی اس دعوی کا ثبوت ہے کہ وہ جب تک مجاز کے کوچوں سے نہ گزرے، حقیقت کی

منزل تک نہ پہونچ سکے۔ ریاضتوں اور مجاہدوں میں دو ڈھائی برس سے زیادہ مشغول رہے، وحشت جنون میں جنگلوں کی خاک سے چھ مہینے تک تلوے گرم کئے، مگر اس کے بعد بھی ویسے ہی کورے رہے، دل کو کسی طرح اطمینان نہ تھا، لیکن جب مجاز کے کوچوں میں داخل ہوئے، اور معشوق مجازی میں اپنے تئیں فنا کر دیا تو معشوق حقیقی کا روئے نگار سامنے آ گیا ؎

گرچہ آشفتگی کار من از زلف تو بود
حل این عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

مگر یہ چشم سامری فن کس کی تھی؟ وہ کون تھا جس نے اس آہوئے وحشی کو نخچیر بنا لیا؟ کہتے ہیں کہ جب شاہ صاحب جنگلوں میں پھرتے پھرتے تنگ آ کر شہر کی طرف آئے، تو ایک ہندو لڑکے سے آنکھ لگ گئی، اور عشق کے تیر سے زخمی ہو کر تڑپنے لگے۔ کسی نے کہا تھا ؎

گر دریں سودا در آید زلف ہندوئے بتے
صرف گردد صد ہزاراں نقد ایمانے کسے

شاہ صاحب نے کر دکھایا۔ نماز چھوڑ دی، بتوں کو پوجنے اور مندر میں آنے جانے لگے، پیشانی قشقہ سے کمر زنار سے شائستہ ہو گئی، مندر کی گھنٹی بجاتے اور اسکی آواز پر وجد کرتے۔ اسپر جگہ جگہ چرچے ہوئے، دوست دشمن نے اپنے اپنے خیال ظاہر کئے، بعض لوگوں نے کوشش کی کہ شاہ صاحب اپنے اصلی رنگ پر واپس آ جائیں یا کم از کم اس طریقہ کو چھوڑ دیں، لیکن یہ ان کی نادانی تھی، عاشق کو دین و ایمان سے غرض نہیں ہوتی، وہ کفر و اسلام کی قید سے آزاد ہوتا ہے، اس کے عشق کا کمال یہ ہے کہ معشوق کے ہمرنگ ہو جائے ؎

عاشق ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

علاقہ داروں نے زیادہ پریشان کیا تو بولے دیوانہ ہوں تو دیوانہ کو سمجھانے سے کیا فائدہ؟ وہ تو مرفوع القلم ہے، کسی کی بات نہیں مانیگا، جو اس کے دل میں آئے گا وہی کریگا، زمانہ مجھے دین باز کہتا ہی کہنے دو، تمھیں تو کچھ نہیں کہتا؟ میرا معاملہ نہ تم سے ہے، نہ ان سے، جس سے ہے اسی سے راست رہنا چاہیئے، وہی مجھے بس کرتا ہے دوسروں سے کام نہیں۔

تم کہوگے شاہ صاحب کی عشق و عاشقی کی مثنوی لکھی ہے، تو اس ہاتھ کی رعنائیوں کا نغمہ بھی چھیڑنا چاہیئے

حسن کا یہ سب ظہور تھا، مگر لیلی کی قسمت کوئی کہاں سے لائے، مجنوں صفت عشاق میں اسقدر پیش پیش تھے، جسقدر لیلی بزم حسیناں میں۔ پھر کیا لیلی سے زیادہ دنیا میں کوئی معشوق ہی نہیں ہوا؟

منزل عشق میں ایک چیز جنون و دیوانگی ہے، اور ایک چیز ضبط و ہوش مندی اور ان میں دونوں پر شہرت و گمنامی کی تعمیر ہوتی ہے، لیلی مشہور ہوئی کہ مجنوں کا وجود ہی نالہ و فغاں تھا، اور وہ ہندو زادہ گم نام رہا کہ کلیم اللہؒ سوز تمام کا سودائی تھا، آہ تک منہ سے نہ کی، عشق کی آگ میں جل مرا، مگر زبان کو آشنائے فغاں نہ ہونے دیا اور سچ پوچھو تو یہی کمال مرتبۂ عشق ہے۔

مگر بالائے این داں حقیقت کا پیغام کچھ اور ہے، وہ کہتا ہے معشوق کا بقائے نام عشق کی ناتمامی ہے، ۔

مجاز میں عشق ناتمام ہوتا ہے، عاشق و معشوق دو علیحدہ وجود رکھتے ہیں، لیکن حقیقت میں عشق درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے، عاشق و معشوق دونوں ایک ہو جاتے ہیں، وہاں دوئی کفر ہے جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے۔ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے غالب

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست این جا

مجنون کا عشق سرتاپا مجاز تھا، اسکی لیلی سر بام آگئی، اور لیلی و مجنوں دو علیحدہ نام رہے۔ لیکن شاہ صاحب کا عشق سراپا حقیقت تھا، وہ اپنی لیلی میں گم ہو گئے، اور لیلی ان میں نہ عاشق عاشق رہا نہ معشوق معشوق، صرف عشق باقی رہ گیا، اور اسی کی آج تک شہرت ہے، گو سلوک کی زندگی نے اس شہرت کو بالکل دبا دیا۔

آخر ابتلا کا زمانہ ختم ہوا، اور شاہ صاحب مجاز سے نکل کر حقیقت میں پہونچ گئے، اس زمانہ میں اکثر بزرگوں کی ارواح طیبہ سے ملاقاتیں ہوئیں، کئی دفعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، غوث العالم خواجہ مودودؒ، حضرت محبوب الٰہیؒ، شیخ احمد مجدد سرہندیؒ، اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی ملے۔ اب صرف دو ٹھکانے رہ گئے تھے، یا مزارات پر معتکف ہو کر کسب فیضان، یا اہل اللہ کی صحبتیں، جس کو خدا رسیدہ سنتے اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو طریقہ وہ بتلاتے اسپر عمل کرتے، میر محترم اللہ، شیخ ابو الفتح، محمد غیاث، سے اسی زمانہ کے تعلقات تھے، غرض اس حال میں پورا ایک سال گزر گیا۔ مختلف کیفیتیں طاری ہوئیں، احوال

۱؎ واقعات کلیمی میں لکھا ہے کہ بعد کو وہ ہندو زادہ مسلمان ہو گیا تھا، اور بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوا، اسلامی نام محمد حسین تھا۔

منکشف ہوتے رہے، کبھی جذب وشوق بڑھ جاتا، کبھی بالکل سرد پڑ جاتا، مگر ظاہر اجو ایک حالت قائم ہوگئی تھی، اسمیں تبدیلی نہ ہوئی، وہ برابر قائم رہی، اور آپ جذب سے سلوک کی طرف بڑھتے رہے، اسمیں جب ایک مناسب مقام پر پہونچ گئے، تو ایک بزرگ نے مدینہ منورہ جانے کا مشورہ دیا، آپ اسی روز کچھ مختصر سا سامان سفر کر کے روانہ ہوگئے ؎۱

اس زمانہ میں یہاں حضرت شیخ یحییٰ مدنی مسند آرائے سلوک وطریقت تھے، دنیا جہان کے لوگ ان ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مقصد کو پہونچتے تھے، آپ نے بھی ان ہی کو دست بیعت دیا، آزاد نے لکھا ہے:-

"ومدتہا دراں دیار فیض آثار بسر برد، وبخدمت شیخ یحییٰ دست بیعت داد" ؎۲ لیکن دونوں کی ملاقات ایک عجیب طریقہ سے ہوئی۔

ایک روز آپ مسجد نبوی میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، فارغ ہوکر اٹھے تو دیکھا کہ ایک بزرگ بغور دیکھ رہے ہیں۔ خیال گزرا کہ یہ صورت تو کبھی دیکھی ہے، اس خیال کے ساتھ ہی دل میں خود بخود کشش پیدا ہوئی، انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھکر نہایت گرمجوشی سے گلے ملے، دیر تک گفتگو ہوتی رہی، شاہ صاحب نے اپنے ایک خواب کا واقعہ بیان کیا، انہوں نے کہا ہاں میں بھی اس سے باخبر ہوں اسکے بعد وہ اپنے ہاں اٹھا لائے، اور دونوں پیرومرید ایک ساتھ رہنے لگے۔

گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہو کہ شاہ صاحب نے مدتوں سخت سخت مجاہدہ کئے، ہفتوں بے آب و دانہ رہے، اور روتیں جاگ جاگ کر کاٹیں، تاہم راز حقیقت اسی طرح مستور ومحجوب رہا، لیکن یہاں آکر نہ وہ ریاضتیں تھیں، نہ مجاہدے تھے نہ شب زندہ داریاں تھیں تاہم پردے برابر اٹھ رہے تھے، انکا رحقیقت روزانہ ایک نئی شان سے نمایاں ہو رہا تھا، اور بلند ترین مقامات پر سربلند ہو رہے تھے، سچ ہے ؎

یک زمانے صحبت مرد خدا
بہتر از صد سال طاعت بے ریا

جب آپ پوری طرح ترقی کر چکے تو شیخ نے دستار فضیلت باندھی، اور ارشاد وہدایت کی اجازت دیکر رخصت کیا۔ سلسلۂ نظامیہ میں لکھا ہے کہ کچھ زاد راہ بھی مرحمت فرمائی تھی، اور چلتے وقت ہدایت کی تھی کہ دنیا میں رہکر اس کے ترک کے خیال خام میں نہ پڑنا، جب قلب یکسو ہوجاتا ہے، اور خام کاری کی وہ دلی باقی نہیں رہتی تو حکم ترک ساقط ہوجاتا ہے، میں نے تمہارے لئے دین ودنیا دونوں کی شادمانیوں کی دعا کی ہے۔

شیخ صاحب سے رخصت ہوکر روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، کچھ دن مکۂ معظمہ میں ٹھہر کر اعتکاف کیا،

لہ وفات ... ۲ے ... نظامیہ ... سلہ ایضاً ص ۲۱

وہاں سے سیدھے دہلی آئے، اور ذکر و فکر، تعلیم و تربیت، زہد و تقویٰ سے دلوں کی معماری کرنے لگے، آزاد نے لکھا ہے:-

"اسلافش بکسب معماری اشتغال داشتند، حق تعالیٰ او را بہ معماری قلوب اختصاص بخشید"

قاضی کمال الدین نے لکھا ہے:-

"جمعے گم گشتگان راہ و متفحصان غیر آگاہ را چراغ ہدایت نمود، و از تاریکی گم گشتگی و غیر آگہی آوردہ در طلعت جاوید کامرانی فائز گردانید، آثار عالی و اطوار متلالی داشت، بہ تلقین و ارشاد اہل اللہ لیلاً می کوشید"

ماثر الکرام میں مرقوم ہے:-

"با فراوان نعمت بدیار ہند مراجعت نمود، و در شاہجہاں آباد در بازار خانم منزل گزید، و بہ درس کتب حقائق و تربیت ارباب ارادت مشغول گشت"

یہی زمانہ آپ کی تصنیف و تالیف کے دور ثانی کا زمانہ ہے - سواء السبیل، کشکول، تفسیر، تسنیم، رقعات، مرقعہ اور عشرۂ کاملہ اسی عہد کے برگ و بار ہیں، خزانہ شاہی سے آپ کا کچھ منصب بھی مقرر کیا جاتا تھا، اور کبھی کبھی محلسرا میں تشریف لانے کی درخواست بھی کی جاتی تھی، لیکن آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا، خرقۂ دریدہ پر قانع ہوں، منصب لیکر کیا کروں، رہا دربار میں آنا، سو اس کے متعلق یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت تیسرا درجہ ہے، اطیعو اللہ سے نجات ملے، تو کسی طرف توجہ کروں" ٥

اہل طریقت میں میر محترم اللہ، شیخ ابو الفتح، سید محمد کبروی، اور خواجہ محمد مصطفےٰ سے بہت گہرے تعلقات تھے، یہ چاروں حضرات طریقۂ نقشبندیہ اور قادریہ کے جلیل القدر شیوخ تھے، اور انہوں نے شاہ صاحب کو اپنے اپنے طریقہ میں ارشاد و ہدایت کی اجازت بھی دی تھی -

مرض الموت کے زمانہ میں اکثر مشائخ رات دن شاہ صاحب کے پاس رہتے تھے - خواجہ مصطفےٰ کہیں باہر گئے ہوئے تھے، انکو لکھا: ؎

اگر بسیر چمن میروی قدم بردار
کہ ہم چو رنگ حنا میرود بہار از دست

وہ جس وقت دہلی پہونچے آخری سانس لبوں پر تھا،

سنہ ۱۰۶۰ھ میں ۲۴ - جمادی الثانی کو پیدا ہوئے تھے، ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۲ھ میں وفات پائی، کسی نے شیخ کبیر تاریخ نکالی، مزار دہلی میں قلعہ معلیٰ اور مسجد جامع کے درمیان ہے -

ناظر دہلوی

[illegible]

فطرت سے جنگ

(افسانہ)

جب میں نے سنا کہ ہمارے کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سفنٹ ہندوستان سے کیمبرج واپس آگئے ہیں، تو میں اُن سے ملنے گیا۔ یہ جیالوجی (طبقات الارض) کے پروفیسر بھی تھے اور ہمارے ٹیوٹر بھی یہ اُس جماعت کے ساتھ کوہ ایورسٹ پر گئے تھے جو چوٹی کے بہت ہی قریب پہونچکر پلٹ آئی تھی، راہ میں پروفیسر سفنٹ کسی سبب سے اپنی جماعت سے علیٰحدہ ہوگئے تھے تلاش کے بعد ساری دنیا نے انہیں مردہ تسلیم کرلیا تھا، لیکن یہ حضرت چھ مہینے کے بعد یکایک دارجلنگ میں نمودار ہوئے اور آنے کے ساتھ ہی فرمایا کہ میں نے اس چھ مہینے کے اندر دو بڑے بڑے پہاڑ جو ایورسٹ سے بھی زیادہ بلند ہیں دریافت کیے ہیں اور یہ بھی بیان کیا کہ اُس خطہ کے جانور ابھی تک اُسی شکل و صورت کے ہیں جیسا کہ دو چار لاکھ برس قبل ہوتے تھے، پہاڑوں کے نقشے جانوروں کی تصویریں، انکی ہڈیاں، انڈے، پر اور بال انکی صداقت کے لیے کافی تھے، سارے عالم میں دھوم مچگئی فوراً کے، سی، آئی، ای کا خطاب ملا، دعوتیں ہوئیں اور یہ ہاتھوں ہاتھ لندن میں بادشاہ سے ملنے کیمبرج واپس آئے۔

چونکہ مجھے یہ بہت چاہتے تھے اسلیئے مزاج پرسی کے بعد مجھ سے کہنے لگے۔ "اسلم۔ پہاڑوں اور جانوروں کے بارے میں تو تم نے اخباروں میں پڑھ ہی لیا ہوگا اور میری نئی کتابوں میں بھی پڑھ لوگے۔ لیکن دارجیلنگ سے کوئی پندرہ دن کی راہ پر جب ایک جھونپڑی کے قریب پہونچا جسکے سامنے ایک حسین بچہ کھیل رہا تھا تو میری آہٹ پاکر ایک عورت نکل آئی اور مجھے دیکھکر اُس نے اپنے شوہر کو آواز دی وہ باہر آیا اور مجھے جھونپڑی کے اندر لیجاکر میرا حال پوچھنے لگا، بڑے اخلاق سے ملا، لیکن اسکی وضع اور سوالات سے میں نے جان لیا کہ یہ شخص معمولی پہاڑی نہیں ہے بلکہ کوئی لکھا پڑھا آدمی ہے، میرے اصرار پر اُسنے مجھ سے اپنی حالت بیان کی جسکو سنکر تم یقیناً بہت حیران ہوگے، اُسکی رام کہانی میں نے اُسی کی زبان میں لکھ لی تھی، اور وہ یہ ہے، پروفیسر نے الماری سے کاغذ کا ایک بنڈل نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"مجھے اب یاد نہیں کہ میں اُس قبر سے لپٹا کب تک روتا رہا۔ لیکن اس مدت دراز کے بعد بھی مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ اگر میں روتے روتے تھک کر چپ نہ ہوگیا ہوتا اور اگر بھیگی مٹی کی خوشبو نے مجھے تھپک تھپک کر

سلا نہ دبا ہوتا تو میں دیوانہ ہو گیا ہوتا، یا شدت غم سے میرا جگر پھٹ گیا ہوتا - آخر اسوقت میرا سن ہی کیا تھا؟ شاید دس برس کی عمر ہوگی ہاجرہ مجھسے کوئی دو برس چھوٹی تھی، میرے والدین کے انتقال کے بعد ہاجرہ کی ماں جو رشتے میں میری دور کی خالہ ہوتی تھیں ترس کھا کر مجھے اپنے گھر اُٹھا لائی تھیں اور کئی سال تک ہاجرہ اور میں نے ساتھ پرورش اور تعلیم پائی تھی -

برسات کا موسم تھا اور ٹھیک دوپہر کا وقت ہاجرہ کوٹھے سے نیچے اوتر رہی تھی کہ اُسکا پاؤں چھوٹا پڑا، اور وہ گر کر غش کھا گئی، میرے خالو نے ہزاروں جتن کئے، لاکھوں تدبیریں کیں لیکن ہاجرہ ایک آہ کے ساتھ ہمیشہ کے لیئے خموش ہو چکی تھی،

غریب ماں باپ رو پیٹ کر چپ ہو رہے اور چراغ جلتے ہاجرہ کا پھول سا جسم سپرد خاک کر دیا گیا، قبر کے اوپر نرم مٹی کا انبار لگ گیا، پانی چھڑک کر کورے گھڑے توڑ دیئے گئے، کربلا کے مجاور نے سرہانے ایک دیا روشن کر دیا، اور سب لوگ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے - لیکن میں اب گھر جاتا تو کیوں؟ اب وہاں کون میرے لئے بسکٹ کے ٹکڑے لیئے بیٹھا تھا، اب کون تھا جو کھلونے نکال کر بیتابی سے میرے آنے کا انتظار کر رہا تھا، خالو سے میں کبھی مانوس ہوا ہی نہ تھا اور خالہ بھی مجھ سے اکثر رنج ہی رکھا کرتی تھیں، ہاں - اگر کوئی میرا اپنا تھا تو وہ ہاجرہ تھی، مگر اب ہاجرہ موت کی گہری نیند سو رہی تھی، قبر میں تھی، اور چراغ کا تیل کورے دیئے نے پی لیا تھا مقبرہ سنسان پڑا تھا، لاکھوں امیدیں موت کی میٹھی نیند سو رہی تھیں - کچھ قبریں تو سلامت تھیں، لیکن اکثر ٹوٹ کر دھنس بھی گئی تھیں، اندھیرا گھپ تھا اور بیر اور ببول کے درخت ہوا میں سر دھن کر مردوں کی حالت زار پر افسوس کر رہے تھے - قریب کے پہاڑوں سے درندوں کی بھیانک آوازیں آ رہی تھی، اور میں سہم سہم کر قبر سے چمٹ جاتا تھا - کربلا کے سامنے دریا کا پانی بستیوں کو اُجاڑتا، اور کھیتوں کو برباد کرتا ہوا اچھلا جا رہا تھا، لیکن میں تھی اور وہ ننھی سی قبر - میں خدا سے دعائیں کر رہا تھا کہ قبر پھٹ جائے اور میں بھی اسمیں سما جاؤں آنکھوں نے رونے سے جواب دیا اور آخر کار دیر تک سسکیاں بھرنے کے بعد میں سو گیا -

یکایک میں چونک پڑا، میرے نزدیک جھکا ہوا ایک شخص مجھے جگا رہا تھا، میری آنکھیں کھلتے ہی اُسنے مجھے خاموش رہنے کی تاکید کی اور پھر مجھے ڈرایا کہ اگر میں نے آواز نکالی تو وہ میرا گلا گھونٹ دیگا، ہر ایک کو جان عزیز ہوتی ہے - میں سہم کر قبر سے الگ ہو گیا، اجنبی نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور منہ میں رومال کس دیا، لیکن میری آنکھیں کھلی چھوڑ دیں، مجھ سے فرصت پا کر اُسنے قریب کی جھاڑی سے ایک بکس نکالا، ایک چادر بچھائی - بکس سے

چند چھوٹے بڑے ڈبے نکالے اور پھر جلد جلد قبر سے مٹی الگ کرنی شروع کی، میں اُسکے ارادے کو سمجھ نہ سکا، ابھی ابھی میں قبر کے کھلجانے کی دعائیں کر رہا تھا، لیکن اب میرے دل سے فریاد کی ایک آواز بلند ہونا چاہتی تھی، مگر موُنھ تو بند تھا، زبان ساکت رہی، ہاں، آنکھیں فریاد کرنے لگیں اور آنسو بیتابی سے گر کر میری بیکسی کا اظہار کرنے لگے غضب کی بات تھی کہ ایک اجنبی ہاجرہ کی قبر کی یوں بے حرمتی کر رہا تھا اور میں مجبور پڑا تھا، مٹی علیحدہ کرکے اجنبی نے تختے جدا کیئے اور ایک بکس سے کچھ آلات نکال کر قبر کے اندر اُتر گیا، میں اتنا قریب تھا نہیں کہ دیکھہ سکتا کہ اُسنے قبر کے اندر کیا کیا۔ لیکن مجھے قبر کے اندر نہایت تیز روشنی ہوتی دکھائی دی گویا بجلی کا لیمپ روشن تھا، دس منٹ کے بعد اجنبی قبر سے نکلا، جلد جلد چند اور بکس کھولے کچھ مہین تار نکالے اور کئی بکس اور ڈبے ایک دوسرے سے ملا دیئے، اور پھر ایک بکس کے اندر کچھ دبایا، دھیمی گھنگھناہٹ کی آواز شروع ہوئی، اور وہ پھر قبر میں اُتر گیا میرے موُنھ سے ایک چیخ نکلی۔ مگر ایسے موُنھ پر تو رومال بندھا تھا ہاتھ پاؤں بندھے تھے، تڑپنا بھی تو ممکن نہ تھا، اجنبی قبر سے نکلا مگر شان یہ تھی کہ اُس کے دونوں ہاتھ ہاجرہ کی لاش سنبھالے ہوئے تھے۔ ہاجرہ کا سر اُسکے کاندھے پر تھا زرد چہرہ قبر کے اندر روشنی میں دیکھہ کر تڑپ گیا۔ بھیگے لمبے بال پریشان ہوکر ایک جانب کو لٹک رہے تھے، اور سارا جسم سفید کفن میں لپٹا تھا، کافور کی بو پھیلی ہوئی تھی، میں اضطراب میں اپنے کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا، لیکن اجنبی نے مجھے کچھ اسطرح گھور کر دیکھا کہ میرا سارا خون خشک ہوگیا، اور ہاجرہ کے چہرہ پر جو میری نظر پڑی تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ آنکھیں جو ابھی ابھی بند تھیں یکایک کھل گئیں اور منت سی کرنے لگیں کہ چپ رہو، آہ، یہ ہی وہ منت بھری نظر تھی جسنے اکثر مجھے خالہ اور خالو کے ہاتھوں پٹنے سے بچا دیا تھا۔

اجنبی نے لاش کو چادر پر لٹا دیا سینہ کے قریب سے کفن الگ کیا اور ہاتھ میں ایک آلہ لیکر قلب کے اوپر پھیرنے لگا۔ کچھ دیر یوں ہی مشغول رہنے کے بعد اُس نے ایک نازک سا چاقو نکال کر ہاجرہ کی ایک اُنگلی میں چبھو دیا، چند منٹ کے بعد اُسنے ایک شیشے کی نلی جسمیں کوئی عرق تھا اُنگلی سے ملا دی، اور پھر روشنی میں شیشی کو دیر تک بغور دیکھتا رہا، اسکے بعد اُسنے ایک چھوٹے ڈبے سے ایک نازک پچکاری نکالی اور اسمیں کچھ ڈال کر ہاجرہ کے شانے کی ایک رگ میں چبھو دیا، میں اُس کمسنی میں بھی ایسے آلہ سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ جب میری ماں کو ہیضہ ہوا تھا تو ڈاکٹروں نے اسطرح کی کئی پچکاری استعمال کی تھیں، تقریباً دو گھنٹہ اسی طرح مشغول رہنے کے بعد اجنبی نے لاش کے اوپر ایک سیاہ کپڑا ڈال دیا اور اپنے بکس بند کر کے مقبرہ کے باہر چلا گیا۔ چلتے وقت اُسنے مجھے گھور کر دیکھا اور میں نے بیمارے خوف کے آنکھیں بند کر لیں، دو لمحہ آکر وہ لاش اٹھا لے گیا، اور پھر آکر میرے ہاتھ پاؤں کھول کر نہایت

نرمی سے کہنے لگا - خائف نہ ہو میں تیرا دوست ہوں، جو کچھ کہوں چپکے سنے جا "بھلا میں کہتا تو کیا کہتا ؟ بت بنا کھڑا رہا، وہ مجھے سڑک پر لے آیا، سامنے ایک بڑا موٹر کھڑا تھا، پیچھے کے حصہ میں پردہ لگا تھا، اجنبی نے مجھے موٹر میں بٹھا لیا، اور موٹر روانہ ہو گیا، ابھی رات باقی تھی، اور ہم لوگ تیزی کے ساتھ شہر سے نکل کر گرینڈ ٹرنک روڈ پر تھے -

....

....

پانچ دن تک ہمارا موٹر برابر چلتا رہا، مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ ہاجرہ کی میت ہمارے پیچھے گاڑی کے اندر کسطرح رکھی تھی میں اجنبی کی بغل میں چپکا بیٹھا رہتا تھا، جب کبھی موٹر رکتا تو وہ مجھے ایک تپنچہ دکھا کر اترتا، مگر یہ سب فضول تھا، کیونکہ میرے خوف کا یہ عالم تھا کہ گردن ہلانا تو درکنار نظر پھیرانے کی بھی تاب نہ تھی - رستہ میں جب کبھی تیل کی ضرورت ہوتی تو اجنبی اکثر سنسان مقاموں پر موٹر روک کر سڑک کے کنارے ایک جھاڑی کے اندر سے تیل کے پیپے جو شاید قبل سے یہاں رکھے ہوتے نکال لاتا، ہر روز وہ ایک خاص قسم کے روغن سے سارے موٹر کو پوچھ ڈالتا اور ہر روز موٹر کا رنگ جداگانہ ہوتا - مجھے خوب یاد ہے کہ جب موٹر گیا سے روانہ ہوا تھا تو اسکا رنگ سیاہ تھا، پھر بنفشی، پھر نیلا، بیجنی، سبز، زرد، نارنجی اور پھر سرخ ہو گیا -

اُسوقت تو میں اس رنگ کی تبدیلی کو سمجھ نہ سکا، لیکن میرا خیال ہے کہ موٹر کسی ایسے کیمیاوی رنگ سے رنگا ہوا تھا کہ دوسرے روغن کے استعمال سے مختلف کیمیاوی مرکب بنجاتے تھے جو باری باری قوس و قزح کے مختلف رنگ اختیار کرتے تھے -

دوسری بات یہ تعجب خیز تھی کہ ہر چھ سات گھنٹے کے بعد اجنبی موٹر کے آگے کا حصہ جسمیں پانی ڈالتے ہیں اور جسے میں جانتا تھا کہ ریڈی ایٹر کہتے ہیں علیحدہ کر لیتا - اور جھاڑی سے دوسری قسم کا ریڈی ایٹر لگا دیتا - اس تبدیلی اور رنگ کے بدلنے سے موٹر کی صورت ہی دوسری ہو جاتی، ایک اور بات میں نے یہ دیکھی کہ اکثر پہیوں کے اوپر دوسرا ربڑ چڑھا دیتا جنسے پہیوں کے نشان سڑک پر دوسری طرح کے ہو جاتے، اُس کمسنی میں تو میں اس ردوبدل اور الٹ پھیر کے سمجھنے سے مجبور تھا - لیکن اب میں سمجھا ہوں کہ یہ ساری تدبیریں اسلیئے تھیں کہ اگر ہمارے تعاقب کرنے والے ہم تک آبھی جائیں تو ہمیں پہچاننے سے بالکل قاصر رہیں، ہاں - رستے میں وہ اکثر اپنے چہرہ پر مصنوعی مونچھ داڑھی لگا لیتا، اور اپنے اور میرے کپڑے بھی بدل ڈالتا -

کھانے کے لیے موٹر میں پھل اور بسکٹ موجود تھے اور پانی ہم لوگ رستہ میں ٹھہر کر لے لیا کرتے تھے۔ اجنبی اکثر پیچھے کے حصہ میں جاکر دیر تک کچھ کرتا رہتا، آلوں کی کھٹ پٹ، روشنی کی چمک اور گھنگنا ہٹ سے مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ شاید اُنہیں تجربوں میں مشغول ہو جاتا تھا جو اُسنے مقبرہ میں کیے تھے، میں اکثر موٹر پر بیٹھا بیٹھا سو بھی جاتا لیکن میں نے دیکھا کہ جب کبھی اجنبی کو نیند آتی تو وہ ایک خاص طرح کی گولی کھا لیتا اور تھوڑی دیر میں نیند کے سارے آثار دور ہو جاتے۔

تین دن کے بعد ہمارا موٹر پہاڑ پر چڑھنے لگا اور کئی گھنٹے برابر چڑھتا گیا، اب سردی بھی بڑھنے لگی، آدھی رات کے قریب ہم ایک تراہے پر پہونچے۔ موٹر روک کر اجنبی اُترا اور اُس حصہ کی طرف جدھر رستہ نہ تھا پہاڑ کی چٹان پر لاتیں مارنی شروع کی، چند منٹ کے بعد میری حیرت کی انتہا نہ تھی، جب میں نے دیکھا کہ پتھر کی بھاری چٹانیں ایکطرف کو سرکنے لگیں اور سامنے ایک پتلی سی سڑک دکھائی دی، اجنبی کود کر موٹر پر آگیا، اور بات کی بات میں ہمارا موٹر اس سنگی شگاف سے گزر گیا اور ساتھ ہی چٹانیں پھر سرک کر اپنی جگہ پر آگئیں، اُس اندھیرے میں میں اسکی تمیز نہ کر سکا کہ اب ہم ایک سرنگ کے اندر جا رہے تھے یا کسی عمیق اور تنگ وادی کے اندر، اندھیرا گھپ تھا اور موٹر کی تیز روشنی میں بھی چند گز سے آگے دیکھنا محال تھا، کوئی ایک گھنٹہ تک ہم لوگ اس رستہ پر چلے ہونگے سردی سخت تھی، اور میری ہڈیاں اینٹھی جا رہی تھی، ہوا تیز چل رہی تھی، اور جنگلی جانوروں کی بھیانک آواز مجھے ڈرا ڈرا کر قریب الموت کر رہی تھی۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے ہم اس رستہ سے باہر نکلے اور میں نے دیکھا کہ اب سامنے کوئی رستہ نہ تھا ہمارے اردگرد اور سامنے اونچے پہاڑ تھے، جنپر معمولی موٹر کا چڑھنا دشوار امر تھا۔ اجنبی اُتر کر ایک بڑے کھوکھلے درخت کے تنہ سے چند پہیے اور زنجیریں نکال لایا اور موٹر کے پہیے نکال کر جو چھوٹے تھے لگا دیئے۔ اب جو اسنے موٹر چلایا تو موٹر آہستہ آہستہ بدقت پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے بعد سامنے بڑے بڑے نہایت تناور درخت نظر آنے لگے اور وہ اسی قدر گھنے تھے کہ موٹر کا اُنمیں سے گزرنا شاید ممکن نہ تھا، میں نے ایسے بڑے اور تناور درخت کبھی نہیں دیکھے تھے اجنبی نے اُتر کر ایک درخت کے تنے پر لات ماری جس سے وہاں ایک بڑا دروازہ نمودار ہو گیا اور اُس سے ہم بآسانی گزر گئے، اسی طرح ہم اپنے داہنے بائیں کے درختوں سے گزرتے گئے۔ ہمارے ماسٹر نے جغرافیہ پڑھاتے وقت ایک دن کہا تھا کہ کالیفورنیا (یہ جگہ شمالی و مغربی امریکہ میں واقع ہے) ایسے بڑے درخت ہوتے ہیں کہ انکے تنوں کے اندر سے لدا ہوا چھکڑا گزر جاتا ہے۔ شاید یہ درخت بھی اُسی طرح کے تھے، ایک گھنٹہ کے بعد اجنبی نے

موٹر روک لیا، اور مجھے ساتھ لیکر جھاڑیوں کے اندر سے ہوتا ہوا ایک ایسی جگہ پہونچا، جہاں جنگل بہت گنجان تھا، جنگل کے اندر زمین دوز چھوٹا سا ایک مکان تھا اجنبی نے دروازہ کا ایک بٹن دبایا اور دروازہ کھل گیا۔ مجھے ایک چھوٹے کمرے میں بٹھا کر اجنبی باہر چلا گیا۔ کچھ دیر تو مینے اسکا انتظار کیا، لیکن پانچ دن کے بعد آج جو موٹر سے الگ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو میری آنکھیں بند ہونے لگیں، میں نے کوشش کی کہ نہ سوؤں، لیکن بہت تھکا تھا اور چند منٹ میں سو گیا

. . . .

. . . .

غالباً میں بیس گھنٹے سوتا رہا، کیونکہ جب میری آنکھ لگی تھی تو دن کے کوئی دس بجے تھے اور اب جو میں بیدار ہوا تو صبح ہو رہی تھی، چاروں طرف جنگل کے پرند کچھ ایسی خوش الحانی سے گا رہے تھے کہ اسوقت میرے کانوں کو بھی بہت بھلا معلوم ہوا، میں ابھی اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ آخر کیا کروں، کمرہ سے نکلوں بھی کہ نہیں کہ دروازہ کھول کر اجنبی اندر آیا اور مجھے ایک سلیٹ دیکر چلا گیا، سلیٹ پر میری ہدایت کے لیے چند باتیں لکھی تھیں "اس گھر میں ہمیشہ خاموش رہو۔ گھر سے باہر نجاؤ، وقت پر کھانا ملا کریگا، کھا کر فوراً سو جایا کرو، اور اگر ذرا بھی نافرمانی کی تو آفت آجائیگی"

میرے کمرے سے متصل ایک حمام کا کمرہ تھا جہاں میں نے ہاتھ موتھ دھویا، ایک گونگے حبشی نے سامنے چند روٹیاں اور پرند کے سالن کئی قسم کے رکھدیئے، چھ دن سے بسکٹ پر بسر ہو رہی تھی میں نے سیر ہوکر کھالیا۔

اسکے بعد اجنبی نے آکر مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، میں ساتھ ہو لیا، ہم لوگ ایک تنگ راستے سے ہوتے ہوئے جسمیں بڑی کی چادر بچھی تھی ایک بڑے گول کمرے میں پہونچے جہاں جاکر میں حیران و متحیر ہو گیا۔ کمرہ بہت کشادہ اور چھت بہت بلند تھی لیکن چھت قبہ کی مانند شیشے کی بنی ہوئی تھی جسکے نیچے ایک ریشمی چادر مہین تاروں سے کھچی ہوئی تھی کمرے کی دیوار بھی سنگ مرمر کی تھی اور فرش شیشہ کا تھا، چاروں طرف مختلف قسم کے آلے، دستے، بٹن، برقی تار اور قمقمے نصب تھے، لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز کمرے کے بیچ میں رکھی تھی، ہاتھی دانت کا ایک چھوٹا سا پلنگ تھا، جسپر ریشمی توشک بچھی تھی، اور یہ پلنگ ایک ایسے تختے پر رکھا تھا جیسا ریل کے اسٹیشنوں پر بڑی ترازو کا تختہ ہوتا ہے پلنگ کے چاروں طرف برقی آلے اور تار لگے تھے اور بیچ میں میری ہاجرہ کی لاشش

رکھی تھی، میں بیقرار ہوگیا، دل نے کہا کہ دوڑکر لپٹ جاؤں، لیکن اجنبی ساتھ تھا اور اُسکے پنجے کی چمک کی یاد اب بھی میرا خون خشک کردینے کے لیئے کافی تھی، ہاں کلیجہ اینٹھتا رہا اور آنسو مچل مچل کر میرے رخساروں پر گرکر میری مجبوری کی شہادت دینے لگے - آہ یہ وہی ہاجرہ تھی جسکے ساتھ میں مدتوں کھیلا تھا. یہی وہ تھی جو میرے آنکھوں کے سامنے کوٹھے سے گرکر دم توڑ چکی تھی، اسی کو میں نے سپردِ خاک ہوتے دیکھا تھا اور اسیکو اجنبی نے قبر سے کفن میں لپٹا ہوا نکالا تھا - لیکن اسوقت وہ میرے سامنے اس شان سے پڑی تھی کہ سر تو تکیئے پر تھا اور سر کے بال گوندہ کر ایک طرف کو چھوڑ دیئے گئے تھے - سارا جسم ایک دوشالے سے ڈھکا ہوا تھا آنکھوں پر سوڑ چلانے والوں جیسا نیلا چشمہ لگا تھا، نبض کے قریب کلائی تو نہر چاندی جیسی کسی دھات کی پٹری چڑھی تھی - جسمیں کئی تار لگے تھے اور یہ تار و پود کسی چند آلوں سے ملحق تھے جسکی صورت گھڑی کی تھی لیکن اسکے اندر کاغذ کی ایک پتلی دھجی ایک طرف کھلکر دوسری جانب لپٹتی جا رہی تھی، بغل میں چاندی سونے یا اسی طرح کے دو مختلف تار لگے تھے جو اینٹھے ہوئے تھے اور آگے چلکر دیوار کے آلوں سے ملے ہوئے تھے بازو پر جوشن جیسی کوئی چیز چڑھی تھی اور تار کے ذریعہ سے یہ بھی دیوار کے ایک آلے سے ملی ہوئی تھی - سینے سے متصل مگر جسم سے کچھ الگ لوہے یا سیسے کی ایک موٹی تختی رکھی تھی اور پلنگ کے قریب شیشے کے ایک موٹے ستون سے ملا ہوا ایک بڑا قمقمہ لٹک رہا تھا، جس کے اندر نہایت دھیمی برقی روشنی ہو رہی تھی اس قمقمہ کے سامنے کئی عدسے (لنس) لگے ہوئے تھے اور قمقمہ کی روشنی انسے گزرکر سینہ کی تختی پر پڑ رہی تھی - اُسوقت تو میں ان کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا لیکن مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ کلائی اور بغل کے آلوں کے ذریعہ سے ہاجرہ کے جسم کی حرارت خودبخود دیوار کے آلوں میں لمحہ لمحہ درج ہوتی جاتی تھی اور وہ اس طرح کہ سائنس کی یہ ایک دریافت ہے کہ اگر دو مختلف دھاتوں کو جوڑکر گرم کیا جائے تو اُنمیں برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے، جسکی مقدار حرارت پر مبنی ہوئی ہے، اسی برقی قوت کے ذریعہ سے آلوںمیں نشان پیجاتے ہیں جیسے حرارت کی مقدار کا پتہ چلتا ہے بازو کے آلوں سے قلب کے سیلان خون کی رفتار کا صحیح اندازہ ہوتا تھا، سینہ پر اکس رے کے ذریعہ سے اثر ڈالا جاتا تھا، لیکن چونکہ یہ غیر مرئی برقی قوت بہت تیز ہوتی ہے اسلیئے سیسے کی تختی بیچ میں رکھی تھی کیونکہ بغیر اس کے جلد پر مہلک آبلے پڑ جاتے ہیں، ایک اور آلہ تھا جس سے پلنگ اور اُس پر سوار رہنے والے کا وزن ازخود درج ہو جاتا تھا +

علی اکبر کاظمی (بی اے) کیمبرج

(باقی)

لارڈ رپن کا عہد حکومت

(مسلسل)

"۱۲ نومبر۔ ۱۵ گھنٹے کے دلچسپ سفر کے بعد بالآخر ہندوستان کا ساحل نظر آیا۔ ہمارے ساتھ ۴۳۵ مزدور بھی تھے جو سیلون میں محنت مزدوری کرنے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ کپتان کہتا ہے کہ آنے جانے والے مزدوروں کی سالانہ تعداد ۱۵۰۰۰ ہزار ہے۔ بندرگاہ پر ۲۵، ۳۰ مسلمان ہماری استقبال کو موجود تھے۔ ایک مور مسمی قاسم بیگ نے ہمیں ناشتہ کی دعوت دی مسلمان باشندے بہت غریب معلوم ہوتے ہیں جب میں نے ان سے ان کی حالت دریافت کی تو کہنے لگے کہ ہمارے لئے کوئی تعلیمی درس گاہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس امر کی بھی شکایت کی ہندو ان کی مساجد کے سامنے سے ڈھول بجاتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور چونکہ مجسٹریٹ ہندو ہے اس لئے اس رسم کو نہیں روکا جاسکتا۔ ہم صرف ٹیوٹیکورن میں دو گھنٹے تک ٹھہرے، اس کے بعد اپنے مسلمان احباب کی معیت میں آگے روانہ ہو گئے۔

"کمار اپورن میں ہمیں چند پہاڑیاں دکھائی دیں جو غالباً سرخ پتھر کی تھیں۔ اس کے قریب تمام کھیت ہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ساڑھے سات بجے کے قریب ہماری ٹرین روک دی گئی اس لئے کہ بڑی طوفان کی وجہ سے بہ گئی تھی۔ ہمارے ارد گرد ہزارہا مینڈک ٹرا رہے تھے۔ ۹ بجے کے قریب مدورا پہنچے جہاں دو مسلمان ہمارے منتظر تھے لیکن میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ سوائے لیٹ جانے کے اور کچھ نہ کرسکا۔

"۱۳ نومبر۔ مدورا خوبصورت اور خوشنما جگہ ہے۔ یہاں ناڑ کے بہت سے درخت ہیں جن میں بیشمار طوطے اپنا نشیمن رکھتے ہیں۔ ۹ بجے مسلمان زیادہ آئے۔ اب کی مرتبہ ان کے ساتھ ایک سید عالم بھی تھے جو اچھی خاصی عربی بولتے تھے مگر لہجہ وہی پرانا تھا۔ مسلمانوں کے مصائب کے بارے میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ جنوبی ہندوستان کے مسلمان قلیل التعداد ہیں اور مغل بادشاہوں کی اولاد ہیں۔ یہاں کی عام آبادی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ شاہی زمانہ میں مسلمان دربار میں یا فوج میں ملازمت کر لیتے تھے لیکن وہ جگہیں اب ہندوؤں کو منتقل ہو گئی ہیں۔ چونکہ وہ اپنی انگریزی دانی کے سبب ان سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے لئے مدارس چاہتے ہیں تاکہ انہیں بھی ملازمت مل سکے۔ سیلون کے موروں کے برعکس وہ تجارت پیشہ نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس اسکے ذرائع ہی موجود ہیں۔ صرف چند مسلمان دکاندار ہیں اور باقی مزدوری کر کے

اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ بہت سے اس قحط کی نذر ہو گئے جو سات سال قبل پڑا تھا وہ تعداد و ثروت میں دن بدن گھٹتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر ہر جگہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ آیا مدارس انہیں موجودہ حالت سے رہائی دے سکتے ہیں انہوں نے کئی دفعہ ہم سے پوچھا کہ کیا آپ ملکہ معظمہ کے رشتہ دار ہیں۔ اور مجھے اپنے نظام حکومت کی تشریح کرنے میں ذرا دقت محسوس ہوئی۔ انہوں نے بہت دلچسپی سے پوچھا کہ کیا یہ ٹھیک ہے کہ شہنشاہ روس نے افغانستان میں اپنی افواج روانہ کر دی ہیں اور جب میں نے یہ کہا کہ افواج کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں ہے لیکن اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی ایلچی کابل پہنچ گیا ہے تو اُن کے چہرے بشاشت سے چمک اُٹھے"۔

مدورا ہندوستان کا قدیم شہر ہے اور یہ جگہ وہ ہے جہاں برہمنوں کے مذہب پر غیر ملکی فتح (خواہ وہ ملکوں کی ہو یا فرانسیسیوں کی یا انگریزوں کی) کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ شہر میں غیر ملکی اثرات کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی ہمیں کوئی یورپین دکھائی نہیں دیا اور نہ عربوں کے طرز کی کوئی عمارت ہی دیکھنے میں آئی حسب ذیل بیان میری ڈائری میں موجود ہے:۔

"سہ پہر کو ہم محل اور مندر دیکھنے گئے۔ محل ایک نفیس عمارت ہے اور مدراس کی گورنمنٹ نے زر کثیر صرف کر کے اس کے بعض حصوں کی مرمت بھی کر دی ہے۔ نیلے پہاڑوں کا جو نظارہ دیکھنے میں آتا ہے وہ نہایت دل فریب ہے۔ مگر مندر چیزے دیگر ہے۔ وہ نہ صرف لاثانی ہے بلکہ مشرق کی اُن عمارتوں سے جو میں نے اب تک دیکھی ہیں اُس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چاروں کونوں میں بڑے بڑے دیو ہیکل بت رکھے ہوئے ہیں جس دروازے سے داخل ہوئے اس سے اندر کی چیزوں کا بالکل قیاس نہیں ہو سکتا اور چونکہ دروازہ بہت ہی معمولی ہے اس لئے اندر کی عجائبات دیکھکر ہمارے شوق میں اور زیادہ تیزی ہو گئی وہاں سے ایک رستہ جاتا ہے جسکی چھت پتھروں کے موروں کے سہارے قائم ہے۔ یہ رستہ تقریباً ۰۰ ۱ گز لمبا ہے اور اس کے دروازے پر بہت سی دکانیں ہیں جہاں پوجا پاٹ کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ ان دکانوں پر ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔

"ہم مجمع میں سے خاموشی سے گذر گئے۔ نہ ہمسے کسی نے کچھ پوچھا اور نہ ہمنے کسی سے کوئی سوال کیا جو چیزیں ہمنے دیکھیں ان کی تشریح کرنے والا کوئی شخص موجود نہ تھا لیکن میں آگے چلتا رہا گویا خواب دیکھ رہا ہوں تھوڑی دیر میں ہم ہاتھیوں تک پہونچ گئے جو مختلف رنگوں سے منقش تھے اور جن کے دانتوں پر سونے کی چوڑیاں چڑھی ہوئی تھیں آگے چل کر بازار ذرا تنگ ہو جاتا ہے اور وہاں پیتل کے دو بڑے دروازوں میں سے گذرنا پڑتا ہے جن پر بیشمار بت بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ایک مربع تالاب آتا ہے جسکے چاروں طرف دالان بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ننگے

آدمی سینر پانی میں نہار رہے تھے۔ یہاں سے گھنٹوں کی آوازیں دوسری جانب لے گئیں۔ تاریک اور مختلف برآمدوں میں سے ہوتے ہوئے ہم مقدس ترین جگہ یعنی مندر تک جا پہنچے۔ لوگ وہاں حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے لوبان وغیرہ کی خوشبو ہم تک آرہی تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک کھلی جگہ میں پہنچے اور بیشمار بتوں میں سے گذرتے ہوئے جن پر عقیدتمند پھول چڑھا رہے تھے ہم واپس ہوئے۔ میں نظارہ کو اور زیادہ بیان نہیں کرسکتا یہ مندر ہے اور زندہ عبادت کا مرکز جیسا کہ ۳۰۰۰ ہزار سال پیشتر تھا۔ یہ محض جائے عبادت نہیں ہے بلکہ مندر ہے جہاں لکڑی، پتھر، پیتل اور سونے کے قدیم دیوتاؤں کے روبرو اب بھی نیازیں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں اس تمام منظر نے مجھے بے انتہا تھکا دیا لیکن میں محظوظ بھی بیحد ہوا۔“

اسی رات ہم بذریعہ ریل ترچنا پلی پہنچے۔

”۱۴ر نومبر۔ ناشتہ کے بعد ہم ایک اور مشہور مندر کو دیکھنے گئے۔ اس کے لئے ہمیں شہر میں سے جانا پڑا جہاں ایک برات ملی۔ دلہن ٹٹو پر سوار تھی اور زیوروں سے لدی ہوئی تھی۔ کچھ دور جاکر ایک اور دولہا دلہن ہمیں ملے۔ ترچنا پلی کا مندر شہر سے بہت فاصلہ پر ہے اور مدورا جیسا دلچسپ ہے۔ ہم اسے زیادہ اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکے کیونکہ ہمارے رہنما (گائڈ) ہمیں وہ باتیں بتانا چاہتے تھے جنھیں ہم سننا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے ہمیں ہاتھیوں سے سلام کرایا جو بہت ہی عجیب دغریب معلوم ہوا۔

”یہاں کے عام کسان وحشی سے معلوم ہوتے ہیں۔ کمر تک ننگے رہتے ہیں۔ سر بھی کھلا رکھتے ہیں اور لمبی لمبی چوٹیاں رکھتے ہیں۔ نوجوان برہمن نہایت وجیہ ہیں۔ وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں اور کسانوں کی موجودگی میں اچھا تقابل پیش کرتے ہیں۔

”تانجور میں ہمیں ایک اور مندر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پتھر کی چھت کے نیچے ایک دیوہیکل بیل ہے جو شے ہماری لئے دلچسپی کا باعث ہوئی وہ چھوٹے سے مندر میں سیواجی اور اسکی اولاد کی تصاویر تھیں۔ اسکے گرداگرد گہری کھائی ہے۔ اسکے قریب کے محل میں سیواجی کی اولاد اب تک رہتی ہے جسے سلطنت سے محروم کرکے پنشن دیدی گئی ہے۔ محل کے کمرے شاندار ہیں۔ کتب خانہ میں گذشتہ صدی کی تصویرکشی کے بعض عجیب نمونے ہیں اجنبی مظالم کی ایک مصور کتاب بھی دیکھی۔ شاید آخری راجہ اپنے اختیارات چھن جانے کے بعد اسکے مطالعہ سے اپنے تئیں تسلی دے لیتا ہوگا۔“

ہندوستان کے اُن رؤسا کو دیکھکر جنہیں تاج وتخت سے محروم کردیا گیا ہے میری نظروں کے سامنے

ہمیشہ گرفتار شدہ جنگلی جانوروں کا نقشہ آجاتا ہے جو پنجروں میں بند ہونے کے باعث قریب المرگ ہیں۔

"۷ ار نومبر۔ مدراس۔ بڑی تکلیف دہ جگہ ہے۔ ہم نے جاتے ہی گورنمنٹ ہاؤس میں اپنا نام لکھا۔ جب وہاں پہنچے تو دروازہ پر صرف سنتری کو پایا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذی روح چیز وہاں موجود نہ تھی۔ مسٹر اور مسز گرانٹ ڈف گینڈی میں مقیم ہیں جو یہاں سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

"ہم مدراس میں صرف ایک ہفتہ ٹھہرے جب لوگوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہوئی تو بہت سے ہندوستانی مجھ سے ملنے کیلئے آئے جن میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے۔

"سب سے پہلے مجھسے مقامی اخبار "ہندو" کے ایڈیٹر ملنے کے لئے آئے۔ ان کا نام "سبرا مینیا آئر" ہے اور ان کے ساتھ ویرا راگھو اچاریا تھے وہ نہایت سمجھدار اور ذکی تھے اور لندن کے اپنے ہم پیشہ اصحاب سے کسی طرح پیچھے نہ تھے ان کے اوضاع واطوار بھی اچھے تھے اور طرز گفتگو سے ان کی قابلیت پر روشنی پڑتی تھی۔ ہماری گفتگو زیادہ تر زمین کے لگان، نمک کے محصول، شہری عدالتوں کی خرابیوں، روئی کی صنعت وحرفت اور ہمہ اصلاح کے خلاف سروس کی متفقہ کوشش کے متعلق ہوتی رہی۔ میں نے پوچھا کہ عام لوگ لارڈ رپن کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ "وہ پہلے وائسرائے ہیں جنکے نام سے اس صوبہ کے عام لوگ بھی واقف ہیں۔ اب تک لوگ کلکٹر کا نام جانتے تھے لیکن اب وہ لارڈ رپن کے نام سے بھی آشنا ہیں۔ جاہل آدمی انہیں البرٹ بل کے مانے سے خدا تعالے کا نیا اوتار سمجھنے لگ گئے ہیں"۔ اور مسٹر گرانٹ ڈف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بالکل ناکام ثابت ہوئے ہیں وہ بہت سی توقعات لیکر آئے تھے لیکن وہ کمزور و بیمار ہیں۔ اور اپنا کام خود انجام دینے کے قابل نہیں اور سب کچھ مستقل افسروں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔ ڈیوک آف بکنگھم نے جن سے ہمیں مقابلۃً کم توقع تھی، بہت کچھ کیا اور بہتر کام انجام دیا۔

ہندوستانی باشندوں میں گرانٹ ڈف کے متعلق بالعموم یہی رائے پائی گئی۔ چونکہ ان کی ساری عمر دار العلوم کی محدود آب وہوا میں بسر ہوئی اسلئے وہ ہندوستان کی مختلف سوسائٹی کے حالات کے مطابق کام کرنے سے قاصر رہے۔ لوگ مجھ سے بار بار پوچھتے تھے کہ ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور یہ کہ آیا سیلف گورنمنٹ یا حقیقی اصلاحات حاصل کرنے کی کوئی امید بھی ہے یا نہیں۔ میں نے انہیں انگلستان کی مختلف پارٹیوں کی من وعن حالت بتائی اور کہا کہ ریڈیکل پارٹی ۞ (آزاد خیال) جس سے لارڈ رپن کا تعلق ہے اس امر سے خوش ہے کہ ہندوستان پر ہندوستانیوں کی خاطر

۞ Radical Party

حکومت کی جائے، لیکن ٹوری پارٹی (قدامت پسند) صرف ہندوستان پر انگریزی مفاد کی خاطر اور تلوار کے زور سے حکومت کرنا چاہتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک اور پارٹی وِگ[1] ہے جو ترقی کی خواہاں ہے لیکن ساتھ ہی وہ موجودہ طریقہ حکومت میں کسی قسم کی دست اندازی بھی نہیں کرنا چاہتی ہیں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ جب تک لارڈ رپن برسر حکومت ہیں آپ لوگوں کو اپنی شکایات پیش کرتے رہنا چاہئے اس لئے کہ انکی دادرسی کا کچھ نہ کچھ موقع ضرور موجود ہے لیکن اب ان تمام اصلاحات کا نفاذ رد کیا گیا جنکی ابتدا، لارڈ رپن کے ہاتھوں ہو چکی ہے۔ میں نے کونسلوں میں اپنے نمایندے بھیجنے کے لئے ایجیٹیشن جاری رکھنے کے لئے صلاح دی اور کہا کہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں کامیابی کی صورت نظر آسکیگی۔ ان کا عام جواب یہ تھا کہ اگر سو سال میں بھی ہمیں یہ حق مل رہے گا تو ہم مطمئن ہو جائیں گے۔

ان ابتدائی ملاقاتیوں اور درادارا آگے ان لوگوں سے میرا تعارف کرانے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی جو مجھسے کھلم کھلا ملتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جن اشخاص کے پاس وہ مجھے لیگئے ان میں سب سے زیادہ دلچسپ مرہٹہ برہمن رگھوناتھ راؤ تھے جو کسی بزدلی کے سبب سے نہیں بلکہ بڑھاپے کے باعث مجھسے ملنے سے قاصر ہیں۔ یہ کچھ زمانہ تک ریاست ہلکر کے وزیر رہ چکے ہیں۔ نہایت قابل، پرمذاق اور فہیم و ذکی ہیں۔ ان کی گفتگو میں سقراط کا رنگ پایا جاتا ہے جس سے وہ شکل و شباہت میں بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔ جب میں ان سے ملاتو وہ قمیص پہنے ہوئے تھے پاؤں میں جوتہ تھا پہلے ہی فقرے سے ان کی انتہائی قابلیت اور وسیع ذہنی فوقیت کا مجھ پر اثر پڑا، ہندوستانی سیاسیات پر ان کی تقریر نہایت سبق آموز تھی۔ سقراط کی طرح وہ اپنی ہر ایک بات کی تشریح کہانی کے ذریعہ سے کرتے تھے جو بسا اوقات دلچسپ و دل خوش کن ہوتی تھی۔ انہوں نے انگریزی حکام کے الگ تھلگ رہنے کے متعلق بہت کچھ کہا جو ہندوستانیوں کی زندگی سے بالکل ناواقف رہتے ہیں۔ پہلے یہ حالت نہ تھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں جب کہ انگلستان کے ساتھ نامہ و پیام بہت کم ہو سکتا تھا اور دقت طلب بھی تھا، انگریزی افسر حتیٰ کہ گورنر اور گورنر جنرل بڑے بڑے ہندوستانیوں سے مراسم رکھنے پر مجبور تھے۔ انہیں ان کی زبان مجبوراً سیکھنی پڑتی تھی اور وہ ان سے تقریباً مساویانہ انداز سے ملتے تھے۔ آجکل وہ اپنی ہی ہم قوموں میں رہتے سہتے ہیں اور کسی طبقہ کے ہندوستانیوں سے میل جول نہیں رکھتے بلکہ اُن سے مذاق آمیز نفرت کا سلوک روا رکھتے ہیں اس طریقہ سے انہیں لوگوں کے خیالات و جذبات اور ان کی آراء سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی وسیع موقع نہیں ملتا اور نہ وہ اسکی پرواہ کرتے ہیں اور اس طرح سے حکام اور رعایا کی درمیانی اختلافات کی خلیج سال بسال

[1] Whig

وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔

انہوں نے نہایت پُرمذاق طریقہ سے وائسرائے کی پوزیشن کو بیان کیا جو کلکتہ یا شملہ میں ہندوستانی مسئلہ کو سمجھنے اور کچھ اچھا کام کرنے کی غرض سے اس ملک میں آتا ہے اور آجانے پر اپنے تئیں مستقل انگریزی دفتری جماعت سے گھرا ہوا پاتا ہے جو اس کے کوٹ کے دامن پکڑ کر کھینچتی ہے بالخصوص جب کبھی وہ کسی خطرناک مسئلہ کو ہاتھ لگانا چاہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسکی میعادِ حکومت ۵ سال کی ہوتی ہے۔ پہلے دو سال تو آب وہوا سے خوگر ہونے، جدید زندگی سے واقفیت پیدا کرنے، ہندوستانی رؤسا سے گفتگو کرنے کا ڈھنگ سیکھنے یعنی یہ کہ وہ کس قسم کی ہونی چاہئے، گذشتہ واقعات کی تاریخ کا مطالعہ اور اہم مسائل کے بارے میں سرکاری نقطۂ خیال معلوم کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ دوسرے دو سال بشرطیکہ وہ دیانتدار اور کام کا شخص ہو وہ اپنی پالیسی کی تشریح کرنے میں صرف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افسر جو اُسے سلام کرتے اور بظاہر اس سے اتفاق رائے رکھتے ہیں تفصیل میں پڑ کر اسے ہر جگہ شکست دیتے ہیں اور ایسی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں جن سے اُس کے مقاصد کو لازمی طور پر شکست ہو جاتی ہے یا وہ التوا میں پڑ جاتے ہیں حتےٰ کہ اسکی حکومت کا زمانہ ختم ہونے کے قریب آجاتا ہے بالعموم وہ اپنے ہی افسروں کی ہم نوائی کرتا ہے، اپنی گرانقدر تنخواہ میں سے جو کچھ بچا سکتا ہے، بچانے کی کوشش کرتا ہے، شیروں کا شکار کھیلتا ہے، دورہ کرنے، دربار منعقد کرنے اور ہندوستانی روساء سے ملاقاتیں کرنے سے تفریح اور اپنی نصف میعاد ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہندوستانی باشندوں سے دور اور اینگلو انڈین عورتوں کو ناچوں میں بلانے اور ضیافتیں دینے میں گذار دیتا ہے۔ اپنی میعاد حکومت کے آخری سال میں اسکی نسبت یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ وہ مردہ ہے اور ہر قسم کی اہمیت سے معرا ہے اور پھر وہ سامان باندھنے کے بعد اپنے "گھر" روانہ ہو جاتا ہے اور دل میں اس خیال سے مطمئن رہتا ہے کہ میں نے اپنے پیش روؤں کے مقابلہ میں کوئی خراب کام نہیں کیا

کاش میں اس عجیب وغریب گفتگو کو تمام وکمال درج کر سکتا! - میں نے ان کے دوستوں سے سنا ہے کہ اپنی صاف گوئی کے باعث وہ ہمیشہ حکام کی نظروں میں کھٹکتے رہتے ہیں۔ سر چارلس ٹریولین[1] جن کے عہد حکومت کے متعلق ہندوستانی اچھی رائے رکھتے ہیں ان پر بے انتہا اعتماد رکھتے ہیں اور انہیں نہایت معتدل عہدہ دے رکھا تھا مگر ان کے جانشینوں نے اُن کو دبانے کی ہر طرح سے کوشش کی اور چونکہ ان کی سوشیل حیثیت بہت اعلیٰ ہے اور ان کے ذرائع آمدنی کافی ہیں اس لئے وہ اپنے مخالفین کے خلاف ہر قسم کے حملوں کی کامیابی سے مدافعت

[1] Sir Charles Trevelyan

کر سکتے ہیں۔

" ہم میتسوامی آئر جج سے ملنے کے لئے گئے لیکن اُنہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ ورادا راؤ نے اس کی یہ تشریح کی کہ چونکہ وہ سرکاری ملازم ہیں اس لئے انہوں نے غالباً انگریز افسران سے مشورہ کیا ہوگا جنہوں نے یہ صلاح دی ہوگی کہ بیماری یا عدم موجودگی کا بہانہ کر دینا چاہئے۔ جو ہندوستانی سرکاری ملازمت میں ہیں وہ کلیتہً حکومت کے زیر اثر ہیں اور جب تک ان کے پاس اپنے ذرائع نہوں وہ انگریزی افسروں کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

اسی دن (۲۱ رنومبر) میر ہمایوں جاہ بہادر جو مدراس کے مسلمانوں کے لیڈر ہیں، مجھسے ملنے کے لئے آئے۔ بہت معمر بزرگ ہیں اور درباری آداب کے عادی، بہت تکلف برتتے ہیں اور کسی مسئلہ پر رائے کا اظہار کرنے میں خاص طور پر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ ٹیپو سلطان کی (جو اپنی سیاسی قابلیت کی وجہ مشہور ہے) براہ راست اولاد میں ہونے کے باعث وہ یہاں کی دنیائے اسلام کے سرگروہ سمجھے جاتے ہیں اور جسقدر انجمنیں ہیں وہ ان سب کی صدارت کرتے ہیں بعد میں انہوں نے ایک نوجوان بنگالی مسلمان سید عبدالرحمن کو میری ملاقات کے لئے بھیجا یہ جدید وضع کے قابل قانون دان ہیں۔ انہوں نے یوروشین عورت سے شادی کی ہے جواب مسلمان ہوگئی ہے۔ ہم ان کے گھر گئے جہاں بغیر کسی پردہ کے وہ چاء کی تواضع کرنے کی غرض سے باہر آئی، ہم ہی پہلے یوروپین ہیں جنہوں نے انکی شادی کے بعد ان سے شرافت کا برتاؤ کیا۔

سہ پہر کو ایک ہندو زمیندار رنگیا نائیڈو ملنے کے لئے آیا۔" اُس نے کسانوں کی تباہ شدہ حالت کی شکایت کی اور بتایا کہ نمک کے محصول کی وجہ سے ان کی تکالیف میں اضافہ ہوگیا ہے۔ زمین کا لگان بھی پہلے سے بہت زیادہ کر دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ سے کسان مہاجنوں سے سود پر روپیہ قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسنے مجھے یقین دلایا کہ اس کے کسان کفایت شعار ہوتے ہیں وہ روپیہ بنکوں میں نہیں رکھتے بلکہ اسے سکوں یا زیوروں کی شکل میں محفوظ رکھتے ہیں۔ لیکن اب لگان نے انہیں کہیں کا نہیں رکھا وہ جنگلات کے جدید قوانین کا بھی شاکی ہے جہاں لوگوں کی مویشی مفت چرایا کرتے تھے اور اب مختلف قسم کی پابندیوں کے باعث وہ جلد مرجاتے ہیں۔

" ۲۲ رنومبر۔ ورادا راؤ صبح سویرے آگیا اور مجھ سے کہا کہ میتسوامی مجھسے جج کے طور پر ملنے کے لئے آمادہ و تیار ہیں ہم گاڑی میں جارہے تھے کہ راستہ میں رگھوناتھ راؤ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ آج وہ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے لیکن پاؤں میں جوتیاں مفقود تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا زاد بھائی تاکور جی بہت

بہت بڑے رئیس ہیں میرا اُن کا ارادہ تھا کہ سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ کر جائداد کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن چونکہ سرکاری ملازمت کے باعث ضلع کے غیر معقول انگریزی افسروں کے ظلم سے ایک گونہ نجات ملتی تھی اس لئے ہمیں اپنی تجویز کو بدل دینا پڑا - انہوں نے اس بیان کے ثبوت میں تین چار مثالیں بیان کیں - ایک ان کے دوست کی تھی جو مجسٹریٹ تھے اور پنشن پا چکے تھے - وہ زیادہ تر اپنے ہی گاؤں میں رہتے تھے اور چونکہ وہ ظاہر داری کے عادی نہ تھے اس لئے ہمیشہ ریزیڈنٹ کلکٹر کی خدمت میں آداب بجا لانے کے فرض میں کوتاہی برتتے تھے - اُس کا خمیازہ انہیں یہ ملا کہ حکام کی رائے ان کے متعلق خراب ہو گئی اور ایکدن وہ سازش کے الزام میں گرفتار بھی ہو گئے - یہ الزام قطعی طور پر بے بنیاد تھا - مقدمہ بازی میں ان کے ۳۰ ہزار روپیہ صرف ہوئے - اور وہ بالکل تباہ و برباد ہو گئے اور اب ان کی یہ حالت ہے کہ گورنمنٹ کے غلام ہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے افسر کو فرشی سلام کرتے ہیں کاش میں ان کی تمام کہانیاں تحریر میں لا سکتا! دار العوام میں آٹھ دس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو انداز گفتگو میں اُن سے بازی لے جا سکیں[1] -

"میں نے انہیں انگلستان آنے کے لئے بار بار کہا لیکن ورادا کی رائے یہ ہے کہ سب ذات پات کا مسئلہ ہے - اگر رگھوناتھ جائیں گے تو بہت سے برہمن اُن کی تقلید کریں گے - مشکل یہ ہے کہ مذہب ہنود میں سمندری سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے - بیس برس پیشتر مدراس سے کلکتہ براہِ جہاز آنے کی ممانعت تھی لیکن اب اس شرط پر اجازت دیدی ہے کہ راستہ میں کھانا نہ کھایا جائے - سب متفق ہیں کہ ذات پات کی یہ قیود دیر سویر ٹوٹ جائینگی لیکن ان کو توڑنے کے لئے کوئی شخص پہل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے - سید عبد الرحمن کی یوریشین بیوی نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ بنگال میں ایک کلکٹر تھا جو اپنے مکان کے پاس سے گذرنے والوں کو جوتیاں اُتارنے اور اپنی چھتریاں کو بند کرنے کا حکم دیا کرتا تھا -

"ہندوستان آنے کے بعد جس انگریز نے سب سے پہلے ہم سے ملاقات کی وہ مسٹر لیفین[2] تھے جو گورنمنٹ کے سکرٹری ہیں - وہ مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آپ کن کن مسلمانوں سے مل چکے ہیں - وہ بظاہر ہندوستان کے متعلق اچھے خیالات رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ عنقریب لیجسلیٹو کونسل کے ہندوستانی ممبر بذریعہ ووٹ منتخب کئے جائیں گے - میرا خیال ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں کہ میں کیا کام کر رہا ہوں - آخر کار متیسوامی جج

---

[1] جب رابرٹ بورک لارڈ کونیمرا (Robert Bourke, Lord Connemara) مدراس کے گورنر بنا کر ۱۸۸۶ء میں بھیجے گئے تو اس وقت رگھوناتھ راؤ کی بابت میں نے سفارش کی اور انہوں نے کسی دیسی ریاست میں بطور دیوان ان کا تقرر کرا دیا ہے

[2] Laffan

ملنے کے لئے آئے اور نہ ملنے کی معذرت بھی کی۔ وہ قابل شخص معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے البرٹ بل کے بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ کاشتکار بہت ہی بدمعاش ہیں اور چونکہ ہائی کورٹ کے اخراجات ہندوستانیوں کے لئے بہت ہی زیادہ ہیں اور یہی وہ عدالت ہے جہاں ان پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اس لئے جہاں تک چھوٹے چھوٹے جرموں کا تعلق ہے وہ عملاً قانون کی زد سے محفوظ رہتے ہیں۔ مجوزہ تبدیلی کے متعلق اندیشہ یہ ہے کہ ہندوستانی جج جانبداری کے الزام سے بچنے کی خاطر ضرورت سے زیادہ نرمی برتیں گے۔"

"رات کو گورنر مسٹر گرانٹ ڈف کے ساتھ گنیڈی میں کھانا کھایا۔ میری ان کے متعلق یہ رائے ہے کہ وہ دبلے پتلے، نحیف، حساس آدمی ہیں۔ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز سے کوئی موافقت نہیں رکھتے اور باوجود اس کے مدراس کے ہندوستانی اپنے اوپر حکومت کرنے کے لئے انہیں دس ہزار روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔" وہ مجھ سے ذرا کھینچ کر ملے اور کچھ مشتبہ بھی تھے۔

"۲۳ نومبر۔ رات کو بہت کم آرام کیا اس لئے کہ ہماری گاڑی ۱/۲ ۶ بجے روانہ ہونے والی تھی۔ ورادا راؤ رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ تروپتی میں اس کے والد رام راؤ سے ملاقات کرنی ہے۔ جہاں وہ سنسکرت کالج کا افتتاح کرنے کے لئے بہت سے پنڈتوں کو ہمراہ لیکر گئے ہوئے ہیں۔ مدراس کا سفر کامیاب رہا ہم نے وہاں بڑے بڑے ہندوؤں سے مراسم پیدا کئے ہیں۔ مسلمان وہاں کم دیکھنے میں آئے۔ صوبہ میں جان بہت کم معلوم ہوتی ہے۔

"تروپتی دلاویز مقام ہے اور برہمن جاتری دور دور سے جاترا کے لئے آتے ہیں۔ بنگلہ پر پہنچتے پہنچتے افتتاحی رسوم ادا ہو چکی تھیں ہمارے لئے باقاعدہ ضیافت تیار کی گئی تھی۔ رنگیار نائیڈو نے ہمیں مندر اور شہر کی سیر کرائی اس نے بتایا کہ آج جس قدر تیاریاں کی گئی ہیں وہ مسٹر ٹی کی خاطر ہیں جو اس موقع پر گورنر کی نمایندگی کرنے کے لئے خاص طور سے آئے ہوئے ہیں۔ مسٹر ٹی اپنی سنسکرت دانی کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں لیکن رنگیار وغیرہ اُن کی طرف سے بدظن تھے ٹی خشک اور سخت مزاج معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں ہر وقت اپنی شان کا خیال تھا اور ہمیں دیکھ کر یا تو وہ متعجب ہوئے یا گھبرا گئے۔ راما راؤ نے اُن پر ظاہر نہیں کیا کہ تیرے بیٹے کی دعوت پر یہاں آئے ہیں مگر میں نے ذرا شگوفہ چھوڑنے کی غرض سے راما راؤ سے کہا اس طرح سے کہ ٹی بھی سن لیں کہ ورادا مجھے اسٹیشن پر پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ یہ سنتے ہی رام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ اور باتوں میں لگ گئے۔ یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ ہر شخص معمولی سے معمولی انگریز سے خائف

خائف رہتا ہے لیکن میرے خیال میں افسر مذکور کو ان سب کو تباہ و برباد کردینے کے اختیارات حاصل ہیں۔ کھانا سو آدمیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن سوائے تین اشخاص کے اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے ہمنے بے تکلف ہو کر کھایا۔"

ٹی نے کسی سے بات چیت نہیں کی لیکن باوجود اس کے ہم مختلف سیاسی مسائل پر گفتگو کرتے رہے بعدہ میں نے رام سے علیحدگی میں باتیں کیں، لیکن وہ اور پنڈت "حضور" کے قریب زیادہ بات چیت کرنے سے ڈرے۔ ان غریب آدمیوں نے ٹی کو چاندی یا سونے کی ایک پلیٹ بھی پیش کی جسے اس نے شکریہ کا ایک بھی لفظ ادا کئے بغیر لے لیا۔ صرف دو تین آدمیوں سے اس نے ذرا ذرا بات کی۔ باقی تمام وقت وہ بیٹھا رہا اور باقی لوگ کھڑے رہے۔ میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہندوستانی اس قدر روپیہ صرف کرکے کیوں دعوتیں دیا کرتے ہیں۔ پلیٹ کی قیمت ۳۰ پونڈ ہوگی اور کھانے پر بھی کم سے ۱۰۰ پونڈ صرف ہوئے ہوں گے اگر یہ روپیہ کسی کالج کو دیا جاتا تو بہت نفع پہنچتا۔ آتشبازی دیکھنے کے بعد جب سرکاری افسر چلے گئے تو سب کو اطمینان نصیب ہوا جسے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ بہرحال دن دلچسپ مشاغل میں گذرا۔ اور یہ واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

۲۴ نومبر۔ رنگیار نائیڈو حسب وعدہ صبح کو آیا اور ہمیں گاؤں دکھانے کے لئے لے گیا۔ راستہ میں اسنے سنسکرت کالج کی تاریخ بیان کی۔ چند سال پیشتر انگریزی حکومت نے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر مندروں کا انتظام مقامی ٹرسٹیوں کے سپرد کردیا تھا لیکن یہ کارروائی کچھ ایسی بے پروائی سے کی گئی تھی کہ کئی ٹرسٹیوں نے قانون کی پرواہ نہ کرکے زمینوں کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ترونتی کی سالانہ آمدنی لاکھوں کی ہے اور یہ سب کی سب مہنت کے ہاتھ میں ہے ٹرسٹ (وقف) میں اس قدر خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ گزشتہ سال کونسل میں اس برائی کا سد باب کرنے کی غرض سے مسودۂ قانون پیش کرنے کی بھی کوشش کی گئی تھی لیکن مسٹر ٹی نے اسکی سختی سے مخالفت کی اور اسلئے وہ ناکام رہی۔ کل کی ضیافت اکیلے مہنت کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں سنسکرت کالج کی آڑ میں آمدنی کا روپیہ ہضم کیا جائے گا۔ رام راؤ کے متعلق یہ ہے کہ اُن کی بزدلی کی اصل وجہ اُن کی ممبری کونسل ہے۔ ان کا خاندان حیدرآباد سے آیا تھا۔ گھر میں وہ تیلوگو بولتے ہیں جو دکن کے ہندوؤں کی عام زبان ہے۔

ہمارا تمام دن دیہات میں صرف ہوا۔ چونکہ مجھے مصر سے پوری واقفیت تھی اس لئے جن باتوں کی میں تلاش میں تھا، اُن کو کسی دقت کے بغیر معلوم کرلیا۔ یعنی یہ کہ خالص پیداوار پر کس قدر لگان لیا جاتا ہے، لوگ مقامی طور پر کسقدر

متعرض ہیں۔ سات سال قبل کے قحط کا اب تک کس قدر اثر باقی ہے۔ نمک کے محصول کو جس کا اثر مویشیوں پر پڑتا ہے اور جنگلات کے جدید قیود کو کہاں تک پسند کیا جاتا ہے، کسانوں کی عام خوراک ساگ ہے۔ صرف چند ہی اشخاص کو دودھ میسر آتا ہے اور کمی غذا کا اثر ان کی نحیف صورتوں سے نظر آسکتا ہے۔ ان کے مکانات مصر کی طرح مٹی کے ہوتے ہیں لیکن نہیں بہت صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔

زنگیا نائیڈو مجھے ریل تک پہنچانے آیا اور اپنے دوستوں کے نام تعارفی چٹھیاں بھی دیں۔ یہ بہت تعلیم یافتہ آدمی ہے اور ذات کا چھتری ہے۔ اُس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصری شیخ ہو وہ مدراس کی میونسپل کونسل کا منتخب شدہ ممبر ہے۔

۲۵- نومبر- رات کی گاڑی سے بلاری پہنچے جو قحط زدہ حلقہ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ہندوستان کا یہ حصہ سطح مرتفع ہے جو سطح سمندر سے ہزار ڈیڑھ ہزار فٹ بلند ہے۔ باوجود بارش کے فصلیں غیر معمولی طور پر خراب ہوئیں۔ جہاں تک فن تعمیرات کا تعلق ہے بلاری میں کوئی عمارت قابل دید نہیں ہے۔ ہمارے پاس ہندوؤں اور ایک مالدار یوروشین کے نام تعارفی چٹھیاں تھیں۔ سب سے پہلے ریلوے کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر ہنا نے ہماری دعوت کی۔ یہ سمجھدار شخص بارہ سال سے اس ملک میں کام کرتا ہے لیکن اس سے ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکی کیونکہ انگریز اپنی ہی دنیا میں زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔

"سہ پہر کو آٹھ نو ہندو ملنے آئے ان میں ایک برہمن بھی تھا جسکی ذات انگلستان جانے سے ٹوٹ گئی تھی اور وہاں وہ عیسائی بھی ہوگیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہندوستانیوں سے ربط ضبط نہ رکھنے کے متعلق جو دلیل بالعموم انگریز پیش کیا کرتے ہیں یعنی یہ کہ ذات پات کی قیود مانع ہیں، نہایت پوچ اور لغو ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے دیکھو چند سال پیشتر تک میں (پاس بیٹھنے والے دوستوں کی طرف اشارہ کرکے کہا) ان کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ اور اگر کھاتے وقت ان میں سے کوئی شخص میری طرف دیکھ لیتا تھا تو میں کھانا پھینک دیا کرتا تھا۔ اگرچہ اب میری ذات جاتی رہی ہے تو کیا میری دوستانہ مراسم میں کچھ کمی آگئی ہے، یہ لوگ اب ساتھ کھانا پسند نہیں کرسکتے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ دوستی قائم رکھنے کے لئے کھانا بھی ساتھ کھایا جائے؟ یورپین لوگ میرے ساتھ زیادہ بہتر سلوک روا نہیں رکھتے باوجود اسکے کہ میں دن بھر اُن کے ساتھ کھا پی سکتا ہوں ہمیں یہ بات بہت ہی تمسخر انگیز معلوم ہوئی کہ یورپین افسر اُس سے اچھی طرح پیش نہیں آتے یہاں کے ہندو بات چیت میں

Mr Hanna ہنا

اہل اٹلی یا اسپین سے کسی طرح کم نہیں اور ان سے ذرا سیاہ فام ہیں -

یوریشین نے جسکی نام ہم تعارفی خط لائے تھے ہمیں یقین دلایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے مابین جب کبھی جھگڑا ہوتا ہے تو ہم موخر الذکر کا ساتھ دیتے ہیں - برخلاف اس کے ہماری ہمدردی اول الذکر کیساتھ ہوتی ہے - ہم یوریشینوں کی حالت مقابلتہً زیادہ خراب ہے اس لئے کہ انگریز ہندوستانیوں سے زیادہ ہم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - میرا روئی کا کارخانہ ہے اور ایک انگریز میرا شریک ہے لیکن ہم دونوں معاشرتی طور سے بالکل نہیں ملتے - یہ برہمن جو انگلستان جا چکا ہے، وہاں برائٹ، فاکیٹ، ڈلکے، اور دیگر مشاہیر سے مل چکا ہے لیکن یہاں ہندوستان ہیں کلکٹر کی بیوی تک اسکی بیوی سے ملنے ہیں کسرِ شان سمجھتی ہے - سب کے سب گلیڈسٹون کی وزارت سے مایوس تھے اور لارڈ رپن کو بہترین گورنر جنرل بتاتے تھے - چونکہ یہاں اسکے کام میں دشواریاں پیدا کی گئیں اور انگلستان سے اسکی خاطر خواہ تائید نہیں ہوئی اس لئے وہ کچھ کام نہیں کر سکے - مسٹر گرانٹ ڈف بہت ہی مایوس کن ثابت ہوے - آنے سے پیشتر انہوں نے اپنی روشن خیالی کے متعلق بہت کچھ دعوے کئے تھے لیکن وہ محض الفاظ ہی الفاظ تھے وہ تقریر اچھی کرتے ہیں لیکن انتظامی قابلیت کچھ بھی نہیں انہوں نے ہر کام ان مستقل افسروں کے سپرد کر رکھا ہے جو لارڈ رپن کے راستے ہیں روڑے اٹکانے کے عادی ہیں -

۲۶ نومبر - مسٹر ابراہیم یوریشین کے گھر گئے - نمک کے محصول کی زیادتی کا افسانہ سچا ہے - مرہٹوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں فروخت شدہ نمک پر ۵ فیصدی ٹیکس تھا اور نمک بنانے کی عام اجازت تھی اب وہ گورنمنٹ کی ملکیت ہے اور فی الحال وہ سمندر کے کنارے آٹھ روپیہ فی گاڑی کے حساب سے نمک تیار کرتی ہے اور اسی بلاری میں ۲۰۸ روپے میں فروخت کرتی ہے - مزید برآں گزشتہ تین سال سے زمین کے نمک کی استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جہاں پہلے روپے کا ۳۰ سیر نمک ملتا تھا اب صرف آٹھ سیر ملتا ہے - پولیس کو دن اور رات میں ہر وقت مکانوں میں گھس کر دیکھنے کا اختیار حاصل ہے اور جب کبھی وہ رپورٹ کر دیتی ہے کہ فلاں شخص کے یہاں شورہ موجود ہے تو اس پر پندرہ روپیہ جرمانہ کر دیا جاتا ہے یا ایک ماہ کی سزائے قید دیدی جاتی ہے - بہت سی غلط اور جھوٹی رپورٹیں کر دی جاتی ہیں اور پولیس کو کسانوں پر ظلم کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اگر دیہاتی ایسی زمین پر اپنی مویشی چرنے کے لئے بھیجتے ہیں جہاں نمک پایا جاتا ہو تو مالک کو جرمانہ یا قید کی سزا دی جاتی ہے اور نمک کو تلف کر دیا جاتا ہے مویشی نمک نہ ملنے کی وجہ سے جلد جلد مر رہے ہیں -

---

Dilke Fawcett Bright

بیسویں صدی
(افسانہ)

ایک باپ کے چار بیٹے تھے سب سے بڑے کی عمر پچیس دوسرے کی چوبیس تیسرے کی بائیس اور چوتھے کی اکیس سال تھی۔ اُنہیں سے تین بی اے پاس کرکے آجکل کی دنیا میں کارآمد ثابت ہونے سے نا قابلیت کی سند حاصل کر چکے تھے۔ باپ زندہ تھا اور بہت متمول۔ اسنے ایک دن سب کو بلایا اور ان سے کہنے لگا

"میرے بچو! تمھیں اب اپنے مستقبل کی فکر کرنا چاہئے۔ تم کیا بننا چاہتے ہو؟"

سب سے بڑے لڑکے نے جس کا نام مشتاق تھا کہا "ابا میں تو بیرسٹر بنوں گا۔"

"بہت اچھا" باپ نے کہا "تمہیں بیرسٹر بنوا دیا جائے گا۔"

دوسرے نے جس کا نام خلاق تھا جواب دیا "میں ڈاکٹر بنوں گا۔"

"بہت اچھا تم ڈاکٹر بنو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"

تیسرے نے جس کا نام ظہیر تھا جواب دیا "میں ابا جان آپ کی طرح سوداگر بننا چاہتا ہوں تاکہ تھوڑے عرصہ میں بہت سا روپیہ پیدا کرسکوں۔"

"میں تمھاری مدد کروں گا تاکہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ۔"

سب سے چھوٹے بھائی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آہستہ سے کہا "ابا مجھے قزاق بننے کی خواہش ہے"

اِس پر آفت برپا ہوگئی۔ باپ جھلا کر کرسی پر اُچھل پڑا۔ بھائیوں نے بہت آوارہ گرد بے ایمان دھوکہ باز خاندان کے نام کو بدنام کرنے والا اور خدا جانے کیا کیا کہا۔ اسکے بعد اور ہمسائے تک سُن کر بڑی بڑی آنکھیں نکالتے اور سر ہلا کر کہتے "باپ دادا کی عزت کو برباد کردیگا" لیکن باوجود ان سب باتوں کے وہ لڑکا یہی کہے جاتا۔

"میں قزاق بننا چاہتا ہوں اور قزاق ہی بنوں گا۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤنگا" اور باپ نے اسنے کہدیا کہ چلے جاؤ۔ مجھے ایسے ناخلف اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔

اُس رات کو نصیر نے (اس لڑکے کا نام نصیر تھا) اپنے باپ کے کیش بکس میں سے پانچ سو روپیہ کے نوٹ چرائے اور اپنا مختصر سا اسباب باندھ کر روانہ ہوا۔

اور پچیس سال گذر گئے۔

پچیس سال ایک مدت ہے۔ لیکن اُس آوارہ مزاج، نوجوان کی کوئی خبر اس عرصہ میں نہ آئی۔ باپ کی عمر ستر برس ہو چکی تھی اور بہت کمزور ہوتا جارہا تھا، خصوصاً اس لئے کہ اس کا تمام سرمایہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کی نذر ہو چکا تھا۔ ایک بنک جس میں اس کا بہت سا روپیہ جمع تھا دیوالیہ ہو گیا۔ دو تین دوست انتقال کر گئے جن پر انکا کئی ہزار روپیہ قرض تھا لیکن دوستانہ مروت کی وجہ سے زبانی کارروائی تھی۔ کاغذات پر کچھ نہ تھا۔ اور اس طرح وہ شخص جو کبھی ایک بہت بڑی جائداد کا مالک تھا اب ایک دس روپیہ ماہوار کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔

اس کے لڑکے بھی خوش قسمت ثابت نہیں ہوئے تھے۔

مشتاق جو بیرسٹر تھا اس کے پاس بائیس سال کے عرصہ میں پندرہ مقدمات آئے اور گو لوگ کہتے تھے کہ اسکے موکل ہر مرتبہ راستی پر تھے لیکن مخالف وکیلوں کے ججوں مجسٹریٹوں سے تعلقات اور خدا جانے کن اسباب کا اثر تھا کہ چودہ میں ہار گیا۔ پندرھویں مقدمہ میں فریقین کی آپس میں صلح ہو گئی۔ اس حالت میں بیچارے کو مجبوراً قانونی ریج میں ایک سو روپیہ ماہوار کی نوکری کر لینا پڑی جس سے بمشکل اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے لگا۔

اخلاق جو ڈاکٹر تھا اسکی حالت بھی قریباً ایسی ہی تھی۔ جب امتحان پاس کرکے اس نے کام شروع کیا شہر میں طاعون پھیلا ہوا تھا جسقدر مریض اس کے پاس آئے جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اس سے اخلاق کی بدقسمتی کہئے یا رضائے ربی، دو چار اور امراض والے بھی جنکا یہ معالج تھا جانبر نہ ہو سکے۔ دوسرے ڈاکٹروں نے موقع پاکر کہنا شروع کیا کہ بالکل اپنے فن سے ناواقف ہے جو کوئی بھی اس کے پاس علاج کے لئے جاتا ہے انتقال کرجاتا ہے۔

اس نے تین چار مختلف شہروں میں کوشش کی لیکن ہر جگہ اس کی شہرت پہلے موجود ہوتی اور کوئی مریض علاج کرانے نہ آتا۔

اس کا ایک بچپن کا دوست بھی ڈاکٹر کہلاتا تھا۔ اور تھا تو محض نابلد لیکن ایک بہت وسیع بنگلہ کرایہ پر لیکر اس میں سیکڑوں قسم کے اوزار نیلام سے خرید کر آئینے دار الماریوں میں سجانے اور اخباروں میں بے شمار اشتہار ایک دوائی کے شائع کرانے سے جسکی ایک روپیہ کی شیشی سے دنیا بھر کے امراض دور ہو جاتے تھے اپنی شان کو قائم رکھنے کے لئے کافی روپیہ کما لیتا تھا۔ اس دوست کی سفارش سے ایک انگریزی دوائی فروش کے

یہاں ساٹھ روپیہ ماہوار پر کپاونڈر رکھ لیا گیا اور اسنے یہی غنیمت سمجھا کیوں کہ گذر اوقات کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا
تیسرے لڑکے ظہیر نے جو اپنے باپ کی طرح سوداگر بن کر بہت جلدی روپیہ پیدا کرنا چاہتا تھا بڑی شرکت کی ایک شاندار دوکان لے کر اس میں ہر قسم کا فیشن ایبل سامان رکھا اور دولتمند بننے کے لئے کمر باندھ کر بیٹھ گیا، لیکن چند ہی سال کے عرصہ میں شومی قسمت کے ایجنٹوں سے مغلوب ہو گیا یعنی کرایہ کے مکان کی دن بدن زیادتی انکم ٹیکس کی بیدردی۔ جنگ کے آغاز۔ ضروریات زندگی کی قیمتوں کے اضافے۔ بدیشی اشیاء کی بائیکاٹ بیوی کے اخراجات اور بچوں کی تعلیم وغیرہ نے دیوالے کی درخواست دلادی۔
لوگ کہنے لگے جیسا باپ تھا ویسا بیٹا نکلا۔ ظہیر نے ایک روزنامہ اخبار کی اڈیٹری قبول کرلی پچاس روپیہ ماہوار مقرر ہوے جو کبھی ملتے تھے اور کبھی نہیں ملتے تھے۔
تینوں بھائی چھٹی کے دن باپ کے پاس جا بیٹھا کرتے۔ وہ علیل تھا اور اخلاق میاں کے نسخے قیمتی اس لئے زیادہ تر صبر پر گذر تہا۔ اس دس روپیہ ماہوار کے مکان میں اکثر اوقات یہ باتیں ہوا کرتیں

"نصیر کا خدا جانے کیا حال ہے!"
"کہیں قید خانے میں پڑا ہوگا!"
"مرگیا ہوگا ورنہ اتنی مدت تک کوئی خبر نہ آتی؟"
"خدا جانے؟"
"آوارگی کی بھی کوئی حد ہونا چاہئے"۔
"ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے"۔
"اس کے لئے دُعا کیا کرو" باپ کہا کرتا "اللہ تعالیٰ بیچارے پر رحم کرے"

ایک روز اتوار کے دن باپ کے پاس بیٹھے تھے کہ ملازم نے آکر ایک ملاقاتی کارڈ دیا اور کہا
"کوئی صاحب موٹر پر تشریف لائے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں"
مشتاق نے کارڈ لیکر پڑھا۔
"نواب سر ناصر الدین خاں رئیس دولت آباد"
ہائیں! رئیس دولت آباد! سب نے جلدی سے اٹھ کر کرسیوں کو درست کیا۔ بیمار کے پلنگ کو جھاڑ کر

بچھایا۔ لگ دوسرے کے لباس کو سنوارنے لگا۔

"بڈھے باپ نے کہا" دولت آباد .... دولت آباد؟ کون ہو سکتا تھا؟ اور اس مکان میں! نوب

تو میرے باپ دادا کا وطن تھا اور وہاں اس نام کا کوئی رئیس نہ تھا"۔

ملازم نے کہا" نواب صاحب تشریف لا رہے ہیں"۔

اور کمرے میں ایک چالیس پینتالیس سال کی عمر کا شخص داخل ہوا جو نہایت قیمتی لباس پہنے تھا اور ٹوپی میں جواہرات کی کلغی لگی ہوئی تھی۔

سب یک آواز پکار اٹھے

"نصیر!"

وہی تھا۔ گو اسکو ڈاڑھی تھی اور بالوں میں کہیں کہیں سفیدی کی جھلک نظر آتی تھی تاہم سب نے آسانی سے پہچان لیا ...... نصیر پلنگ کی طرف بڑھ کر اسکے کنارے پر بیٹھ گیا اور بولا

"ابا جان میں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرونگا۔ میرا قصور معاف فرما دیجئے"

دولت اور دولتمند آدمی کی موجودگی میں ایک اثر ہوتا ہے جس سے بڑے بڑے آدمی بھی مسحور ہو جاتے ہیں سب نے ایک ہی لمحہ میں محسوس کیا کہ نصیر کا اس حالت میں واپس آنا ان کے لئے کیا معنی رکھتا ہے اور اس لمحے میں پچیس برس کی مجتمع نفرت کافور ہو گئی۔

باپ چلایا" میرا لخت جگر"۔ "خوش آمدید"

مشتاق، اخلاق، ظہیر، اس سے چمٹ گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی دیوتا ہے جسکی سب پوجا کر رہے ہیں۔ کیا کیا خوشی کے کلمات زبان سے نکل رہے تھے۔ کیا کیا سوالات کئے جا رہے تھے۔

قدرتی اظہار مسرت کے بعد باپ نے پوچھا" آپ یہ تو بتائیں کہ تمام دولت آپنے کس طرح حاصل کی" نصیر نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا تاکہ دخل در معقولات کا خطرہ نہ رہے اور جواب دیا" محض قزاقی سے"

بڈھا خوفزدہ ہو کر پلنگ پر سیدھا بیٹھ گیا

"نہیں ابا جان۔ گھبراتے کیوں ہو۔ میں نے کوئی ایسا برا کام نہیں کیا، میری تمام ملک میں عزت ہے۔ لاکھوں کی جائداد کا مالک ہوں۔ اور صرف زمانے کی روش پر چلنے کی بدولت ہے جاتے وقت آپکے

پانچ سو روپیہ میں نے عاریتاً آپ کو اطلاع دیے بغیر لیے تھے جواب بیس چھوڑ چالیس گنا ادا کرنے کو تیار ہوں"۔

بیس ہزار روپیہ! سامعین پر اوس پڑ گئی۔

"میں بمبئی چلا گیا اور کاروبار (یعنی آجکل کے معنوں میں دوسروں کے مال کو اپنا بنانا) شروع کرنے سے پہلے ایک بڈھے تاجر کے یہاں ملازمت کر لی جو بہت متمول تھا، اور چھ ماہ کے اندر اسکی نوجوان بیوی کو لیکر بھاگ گیا ـــ"

باپ کے منہ سے نکلا "استغفر اللہ!"

"مجبوری تھی ابا جان - میری ضروریات کا تقاضا تھا - خاوند بڈھا تھا اور بیمار اسنے خودکشی کر لی - میری عکسی تصویر اخباروں میں چھپ گئی - اس سودے میں مجھے دو لاکھ روپیہ کا منافع ہوا - روپیہ ہو تو سب کچھ ہے۔ میں امریکہ پہنچ گیا۔

"وہاں جاکر ایک کمپنی کی بنا ڈالی جس کا مقصد ایک کان میں سے سونا نکالنا تھا اور جس میں سونا تو کیا تانبا بھی نہ تھا ـــ"

"لیکن یہ تو صریحاً دھوکہ بازی ہوئی"۔

"واہ صاحب دھوکہ بازی کیسی آجکل اسے کاروباری لیاقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - غرض کہ اخباروں میں بہت سے اشتہارات دیئے اور کچھ مدت ادھر اُدھر دوڑ دھوپ کرکے لوگوں کو یقین دلانے سے کافی تعداد میں حصہ دار پیدا کر لئے - دنیا کے کسی ملک میں بیوقوفوں کی کمی نہیں بشرطیکہ انسان میں تلاش کر لینے کا مادہ ہو - دو چار عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ڈائرکٹر بنا دیئے اور خود تنخواہ دار منیجر بنکر، جب تھوڑے ہی عرصہ میں کمپنی کا دیوالہ نکل گیا" تو اپنے ہاتھ رنگ کر صاف بچ گیا - وہ مقدمات کی جوابدہی کرتے رہے .... ہنستے کیوں ہو بھائی مشتاق! بیرسٹر کی حیثیت سے ایک ہزار روپیہ فیس پر تو آپ مجھے قانونی گرفت سے بچانے کو تیار ہو جاتے۔

"اب میں اتنا مالدار ہو گیا کہ لندن میں جاکر سکونت اختیار کر لی - تین چار بڑی بڑی کمپنیوں کا حصہ دار بن گیا اور بڑے بڑے شاندار ڈنر اور پارٹیاں دینے سے جو آجکل دوست اور مداح پیدا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے خوب نام پیدا کر لیا - ایک غریب موجد جو امداد کے لئے اپنی ایجاد کردہ مشین میرے پاس لایا اُسے دھتا بتاکر میں نے خود مشین پیٹنٹ کرالی اور کئی لاکھ روپیہ کمایا"۔

"خدا کے لئے نصیر ...."
"لیکن ابا جان کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے یا محنت کرکے اسے تکمیل کو پہنچاتا ہے چونکہ عام طور پر خود غریب ہوتا ہے اس لئے کبھی اس سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتا روپیہ .... سرمایہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ میں 'سرمایہ' ہوں۔ میں نے دنیا کے تمام ملکوں سے خطابات اور میڈل حاصل کئے ہیں۔ گزشتہ پانچ سال سے ہندوستان میں ہوں اور یہ اپنے قدیم اصول پر قائم رہنے کا نتیجہ ہے کہ میرے کارڈ پر وہ الفاظ ہیں جو آپ نے دیکھے۔
"میں نے دولت آباد میں ایک عالیشان مکان آپ کے قیام کے لئے تیار کیا ہے اور اب میرے تینوں بھائی بھی نام ور ہو جائیں گے۔"
سب بڑے زور سے ہنسنے لگے اور اس روپیہ کا (جو گویا آسمان سے چھت پھاڑ کر ان پر آگرا تھا) نشہ اس قدر تھا کہ باپ جو پہلے قریب الموت تھا اب پلنگ پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ مشتاق گھر والوں کو اطلاع دینے کے لئے دوڑا گیا۔ اخلاق تھیٹر کا ایک لحن گنگنا رہا تھا اور ظہیر سوچ رہا تھا کہ شہر کے سب سے پُر رونق حصے میں کونسی بڑی دکان ہے جس میں وہ اپنا کاروبار شروع کرے گا۔
نصیر ان سب کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اور جب رخصت ہونے لگا اور ایک میلے کچیلے پھٹے ہوئے کپڑوں والے لڑکے نے انعام کی امید پر اس کی موٹر کا دروازہ کھولا تو اس سے کہنے لگا۔
"کام کرو! بیگاری اچھی نہیں۔ میری عمر بہت چھوٹی تھی جب سے میں نے محنت کرنا سیکھا تھا۔"

(میاں) عطاء الرحمن (بی۔اے)

حضرت ریاض اور مولوی عبد السلام ندوی

گزشتہ اشاعت میں بسلسلۂ استفسارات ایک صاحب کی تحریر ناظرین نگار کے ملاحظہ سے گذری ہوگی جس میں مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کی اس تنقید پر کہ حضرت ریاض کی خمریات میں بے اعتدالی کی شان زیادہ پائی جاتی ہے، اظہار برہمی کیا گیا تھا۔ میں نے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے خیال کو کسی آئندہ اشاعت کیلئے ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ ریاض کا کلام میرے پاس نہ تھا اور تاوقتیکہ اس پر ایک نگاہ نہ ڈالی جاتی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔ میں نے جناب ریاض کو ایک تحریر روانہ کی اور اس استفسار کا ذکر کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ اپنے مجموعۂ کلام کا کوئی جزو مرحمت فرمائیں تاکہ مجھے فیصلہ کا موقع مل سکے، چنانچہ انہوں نے غایت لطف و کرم سے کام لیکر چند غزلیں لطف فرمائیں، اور ایک تحریر بھی بھیجی جسکو آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

قبل اس کے کہ اصل مسئلہ پر گفتگو کی جائے مولوی عبدالسلام ندوی کی رائے حضرت ریاض کی نسبت مختصر الفاظ میں درج کرنا ضروری ہے۔ شعر الہند صفحہ ۱۴۳ سے جناب ریاض کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"با ایں ہمہ تلامذہ امیر میں جو داغ کا اصلی حریف خیال کیا جاتا ہے وہ حضرت ریاض خیرآبادی ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کے کلام میں جو برجستگی، صفائی، اور شوخی پائی جاتی ہے اسکے لحاظ سے یہ خیال بہت کچھ اصلیت بھی رکھتا ہے"۔

اس کے بعد شعر الہند میں چند اشعار مثالاً درج کئے ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ:۔

"اولاً ان کے کلام میں لکھنؤ کے رنگ کی کافی آمیزش موجود ہے اور ثانیاً جا بجا ان کی شوخی نے غیر معتدل اور غیر مہذب پیرایہ اختیار کر لیا ہے"۔

اس کی چند مثالیں پیش کر کے ان کے خمریات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:۔

"ان کی خمریات بہت مشہور ہیں، تاہم جوش و سرمستی کے بجائے ان میں بھی زیادہ تر اسی قسم کی بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لیے ریاضؔ اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں بوتل کو لے اڑا ہم گلچلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

اس تنقید کے تین جزو ہیں ایک یہ کہ ریاضؔ، داغؔ کے حریف ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی کلام میں جابجا شوخی نے غیر مہذب و غیر معتدل پیرایہ اختیار کر لیا ہے اور تیسرے یہ کہ اُن کے خمریات میں بجائے جوش و سرمستی کے بے اعتدالی زیادہ پائی جاتی ہے۔

چونکہ مستفسر نے اس تنقید کے صرف تیسرے حصہ سے بحث کرنی چاہی ہے اس لئے پہلے دو حصوں کی طرف میں بھی اعتنا نہیں کرتا اور صرف اس امر پر غور کرنا چاہتا ہوں کہ اُن کے خمریات میں زیادہ حصہ جوش و سرمستی کا ہے یا بے اعتدالی کا۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ریاض کی اُس تحریر کا ملخص درج کر دوں جو میرے خط کے جواب میں موصول ہوئی تھی :۔

" . . . . شعر الہند کے متعلق آپ جو بحث اُٹھانا چاہتے ہیں وہ نگار کا فرض اولین ہے۔ نگار میں کیا ہوگا میں نہیں جانتا، مگر جو خیال ہوگا انصاف و آزادی کے ساتھ دیکھنے کا متمنی ہوں۔ شعر الہند کے متعلق بیچ کی تحریروں میں بھی لب جنبانی نہیں چاہتا۔ . . . . نگار میں بحث چھیڑنے سے پہلے دو چار باتیں ضرور کان میں ڈالدینا چاہتا ہوں۔ اک منتخب صحبت حیات افزا میں لطف شعر و سخن اٹھا رہی تھی، جناب ہادی صاحب نے میری غزل کے دو چار شعر سنائے۔ ان میں یہ دو شعر بھی تھے :۔

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اُڑا ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

ناصح کے سر پر ایک جمائی تڑاق سے پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

کم و بیش ۴۵ سال ہوئے جب یہ غزل کہی تھی اور اسکی شہرت لکھنؤ میں زیادہ ہوئی تھی۔ بھوپال جانے سے پہلے میں چالیس سال کے بعد لکھنؤ میں نواب بڈھن صاحب رئیس لکھنؤ سے ملا، وصل صاحب بھی تھے، نواب صاحب نے یہی دونوں شعر سنائے۔ نواب صاحب پچھلی وضع و تہذیب کی یادگار لکھنؤ میں سمجھے جاتے ہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ حیات افزا میں جناب

ہادی صاحب نے بھی یہی اشعار سنائے۔

اس غزل کے اشعار لکھنؤ میں چالیس سال پیشتر جب شہرت خاص رکھتے تھے تو اودھ اخبار یا کسی دوسرے اخبار میں بوتل والا شعر میں نے دیکھا جو کسی انگریزی اخبار سے اس بنا پر لیا گیا تھا کہ یہ شعر لندن کے کسی جلسے میں بہ سلسلۂ لکچر سنایا گیا تھا اور اسکی وضاحت پر تمام ہال چیرز سے گونج اُٹھا تھا پہلے لندن کے انگریزی اخباروں میں اسکی اشاعت ہوئی۔

حیات : فرنگی صحبت میں ہادی صاحب نے اس کے متعلق تفصیلی ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ جلسۂ لندن میں آپ ہی لکچرار تھے اور آپ ہی نے اس شعر کو چار چاند لگائے تھے۔

اس صحبت کے دوسرے روز وصل صاحب بھوپال آئے، شعرالہند آپ کے ہمراہ تھی جس میں یہ دونوں شعر بھی متبذل اشعار کے نمونے میں درج تھے، مگر صورت بگڑی ہوئی تھی یعنی

بوتل کا کاگ زور میں بوتل کو لے اُڑا ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں

میں نہیں سمجھتا صاحب شعرالہند نے اسے مہمل کیوں نہیں لکھا۔ غالباً مرعوب ہوکر۔ بہت مشہور شعر کو مہمل کہنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ موجودہ صورت میں بوتل مع کاگ آسمان کو جارہی ہے۔ اگر کاگ علیٰحدہ ہے تو اُسکے اُڑ جانے کے بعد بھی اس کا زور بوتل میں اس قدر باقی ہے کہ وہ بوتل کو اُڑائے لئے جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سمجھے وہ خوب ہی مرے مہمل کلام کو پہونچے سلام دور سے عبدالسلام کو

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "شیپ" یا "چپت" کا لفظ چھپا ہے، جس کو میں استعمال نہیں کرسکتا عامیانہ واقعات کبھی نذر خواص ہوجاتے ہیں اس لئے اشعار میں ایسے مذاق کا موزوں ہوجانا ابتذال کی صورت پیدا نہیں کرتا۔ میں نے مولانا شوکت علی کے ایک ہنگامی واقعہ کی سُرخی میں بھی یہی شعر دیکھا، میں خوش ہوں کہ وقائع نگار کی شوخی نے میرے شعر کو کچھ ابتذال سے بچالیا تعلق اس واقعہ کا ایک چھتری سے تھا جس سے حملہ کیا گیا تھا۔ صورت بگاڑ کر شعرالہند میں شعر کا درج کیا جانا، صاحب شعرالہند کی شوخی سے نہیں تعبیر کیا جاسکتا۔ محض سادہ لوحی ہے ؎

واعظ ہے خراب خواہش خلد بالکل یہ شخص جنتی ہے۔

مجھے اس وقت غالب کا ایک شعر اور اسکے ساتھ ایک صاحب کی شوخی یاد آئی۔ غالب فرماتے ہیں

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے لذت زخم باندازہ تقریر نہیں

سُنانے والے نے دوسرے مصرعہ میں زخم کو کھش سے بدل دیا۔

بول چال میں ہے کیا آپ کا سر کھجاتا ہے، جس موقع پر اسے بولتے ہیں اسکے اعتبار سے بدلا ہوا لفظ خاص مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔

یہ اتفاق ہے کہ مولف کو غالب سے عقیدت ہے، کاوش نہیں، ورنہ مبتذل اشعار کے نمونے میں یہ شعر درج ہوتا اور زخم کا لفظ بدل جاتا - اس زمین میں مجھے، دو شعر اور یاد آئے

کس شوق سے شریک جماعت ہوے تھے ہم دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں

سر ہے ترا بجائے سبو جھوٹ کیوں کہوں واعظ حرام چیز کبھی میں نے پی نہیں

پرنس ہوٹل لکھنؤ میں عبدالسلام صاحب مجھسے ملے تھے، اُنھوں نے خواہش کی کہ اپنا کلام شعر الہند کے لئے دوں - میں نے خوش مذاق سمجھ کر ایسے پیرایہ میں گفتگو کی کہ آپ کو گراں نہ گذرے اور کلام دینے اور سُنانے سے احتراز کیا۔

اول تو میرا کلام اخباروں اور رسالوں میں اسقدر موجود تھا کہ آپ کو مجھسے مانگنے کی ضرورت نہ تھی، دوسرے صاحب شعر الہند نے جناب محمد احمد صریر مینائی خلف امیر مینائی کو ایک طولانی خط بھیجکر ایسا سرمایہ طلب فرمایا تھا کہ امیر و داغ کے موازنہ کلام میں کام آئے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ میری تمام تر کوشش یہ ہوگی کہ امیر کا درجہ داغ سے گھٹنے نہ پاسے اور وہ داغ کے برابر نظر آئیں - اس تحریر سے پایا جاتا ہے کہ وہ موازنہ کے لائق نہیں ہیں مگر ان پر یہ احسان کیا جاسے۔

صریر مینائی نے یہ خط مجھے بھیجدیا میں نے اس خیال سے کہ عبدالسلام صاحب تنقید کلام سے پیشتر، امیر کے خلاف رائے قائم کر چکے ہیں، اب مروت یا وجہ خاص سے خلاف ضمیر کام کرنا چاہتے ہیں صریر صاحب کو لکھدیا کہ جواب قلم انداز کیا جاسے۔

صاحب شعر الہند کی طرح ہر شخص اظہار رائے میں آزاد ہے، صاحب شعر الہند کو کیسا ہی درجہ رکھتے ہوں نہ وہ سخن فہم ہیں، نہ سخن سنج، حکیم عبدالحی صاحب مرحوم نے گل رعنا کی طرف توجہ فرمائی

انھوں نے شعر الہند کی طرف، جن لوگوں پر صاحب شعر الہند نے تنقید میں حملہ کیا ہے ان کے لئے یہ شعر کافی ہے :-

تحسینِ ناشناس کا صائب ہی شکوہ سنج نفرینِ ناشناس کا ہم کیوں گلہ کریں

تعجب یہ ہے کہ ندوہ ایسے دار العلوم کا تعلیم یافتہ جسنے مولانا شبلی اور مولینا سید سلیمان کے سایۂ دامن میں وقت گذارا ہو وہ مصحفی، اسیر، امیر، جلیل کے متعلق جادۂ تہذیب سے ہٹ جائے، میرے نسبت ضرور انہوں نے اچھے الفاظ کا استعمال کیا، مگر مجھے گونہ شکایت اس لئے ہے کہ انھوں نے مجھے حریف داغ مضبوط راے کے ساتھ تسلیم کیا، مجھے تو اس حرف کا بھی درجہ حاصل نہیں ہے جو داغ کے قلم سے سہواً نکل گیا ہو۔"

"ریاض"

حضرت ریاض کی اس تحریر سے موضوع کے دیگر اطراف پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مبتذل نمونے کے تحت میں جو اشعار صاحب شعر الہند نے درج کئے ہیں ان میں سے دو اُن تک غلط پہنچے اور اس میں کلام نہیں کہ اس تصحیح کے بعد انکا رنگ بالکل بدل جاتا ہے۔

ریاض کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اختلاف اس امر میں ہو سکتا ہے کہ ان کو کس رنگ کا شاعر قرار دیا جائے۔ اگر رنگ کی اُس بڑی تفریق پر نظر ڈالی جائے جس کا تعلق دہلی لکھنؤ سے ہے، تو یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ریاض لکھنوی شاعر ہیں ان کے کلام میں فطرتاً وہی رنگ ہونا چاہئے جو اساتذہ لکھنؤ کا تھا، لیکن اگر اس کی تحتی تقسیمیں بھی ہو سکتی ہیں یعنی اگر لکھنؤ کی فضاء شاعری میں صرف ایک ہی لحن کی حکمرانی نہیں رہی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاض کی نغمہ سنجیاں کن کیفیات سے متعلق سمجھی جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ دہلی کی شاعری یکسر جذبات کی زبان و گفتگو ہے اور جذبات بھی وہی جن کا تعلق زیادہ تر یاس وحرماں مجبوری و ناکامی سے ہے، اس لئے یوں تو جذبات کی وسعت کے لحاظ سے اس کو بھی بہت وسیع ہونا چاہئے، لیکن اس سے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس کا تنوع ثابت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی راگنی کو مختلف سازوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ برخلاف لکھنؤ کے کہ وہاں کی شاعری کا تعلق جذبات سے کم اور معاملات سے زیادہ ہے اور معاملات کی دنیا چونکہ بے پایاں چیز ہے اس لئے لکھنؤ میں مختلف رنگ کے شعراء نظر آتے ہیں۔ اور شوخی و بیباکی

کی گئی ہے یا نہیں (۲) اسکے راوی مجروح ہیں یا نہیں (۳) آیہ لاتقربو الصلوۃ الخ کی شان نزول یہی واقعہ ہے یا اَور۔
(۴) مفسرین کی اس باب میں کیا رای ہے۔

ابوداؤد کے علاوہ ترمذی میں بھی یہی واقعہ موجود ہے لیکن ذرا اختلاف کے ساتھ۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن علی ابن ابی طالب ان رجلاً من الانصار دعاہ (علی) وعبدالرحمٰن بن عوف فسقاہما قبل ان تحرم الخمر
فامہم علی فی المغرب فقرأ قل یاایہا الکفرون، فخلط فیہا، فنزلت لاتقربوا الصلوۃ الخ

یعنی شراب حرام ہونے سے قبل حضرت علی اور عبدالرحمن بن عوف کو کسی انصاری نے مدعو کیا اور اُن کو شراب پلائی۔ پھر مغرب کی نماز میں حضرت علی نے امامت کی اور اثنار قرأت میں "قل یاایہا الکفرون" غلط پڑھ گئے، جس پر آیۂ "لاتقربو الصلوۃ" نازل ہوئی (ابوداؤد کتاب الاشربہ صفحہ ۱۶۱ جلد دوم مطبوعہ نولکشور)

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن ابن ابی طالب صنع لنا عبدالرحمٰن بن عوف طعاماً دعانا وسقانا من الخمر فاخذت الخمر منا
وحضرت الصلوۃ فقدمونی فقرأت قل یاایہا الکفرون ولا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون
قال فانزل اللہ تعالیٰ یاایہاالذین آمنو لاتقربو الصلوۃ وانتم سکاریٰ الخ

(ترمذی جلد دوم صفحہ ۱ مطبوعۂ مصر)

ابوداؤد نے یہ واقعہ سدد سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے سوید سے۔ ابوداؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انصاری نے حضرت علی اور عبدالرحمن بن عوف کی دعوت کی تھی اور ترمذی کی روایت سے عبدالرحمن بن عوف کا دعوت کرنا پایا جاتا ہے۔ ابوداود میں مغرب کے وقت کی تصریح ہے اور ترمذی میں کسی وقت کا ذکر نہیں لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے اصل واقعہ پر کوئی اثر پڑ سکے۔

بخاری اور ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ نسائی میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جو ابوداؤد میں بھی ہے لیکن حضرت علی کی شراب نوشی اور دعوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نسائی کی اصل عبارت یہ ہے :۔

قال عمر اللہم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً فنزلت الاٰیۃ التی فی البقرہ فدعی عمر فقرأت
علیہ، فقال عمر اللہم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً فنزلت الآیۃ التی فی النساء، یا
ایہا الذین آمنو لاتقربو الصلوۃ الخ فکان منادی رسول اللہ صلعم اذا اقام
الصلوۃ نادیٰ لاتقربو الصلوۃ الخ فدعی عمر فقرأت علیہ فقال عمر اللہم بین لنا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا پتہ "حنا لکھنؤ" کافی ہے۔

"لاتقربوا الصلوٰۃ" کی شان نزول بیان کی ہے وہاں بھی حضرت علی کا کوئی ذکر نہیں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:۔

"عبدالرحمن بن عوف نے جس زمانہ میں شراب حرام نہیں ہوئی تھی کسی صحابی کو مدعو کیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا، اور شراب پی یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے، اور نماز مغرب کا وقت آگیا ان میں سے کوئی نماز پڑھانے لگا اور اثناء قرات میں "اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا، جس پر آیۂ "لاتقربوا الصلوٰۃ" نازل ہوئی" [۱]

اسی طرح علامہ زمخشری اور امام رازی وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت علی کی شراب نوشی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امام رازی نے آیۂ "لاتقربوا الصلوٰۃ" کے متعلق حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل حرمت خمر صحابہ شراب پی کر مسجد میں آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے پس اللہ نے اُن کو اس آیت کے ذریعہ سے منع کیا۔

دُرِّ منثور میں ایک جگہ سبب نزول وہی واقعہ حضرت علی کا نقل کیا ہے اور دوسری جگہ ضحاک اور ابن عباس سے سُکرِ نوم یعنی نعاس سبب نزول قرار پایا ہے۔

بہرحال آیۂ "لاتقربوا الصلوٰۃ" کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے اور چونکہ ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت علی کے واقعۂ بادہ نوشی ہی کو اس آیت کا سبب نزول قرار دیا ہے اور دوسری روایتیں اسکی معارض واقع ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ حدیث زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے اور اس پر اعتماد کر کے ہم حضرت علی کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنھوں نے شراب پی۔ ہرچند حضرت علی یا کسی اور کا قبل حرمت خمر شراب پینا قابل اعتراض فعل نہیں ہو سکتا اور نہ ہماری پاس کوئی دلیل ایسی ہے جس سے یہ ثابت کر سکیں کہ بربناء اتقا حضرت علی نے کبھی شراب ہی نہیں پی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس حدیث سے اسکو ثابت نہیں کر سکتے اور نہ آیۂ لاتقربوا الصلوٰۃ کا سبب نزول یقینی طور پر اس واقعہ کو قرار دے سکتے ہیں۔

مولانا شبلی نے یقیناً اس معاملہ میں کاوش نہیں کی اور ابو داؤد کی اس حدیث کو صرف اس بناء پر کہ اسکے راوی غیر مجروح ہیں اختیار کر لیا، لیکن یہ کہنا کہ مولانا شبلی نے قصداً بربنائے

---

[۱] انوار التنزیل جلد دوم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مصر و مفاتیح الغیب الرازی جلد دوم صفحہ ۴۴۴ مطبوعہ مصر

عصبیت ایسا کیا، یقیناً ظلم ہے کیونکہ اگر مولانا شبلی کو تعصب تھا تو علامہ سیوطی کے متعلق تو یہ نہیں کہا جا سکتا جنھوں نے اس آیت کی شان نزول بھی بیان کی ہے۔ اسی کی ساتھ چونکہ حرمت خمر سے قبل یہ واقعہ ہوا تھا اور حضرت علی پر کوئی الزام بھی عاید نہیں ہوسکتا، اس لئے اس شان نزول کو اگر صحیح سمجھا جائے تو بھی میرے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے۔

مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ کے متعلق وفاء الوفا میں بحوالہ مسند احمد جو حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابن عمران النبی صلے اللہ علیہ وسلم أتی بجر فضیخ نبش و ہو فی مسجد الفضیخ، فشربہ فلذلک سمی مسجد الفضیخ۔

یعنی رسول اللہ کے پاس جب کہ آپ مسجد فضیخ میں تھے فضیخ کی ٹھلیا لائی گئی اور آپ نے اس میں سے پیا، اس لئے اس مسجد کا نام مسجد فضیخ رکھدیا گیا۔ (اس سے قبل اسکو مسجد شمس کہتے تھے) ہم نے مسند احمد میں خود اور دوسرے حضرات کے ذریعہ سے اس حدیث کو تلاش کرایا، لیکن یہ حدیث نہیں ملی۔ مسند ابی یعلی میں بھی اس کا ہونا وفاء الوفاء سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ہم نے اس کی جستجو نہیں کی، کیونکہ یہ مسئلہ ایسا زیادہ اہم نہ تھا۔

ہرچند ہم کو مسند احمد میں یہ حدیث نہیں ملی اور ہم نہیں کہ سکتے کہ اسکے راوی کون کون ہیں جو اغلباً مجروح ہوں گے، لیکن ہم بحث کے اس پہلو کو اختیار نہیں کرتے بلکہ اس حدیث کو حد درجہ معتبر و صحیح قرار دیکر صرف لغت کی رو سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے یہ معنے لینا سخت غلطی ہے۔

اس حدیث میں صرف دو لفظ بحث طلب ہیں۔ فضیخ اور نبش اور انہیں کے معنی محقق ہونے پر فیصلہ ہوسکتا ہے۔

فضیخ کے اہل لغت نے تین معنی لکھے ہیں:۔ عصیر الغیب و شراب یتخذ من البسر مفضوخ ولبن غلبہ الماحتی رق (افشردہ انگور، وہ پانی جس میں کھجور کچل کر بھگوئی گئی ہو اور وہ دودھ جس میں اتنا پانی ملا دیا جائے کہ رقیق ہوجائے) عربی میں شراب کے معنی خمر یا بادہ کے نہیں آتے بلکہ ہر ایک مشروب کو شراب کہتے ہیں۔

اعنو علی محمد علی کے کارخانہ کا تار کا پتہ صرف 'حنا لکھنؤ' کافی ہے۔

فی الخمر بیانا شافیا فنزلت الایۃ التی فی المائدۃ فدعی عمر فقرأت علیہ فلما بلغ فہل انتم منتہون قال عمر انتہینا انتہینا" (نسائی جلد دوم کتاب الاشربہ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر و بکذا رواہ ابو داود)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے تین مرتبہ شراب کے متعلق صریح حکم چاہا اور تدریجا وہ تینوں مشہور آیتیں نازل ہوئیں یعنی پہلے سورۂ بقر والی (قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما)، پھر سورۂ نساء والی - (لاتقربوا الصلوٰۃ الخ) اور اس کے بعد سورۂ مائدہ والی سے خمر قطعی طور پر حرام کردی گئی -

مفسرین بھی اس آیت کی شان نزول میں باہم مختلف ہیں - علامۂ سیوطی نے حضرت علی کے واقعۂ شراب نوشی کو ترمذی، ابو داؤد، حاکم اور نسائی کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور بعینہ ترمذی کے الفاظ نقل کردیے ہیں، (حالانکہ نسائی میں یہ مذکور نہیں ہے) مگر علامہ زمخشری نے کشاف میں قاضی بیضاوی نے انوار التنزیل میں اور امام رازی نے تفسیر کبیر مفاتیح الغیب میں حضرت علی کی شراب نوشی کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا - قاضی بیضاوی نے سورۂ بقر کی تفسیر میں "یسئلونک عن الخمر والمیسر" کی شان کے متعلق فرماتے ہیں کہ :-

حضرت عمر، حضرت معاذ اور ایک شخص نے رسول اللہ سے شراب کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ شراب کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ وہ عقل کو زائل اور مال کو برباد کردیتی ہے - اس پر یہ آیت نازل ہوئی :- "یسئلونک عن الخمر والمیسر" - لیکن اسکے بعد بھی بعض لوگ شراب پیتے رہے اور بعض نے ترک کردی - اس واقعہ کے بعد عبد الرحمن بن عوف نے کسی شخص کو مدعو کیا اور شراب پی، پھر ایک ان میں سے امام بنا اور قرأت میں "قل یا ایہا الکفرون اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی :- "یا ایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ" اس کے بعد ایک مرتبہ عتبان بن مالک اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ شراب کے نشہ میں فخریہ اشعار پڑھ رہے تھے، سعد نے کچھ اشعار ایسے پڑھے جن سے انصار کی ہجو ہوتی تھی چنانچہ ایک انصاری نے ان کو مارا جس سے سر پھٹ گیا، انھوں نے رسول اللہ سے شکایت کی، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے انھوں نے کہا کہ یا اللہ شراب کے متعلق کوئی حکم نازل ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی انما الخمر والمیسر الخ) [۱]

اس پورے واقعہ میں کہیں بھی حضرت علی کا ذکر نہیں ہے - اسیطرح قاضی بیضاوی نے جہاں آیتہ

---

[۱] انوار التنزیل جلد اول صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر و مفاتیح الغیب الرازی جلد اول صفحہ ۵۵، مطبوعۂ مصر -

صاحب منجد نے اور زیادہ صراحت کر دی ہے وہ لکھتا ہے کہ افشردہ انگور اور بھگوئی ہوئی کھجور کا پانی جب تک ان میں شکر پیدا نہ ہو فضیخ کہلاتا ہے اور اگر اس میں شکر پیدا ہو جائے تو اُسے فضوخ کہتے ہیں۔

بہرحال فضیخ کے معنی اس جگہ خواہ افشردہ انگور لئے جائیں، یا آب تمر یا آب آمیختہ دُودھ کے شکر اس سے وابستہ نہیں ہو سکتا اور اس لئے فضیخ کو خمر یا بادہ کہنا سخت نارواجسارت ہے۔

اب رہ گیا لفظ نیش اس کے معنی شیعوں کے رسالہ اصلاح نے (جس سے غالباً سید وصی احمد صاحب نے یہ اعتراض لیا ہے) "نشہ پیدا کرنے والی" لکھے ہیں، حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے اور نیش کو نشی کی صورت دیکر پیش کرنا چاہا ہے۔

نیش کا مادہ نشش ہے اور نشش کہتے ہیں کسی رقیق چیز کے جوش کھانے اور سنسنانے کو۔ اور میرے نزدیک اسی لفظ سے لفظ فضیخ کے معنی بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

چونکہ افشردہ انگور اور آب تمر کو گرم کر کے نہیں پیتے بلکہ دُودھ کو گرم کر کے پیتے ہیں، اس لئے معنی قرار پائیں گے کہ رسول اللہ کے پاس پانی ملا ہوا دودھ جو کسی برتن میں گرم کیا گیا تھا، کھولتا ہوا اسنسناتا ہوا لایا گیا اور آپ نے اُسے پیا +

سنہ ۱۹۲۵ء کا قومی ہفتہ

ہندوستان افلاس نشان مین کوئی چالیس سال سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ دسمبر کے اس مہینہ مین جبکہ انگریزی قوم کا سال ختم ہوتا ہے اور وہ اپنی فاتحانہ شادکامیون اور اپنے مقبوضہ ممالک کی وسعت پر عید مناتی ہے ہندوستان کے کسی شہر مین ایک یہ آل انڈیا نیشنل کانگرس "عرس" منایا جاتا ہے اس عرس کا مقصد بجز اسکے کچھ نہین ہوتا کہ اس مین بلا قوالی اور محفل سماع کے ہندی نسل کے چند ذی ہوش انسانون سے یہ کہلوا دیا جائے کہ

"انگریز ہندوستان کو بلا جبر و اکراہ اور بلا شرکت غیرے ندبیعاد ملکی سال ہمین تفویض کردین یعنی دیدین ورنہ ہم لیکر رہین گے"۔

گو ان اقوال سالانہ کے جواب مین لنڈن پارلیمنٹ سے ایک نیم انگریز خطرۂ ہندوستان ہر سال گرج کر یہ جواب دیدیتا ہے کہ تم ابھی جاہل ہو لیکن چونکہ عاقلان ہند کی ایک ارسطو سرشت اور افلاطون حکمت جماعت اس امر پر متفق ہو چکی ہے کہ ؎

"قطرہ قطرہ بہم شود دریا"

یعنی اگر انگریزی قوم کی کثیر التعداد افواج اور محیر العقول اسلحۂ جنگی بیڑون اور ہوائی جہازون کے ہوتے ہوئے بھی ہر سال بہ اندازۂ یک خطبۂ صدارت کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہے تو کسی دن یہ گفتار بہم دریا ہوکر تمام انگریزون کو مع آلات حرب ڈبو دیگی اور اسطرح بلا خونریزی کے ہندوستان قبضہ مین ویسا ہی آجائیگا جیسا کہ شاید ہماری اسلاف نے بلا لڑے حاصل کیا تھا!

جب اس غرض کے ماتحت یہ عرس منایا جاتا ہے تو اسکی رونق بڑھانے کے لئے چند چھوٹے چھوٹے میلے بھی لگائے جاتے ہین مثلاً آل انڈیا خلافت کانفرنس۔ ایجوکیشنل کانفرنس۔ پریس کانفرنس۔ ہندی کانفرنس۔ والنٹیر کانفرنس۔ چنین کانفرنس اور چنان کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ اور انہین بھی نام کی مناسبت سے مختلف کرتب دکھلائے جاتے ہین مثلاً

خلافت والے کہتے ہین کہ دنیا مین یا تو اب انگریز ہی رہین گے یا خلافت!

ایجوکیشنل والے کہتے ہین کہ صرف انگریزی جاننے والے تعلیم یافتہ ہین باقی سب جاہل!!

ہندی زبان والے کہتے ہین کہ دنیا بھر کی حکومتون کو سرکاری زبان ہندی بنانی پڑیگی!!!

پریس والے کہتے ہین کہ ہندوستان پر یا تو انگریز حکومت کرینگے یا ہمارے پننگ کے کاغذ پر شائع ہونیوالے اخبارات!!!!

لہذا انہین مقاصد کے ساتھ اس عرس مین شریک ہونا ہندوستان کا بڑے سے بڑا انسان اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی حج اکبر نہین تو عید کی نماز کے برابر واجب ضرور سمجھتا ہے خواہ وہ دسمبر ہی کا مہینہ کیون نہو۔

الغرض یہ عرس امسال شہر کانپور واقع صوبہ متحدہ متصل لکھنؤ ڈاکخانہ کاکوری جہان ریل پر حملہ کرنیوالون کو باغی کہکر گرفتار کر لیتے ہین واقع ہوا اور چونکہ انسان فطرتاً تماشہ طلب اور مناظر پسند واقع ہوا ہے لہذا اس خیال سے کہ کچھ دن سے ہم بھی انسان ہو گئے ہین

اور اس عرس میں ہندوستانی موالید ثلاثہ کے تینوں عناصر بھی جمع ہو جاتے ہیں یعنی "حیوانات" "نباتات" اور "جمادات"۔ اسلئے ہم نے فیصلہ کیا کہ کانپور چلیں لیکن قبل اسکے کہ ہم اپنے سفر کی کیفیت لکھیں ان کانگریسی موالید ثلاثہ کی تعریف کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

حیوانات سے مراد جاندار اجسام کی وہ جماعت ہے جو اپنے آپ کو کانگریس کی عقل کل فراست و تدبر کا منبع سمجھتی ہے اور اپنی تمام تجاویز میں انگریزوں کے خلاف ڈانٹ ڈپٹ، دھمکی، الٹیمیٹم، سوراج، چرخہ، ہوم رول، ترک موالات، تشدد، مقاطعہ اور کبھی کبھی فاقہ کشی اور روزے تک کا اہتمام کرتی ہے۔ اور اپنی ان تمام لایعنیات سے ۲۸ دسمبر تک انگریزوں کو اگر لرزہ براندام نہیں تو ہنسا ضرور دیتی ہے۔

نباتات سے مقصود ہیں کانگریس کے عارضی کرایہ کے مکانات۔ پنڈال۔ سودیشی کیمپ۔ مصنوعی دروازے۔ نئے بازار۔ جلوس۔ بندے ماترم۔ اللہ اکبر کے نعرے اور رضا کار جو محض اس ہنگامی اجتماع کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ اور یکم جنوری کو جہاں سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہیں چلے جاتے ہیں۔

کانگریس کی قسم **جمادات** میں وہ مقامی بفکرے۔ ملازمین گورنمنٹ۔ وفاداران سرکاری۔ اسکولوں کے لڑکے۔ مساجد کے امام۔ مندروں کے پجاری اور تاریک خیال تاجر و مہاجن داخل ہیں جو کامل ایک ہفتہ تک اپنے سر پر کانگریس کے ہنگامہ آرا اجلاسوں کے طاری رہنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کانگریس کے پنڈال میں ٹکٹ لیکر شریک ہونا تو بڑی بات ہے وہ یہ بھی دریافت نہیں کرتے کہ یہ ہنگامے ہمارے شہر کے کسی محلہ میں ہو رہے ہیں۔ بہ شکل جمادات دن بھر اپنی دوکانوں پر جمے رہتے ہیں گویا اس سال ان کے شہر میں کچھ ہو ہی نہیں رہا۔

ایک ہندوستانی خصوصاً بقدر تھرڈ کلاس مقدرت والے مسافر کے لئے گھر سے چلتے وقت "ہمیں بھی لے چلو" کا خطرہ جس قدر سوہان روح ثابت ہوتا ہے اس کا نتیجہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی بازار جانے کے بہانے سے بجنود جہاز تک ہو آتا ہے لیکن "چلنے والوں" کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ آپ تھے کہاں۔ بس کچھ ایسی ہی کشمکش کے رونما ہونے پر ہم نے بہ کمال ہوشیاری گاڑی آنے سے دو گھنٹہ پہلے بستر محلہ کے ایک مکان میں منتقل کر دیا اور پھر گھر میں کچھ ایسے مصروف ہو گئے گویا اب ہمیں کہیں جانا ہی نہیں لیکن برا ہو تماشہ پسندی کے لپکے کا جب یہ پڑ جاتا ہے تو اسکا چھوٹنا اتنا ہی محال ہو جاتا ہے جتنا سید جالب صاحب دہلوی کے لئے اخبار ہمدم کی اڈیٹری کا چھوڑنا۔ پس عین اس وقت جبکہ وہ ہمیں تاک رہے تھے ہم نے بھی مٹی کے چند خشک ڈھیلے اٹھائے اور دکھاتے ہوئے رفع حاجت کو روانہ ہوئے۔ گویا ہم کانپور نہیں بلکہ رفع ضرر کے لئے گھر سے کیپیل ہال تک جا رہے ہیں۔ اب آپ ہمیں تو یہی خیال ہوگا کہ ہم اس سودیشی محکمہ حفظان صحت میں سرگرم عمل ہیں لیکن اتنے عرصہ میں ہم وطن سے کوسوں

وہ اسٹیشن نکل گئے تھے اور بحمد اللہ کہ تھرڈ کلاس کی ہر مصیبت کو انگریزی گورنمنٹ اور انگلو انڈین تکبر کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے کانپور کے اسٹیشن پر جا پہونچے ۔ ریل سے اتر کر پلیٹ فارم کے تنگ دروازہ پر کسانون کی بستر بردار جماعت کی دھکا پیل اور تانگون کے میدان جہاد مین یون تو کانگریس کے تمام اجلاسون کا لطف آگیا تھا مگر وہ تو بوالہوسی تھی کہ پھر بھی تلک نگر کا حوصلہ کیا ۔

چونکہ یہ فدوی عفی عنہ اس شہر کانپور مین بسلسلۂ تعلیم صدہا سال رہ چکا تھا اور راتون کو ایک نبظاہر مولوی صورت بزرگ کے ساتھ محض تفریح طبع کے لئے یہان کی تاریک سے تاریک گلی سے واقف تھا اس لئے بلا تانگہ مگر مع بستر آنکھین بند کرکے جو کھولین تو خود کو ایک کانپوری کرم فرما کے مکان پر پایا ۔ اطلاع ہوتے ہی ہمارا سانس قایم ہو نیسے پہلے آکر جھوم گئے پھر تپاک خیر مقدم کے بعد صحن خانہ سے مع بستر ہمارا جلوس نکالتے ہوئے اوپر کی منزل مین لیگئے جو کارخانہ پارچہ بافی یا بکنگھم پیلس لنڈن سے کسیطرح کم آراستہ نہین تھی ۔ ابکے جو تلک نگر کے کسی کھدری کیمپ مین قیام نہین کیا اسکا سبب جہان چند اخبار نویسانہ وجوہ تھین وہان مسلمان لیڈرون کا وہ قحط زدہ چہرہ بھی تھا جو یا وصف ملاقات کے ایسے مواقع پر محض اسلئے شدت سے خشک کرلیا جاتا ہے کہ کہین ہمارے پاس نہ ٹھہر جائین“ مگر کسے خبر تھی کہ جو تلاموذی ایک کانپوری بیرسٹر کی کوٹھی مین مقیم ہے وہ خدا جانے کسطرح اور کس ڈھنگ مین کانگریس و خلافت کانفرنس کے ڈائس کے قریب پہونچکر مقررون اور لیڈرون کی بدحواسیون اور غلطکاریون کے فوٹو کھینچ لیگا ۔

تلک نگر مین جہان کانگریس اور خلافت کانفرنس وغیرہ کے اجلاس ہوئے اگر ہمارے لئے کوئی مشکل کام تھا تو وہ صرف یہ کہ خود کو واقف کار لیڈرون اور شناسا اڈیٹرون سے اسطرح چھپائے رکھین کہ وہ ہمین پہچان نہ سکین ورنہ اظہار و ملاقات پر خطرہ تھا کہ بہت سی غلطیان چھپالی جاتین بہنداہجز مولانا محمد علی کی ایک گھبرائی ہوئی نگر اور مولانا نیاز فتحپوری اور مولانا عبد العلیم صدیقی کے ہمین کسی نے نہین پہچانا اب اس خاص ہندوستانی نوآبادی مین پہونچکر سب سے پہلے ہم نے لیڈرون کے کیمپ جھانکے ۔ اس تاک جھانک سے مقصد یہ تھا کہ جو لیڈر عوام کو ترک موالات کی تعلیم دیتے دیتے جوان ہو گئے ہین وہ خود کسقدر عامل ہین ؟ چنانچہ اس مقصد مین ہمین ۹۵ فیصدی کامیابی ہوئی مثلاً ایک لیڈر کے کیمپ مین کسی انگریزی کمپنی کے بنے ہوئے تولیے یا تولئے دیکھے جو منہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے ایک رسی پر لٹک رہے تھے ایک لیڈر صاحب کو دیکھا جو خالص انگریزی کمبلون مین پارسل پیکٹ بنے چارپائی پر رکھے ہوئے تھے ایک لیڈر صاحب کی خدمت مین خالص انگریزی سگریٹ کے دو عدد ڈبے میز پر رکھے ہوئے تھے ۔ ایک کیمپ مین گنجفہ کھیلا جارہا تھا گویا یہ لوگ اس وقت قوم کے مصائب یاد کرکے تاش کے ذریعہ سے ماتم

مناسب تھے۔ ایک مسلمان لیڈر صاحب کا لحاف اور تکیے اس درجہ مکلف تھے گویا آپ آج اسی پرتکلف لحاف کو اوڑھکر جمعہ کی نماز پڑھانے جانے والے ہیں ۔ عام اخبارات میں مولانا شوکت علی کو **بڑے بھائی** لکھتے ہیں لیکن ہم نے کانپور میں ان کا ضد پیدا کر لیا یعنی گاندھی صاحب جو اپنی لاغری اور ضعف میں مولانا شوکت علی کی نوٹ بک معلوم ہوتے تھے ۔ چونکہ ان کے ساتھ امریکن مرید اور مریدنیاں بھی تھیں اس لئے ہم نے ان کی قیام گاہ کے بہت چکر کاٹے تاکہ ان کے قریب بھی کچھ مل جائے مگر بجز چند معمولی باتوں کے کوئی خاص بات نہیں ملی البتہ ان کے ایک معتقد کو ایک دن ناشتہ کرتے پالیا جو انگریزی مکھن کا ڈبہ چاقو سے کاٹ رہے تھے ۔ کھدر پوشی کے لحاظ سے یوں تو ہر لیڈر اچھا خاصا قبل مسیح کا انسان نظر آتا تھا لیکن ایک ہندو صاحب کی کھدری عبا ہوا کی وجہ سے غبارہ بن گئی تو اس کے اندر سے انگریزی بنیائن اور انگریزی چکن کی قمیص صاف نظر آ گئی تھی ۔ ہندو لیڈروں کی قیام گاہوں پر صبح جو مسواک کی جاتی تھی اس کی آواز پر گمان ہوتا تھا کہ یہاں ہیضہ پھیل گیا ہے اور استفراغ کے نعرے زور شور سے لگائے جا رہے ہیں ۔ البتہ کچھ مولانا قسم کے لیڈر کہیں کہیں محو تلاوت قرآنی بھی نظر آئے جو ہمیں قریب سے گذرتا پاکر زیادہ زور سے پڑھنے لگے یہ اُن کا خلوص تھا کوئی ریاکاری نہیں ۔ صبح کی نماز میں جماعت کے اندر جو کمی نظر آتی تھی وہ شب کی قومی مصروفیت کی وجہ سے تھی جو قابل گرفت نہیں البتہ بعض اخبار نویسوں کو یہاں جبری بھرتی کی طرح جبری نماز بھی اختیار کرنا پڑی تاکہ ساتھیوں میں بے نماز مشہور نہوں ان میں ہمارے ایک دوست بھی تھے جو بلا معاوضہ ہمارے ہر مضمون کو شکریہ کے ساتھ ساتھ شائع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ۔

آج کانگریس کے عظیم الشان اجلاس کی سرگرمیاں جاری تھیں ہم نے غسل کر کے سرمہ لگایا اور محترم میزبان کا فاتحہ پڑھکر روانہ ہوئے اس مرتبہ اس قوم پرست طبقہ سے ٹکر ہوئی جو ایسے مواقع پر لیڈروں کی تقریروں کو نوٹ کر کے محض ملک و قوم کی محبت میں ان پر مقدمہ چلاکر کالے پانی بھجوا دیتا ہے ۔ ان کے چہرے "بہشتی زیور" سے کم منور نہیں تھے ۔ البتہ وہ کسی لیڈر کو قریب سے گذرتا پاکر صرف ذرا گھبرا جاتے تھے ۔ جیبوں میں وہ نوٹ بکیں محفوظ تھیں جن میں کسی لیڈر کی غلط تقریر تو کیا البتہ دعائے گنج العرش اور درود تاج لکھی ہوتی ہے اور اسے جلسہ گاہ میں نکال کر عوام کی نظریں بچا کر کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں پھر معلوم نہیں لوگ انہیں کیوں سی۔ آئی ۔ ڈی ۔ کہتے ہیں ؟ آج سب سے زیادہ شوق صدر کانگریس مسز سروجنی نائیڈو کے دیکھنے کا تھا جنہیں ہم نے سات آٹھ برس سے نہیں دیکھا تھا ۔ جس وقت یہ کانگریس کے پنڈال میں داخل ہوئیں تو ہزارہا آدمیوں نے "سروجنی دیوی کی جے" کا پرزور نعرہ لگایا ۔ پولیس والے تو کہتے تھے کہ کوئی پندرہ ہزار کا مجمع ہے ۔ مگر ۳۳ کروڑ کی نمائندہ کانگریس میں ان پندرہ ہزار کو دیکھکر ہم ہندوستانیوں کی بیداری اور ذوق آزادی کا جشن منا رہے تھے ۔ پنڈال بہت سلیقہ

ڈالیں پر گاندھی (بڑے بھیا) تلک - موتی لال اور باردولی کے موقعہ پر والیسرائے اور بڑے بھیا سے ملاقات کرنے والے پنڈت مدن موہن مالوی کی تصویریں آویزاں تھیں البتہ تلک اور داس آنجہانی کی تصویریں زیادہ صاف نظر آتی تھیں چند لیڈروں کے مقولے بھی تھے مثلاً بڑے بھیا کا مقولہ تھا ' ایماندار بنو ' ' اصلاح یا نجات ' (داس کا مقولہ تھا - ملایس کے سامنے کا مقولہ تھا ' اتحاد طاقت ہے ' کاش ہمارا یہ مقولہ بھی کوئی لٹکا دیتا کہ ' مضمون نگاروں کو معاوضہ دو ' ڈیلیگیٹ اور تماشائی ۱۲ بجے سے آنا شروع ہو گئے - مزہ تو اس وقت آیا جب کوئی ڈیڑھ بجے اجمیر کے ڈیلیگیٹوں نے جبراً پنڈال میں داخل ہونے کی کوشش کی اور کانگریسی رضا کاروں نے انہیں لکھنوی لہجہ میں روکنے کی جدوجہد کی لیکن جب ارجن لال سیٹھی دروازہ پر لیٹ گئے تو لاٹھی اور ڈنڈے کا مشاعرہ منعقد ہو گیا اسوقت پنڈال کے اندر بعض سورما بے طرح غزلیں پڑھنے لگے جسکی ردیف ' بھاگو ' اور قافیہ ' لاٹھی چل گئی ' تھا - کیوں صاحب اگر اسوقت پنڈال میں نام کو بھی جنرل ڈائر کہیں دکھائی دیجاتے تو مارے بہادری کے ہم سب لوگوں کا کیا حال ہوتا ؟ بہرحال واپسی پر یہ سنا کہ ارجن لال سیٹھی مولانا حسرت موہانی اور بعض غیر معروف تماشائیوں کے ٹیپ کے بند اچھے رہے اور کانگریسی رضا کاروں نے انہیں خوب خوب داد دی -

ڈھائی بجے کے قریب باجوں کی آواز آئی سب سے پہلے پنڈت موتی لال نہرو داخل ہوئے ان کے سیدھے بازو پر لالہ لاجپت رائے پھر ڈاکٹر مراری لال مولانا ابوالکلام آزاد بڑے بھیا کے داخل ہونے پر پھر لوگوں نے دیر تک مہاتما گاندھی کی جے کا نعرہ لگایا - اب جو سروجنی نائیڈو پنڈال میں داخل ہوئیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی بھی سایہ کی طرح ساتھ ہیں بڑے بھائی کی پرسکون آمد کا تو کیا ہی کہنا - ایم آر جیکار - سری نواس آئینگر - ڈاکٹر انصاری - پرشوتم داس ٹنڈن - ایم سین گپتا - ولابھائی پٹیل وغیرہ جب لیاقت سے بیٹھ گئے تو ڈاکٹر بہاری لال صاحب نے اٹھ کر استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے خطبہ پڑھا اسکے بعد مسٹر گردھاری لال نے وہ پیغامات پڑھے جنمیں کانگریس کے اجلاس میں عدم شرکت کی معافی کے ساتھ چند وصیتیں اور نصیحتیں بھی تھیں - ان میں لارڈ سنہا مسٹر جناح سید رضا علی - ڈاکٹر ٹیگور مسز اینی بسنت وغیرہ کے پیغامات تھے لیکن ان تمام پیغاموں میں سب سے زیادہ کارآمد پیام سی - آر - داس آنجہانی کی بیوہ کا تھا جنہوں نے لکھا تھا کہ :-

" نہ بجھنے والی آگ کو روشن کیجئے تاکہ آزادی کی جنگ اس کے شایان شان لڑی جائے - "

اسکے بعد سروجنی نائیڈو صاحبہ نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا - پھر منجانب صدارت مسٹر سی - آر - داس - کی موت پر اظہار ملال کا ریزولیوشن پیش ہوا جسے ہم نے بھی کھڑے ہو کر پاس کر دیا - اسکے بعد بڑے بھیا نے اردو زبان میں ہندیان جنوبی افریقہ کے متعلق ایک تجویز پیش کی لیکن درمیان میں کھانسی آجانے کے باعث انگریزی زبان میں تقریر ہونے لگی - اب جو مولانا محمد علی نے تقریر شروع کی تو ہم نے سمجھ لیا کہ بس کارروائی ضابطہ شروع ہو گئی - لطف تو اس وقت آیا جب ہمارے قریب ایک صاحب جو دیر سے کانگریس میں

کسی کو دیکھ رہے تھے اور ہم انہیں تاک رہے تھے کہ یکایک انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور مارے لطف کے خضاب لاجواب بنکر رہ گئے غرض کانگرس کی تمام کارروائی کے بعد طرفہ نتیجہ ہمکو یہ احساس ہوا کہ ریلوے کمپنیوں کو خوب آمدنی ہوئی - دوکانداروں کو کافی کامیابی ہوئی کئی ہزار ہندوستانی جاڑے مرے - ہمارا ریل کا کرایہ مفت گیا اور کانگرس ہوگئی پارسال پھر آسام میں ہوگی اور انشاء اللہ ہم قیامت کے دن آزاد ہو ہی جائینگے -

---

خلافت کانفرنس میں کوئی خاص بات نہ تھی سوائے اسکے کہ اس کے پنڈال بنانے والے ضرور کوئی شیخ الاسلام تھے جنہوں نے اسلامی مساوات کا لحاظ فرماتے ہوئے اسٹیج کو اسقدر نیچا بلکہ صندوقی قبر بنا دیا تھا کہ عام حاضرین اور اسٹیج میں کوئی خاص بلندی باقی نہیں تھی - جن لڑکوں نے قرآن پاک کی تلاوت کی انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ تم درمیان میں کہیں سانس بھی لے لینا - جب صوفی حسرت موہانی صاحب نے استقبالیہ کمیٹی کا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اور سلطان ابن سعود کی مخالفت میں ان پر چند الزامات لگائے تو پنجابی نمائندوں سے نہیں رہا گیا اور انہوں نے جھوٹ جھوٹ "غلط" "غلط" کے آوازے کسے ان میں سب سے لمبی آواز غازی عبدالرحمن صاحب کی تھی جب غلط غلط اور بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کے آوازوں کی فٹ بال ہونے لگی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ "سکون سے خیالات سن لو" مگر جب اسپر بھی پنجابی بھائیوں نے سکوت نہ فرمایا تو قبلہ حسرت موہانی نے آہستہ سے "معاف کیجئے" فرماکر پیچھا چھڑا لیا خلافت کانفرنس ہی میں بڑے بھیا اور مسز سروجنی نائیڈو داخل ہوئے اور معلوم نہیں کیوں گھبرا کر ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے جو بیٹھنے کی نہیں تھی اور ہمیں صاف نظر بھی نہیں آرہی تھی شاید وہ کوئی صندوق تھا - مولانا ابوالکلام آزاد نے جب زنانے کا خطبہ ارشاد فرمایا تو تمکنت دور ہوگئی - نتائج کے لحاظ سے خلافت کانفرنس کسی قدر کامیاب رہی کیونکہ اگر موصل پر جنگ چھڑ گئی تو جیل خانہ کے لئے مسلمانوں کو ورغلا لیا ہے - جدہ میں خلافت کمیٹی کا تقرر بھی اچھی تجویز ہے - مگر اس کی صدارت سوائے ہمارے کوئی دوسرا قبول بھی نہیں کر سکتا -

عملی روح اگر کسی کانفرنس میں دیکھی تو وہ صرف کمیونسٹ کانفرنس تھی جسکے اجلاس میں بے موقع بھوک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہم شریک نہ ہو سکے -

یہ تھے وہ اجلاس جن میں ۳۳ کروڑ باشندوں کے اعلیٰ ترین دماغ آزادی کے حصول کے لئے جمع ہوئے تھے مگر کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس مرتبہ کانگریس اپنا سارا زور صرف ہندو مسلم اتحاد پر صرف کردے آخر میں اپنے محترم میزبان کے موٹے موٹے لحافوں کا شکریہ جنکے اندر ہم شدید جاڑے میں خفیہ پولیس بنے رہے - "ملا رموزی"-



استفسارات

قصر الحمراء

(جناب عبدالرحیم صاحب - بنارس)

اسپین کا قصر الحمراء کس زمانہ میں تعمیر ہوا، اس کا یہ نام کیوں ہے اور وہ کس خصوصیات کی بناء پر اس قدر مشہور ہے۔

(**نگار**) قصر الحمراء کی بنیاد ساتویں صدی ہجری کے وسط میں محمد ابن الاحمر نے ڈالی جسمیں بعد کو اضافہ عمارتوں کا ہوتا رہا، یہ اندلس کا مشہور شہر غرناطہ میں ایک بلند مقام پر تعمیر ہوا ہے اور ۳۰ ایکڑ زمین کو محیط ہے۔ اس کا نام الحمراء یا تو اس وجہ سے قرار پایا کہ اس کا بانی ابن احمر تھا یا اس لئے کہ اس کے پتھروں اور اینٹوں کا رنگ سُرخ تھا۔

قصر الحمراء اسلامی فن تعمیر کا عجیب و غریب نمونہ ہے اور اس عمارت میں خصوصیت خاصہ یہ ہے کہ اسکے اندر داخل ہوتے ہی ایک انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ بجائے اسپین کے دمشق میں موجود ہے اور اس کے ایک ایک دروازہ، ہر ہر ستون، ہر ہر گوشہ، ہر ہر ذرہ صحن سے روح شرقیت ٹپکی پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں یہی ایک عمارت ہے جسے عربوں کی قوت و ثروت اور مجد و علی کا صحیح مجسمہ کہہ سکتے ہیں۔ پھر اسکے ساتھ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں محفوظ ترین قلعہ کا کام دے سکتا ہے۔

اس قلعہ میں متعدد صحن ہیں، اور ان میں سے ایک صحن "صحن اجین" کے نام سے مشہور ہے جسکے وسط میں ۳۰ فٹ لمبا حوض موجود ہے جسکو چاروں طرف سے نارنج و ریاحین کے درخت احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اس کے قریب میں وہ ہال ہے جو سفیروں کے لئے مخصوص تھا اور اس میں تخت رکھا رہتا تھا۔

قصر الحمراء نقوش ہندسی کی خوبی کی وجہ سے دنیا میں بے مثل چیز سمجھا جاتا ہے علی الخصوص وہ حوض جسکے چاروں طرف شیر بنے ہوئے ہیں کہ اس کا عجیب و غریب ہندسہ تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

+ + + +

بعض اصطلاحات کا ترجمہ

(جناب سید محمد زکی حسین صاحب پٹنہ)

چند اصطلاحات کے متعلق مجھے جناب سے استفسار کرنا ہے۔ براہ کرم تکلیف فرما کر جواب کی زحمت گوارا کیجئے۔

(۱) انگریزی لفظ آرٹ کا ترجمہ اگر فن کیا جاتا ہے تو کیا آرٹسٹ کو مفنن کہیں گے۔
(۲) انگریزی میں Summum Bonum کس فن کا لفظ ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے؟
(۳) انگریزی لفظ Renaissance کے لئے کونسا لفظ استعمال کرنا چاہئے۔؟
(۴) انگریزی لفظ Common Sense کا کیا ترجمہ ہو سکتا ہے؟
(۵) انگریزی لفظ chaos کا کیا مفہوم ہے اور اس کا کیا ترجمہ ہو سکتا ہے؟

(نگار) (۱) چونکہ آرٹ کا ترجمہ فن کیا جاتا ہے اس لئے آرٹسٹ کا ترجمہ فنّان ہوگا، مُفنن درست نہیں ہے۔
(۲) یہ اصطلاح غالباً اخلاقیات کی ہے اور اس کے معنی ہیں "غایت الغایات" کے
(۳) اس لفظ کے لئے عربی میں لفظ نہضت آتا ہے اور میری رائے میں اسکو اردو میں لے لینا چاہئے کیونکہ اس سے بہتر لفظ جو اس کے معانی پر پوری طرح حاوی ہو دوسرا نہیں مل سکتا۔
(۴) اس کا ترجمہ جرجی زیدان نے "حاسۂ اجتماعیہ" کیا ہے لیکن میرے نزدیک اس کا ترجمہ "ذوق سلیم" بہتر ہے
(۵) chaos سے مراد مادہ کا وہ زمانہ ہے جب وہ غیر منتظم حالت میں تھا اور اس کے اندر اختلال و تشویش پائی جاتی تھی، یعنی قبل اسکے کہ اس سے کوئی مخلوق پیدا ہوتی اُس حالت کو اس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔
ڈاکٹر رابرٹ کی کتاب "مبادی الفلسفہ" کا جو ترجمہ احمد امین نے انگریزی سے عربی میں کیا ہے، اس میں اس لفظ کے معنی "عماء" کئے ہیں جو رسول اللہ کے ایک قول سے ماخوذ ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آنحضرت سے سوال کیا کہ "آسمان و زمین کی پیدائش سے قبل ہم کہاں تھے" تو آپ نے جواب دیا کہ "فی عما تحتہ ہوا و فوقہ ہوا"
عماء مشتق ہے عمی سے جسکے معنی ہیں اندھے کے اس عماء کے مفہوم میں بے بصری تاریکی، اور حالتِ عدم سبھی شامل ہیں۔ ہر چند یہ لفظ ثقیل ہے اور اُردو داں حضرات کے لئے اس کا قبول کرنا سخت گراں گذرے گا لیکن کیا کیا جائے، اصطلاحات کے لئے اُردو میں الفاظ میسر آتے نہیں اور جب تک عربی یا فارسی سے الفاظ لیکر ان کو رواج نہ دیا جائے، کام نہیں چل سکتا۔ معلوم نہیں حیدر آباد کے واضعین مصطلحات نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔

+ + + + +

ارسطو کا مدفن

(جناب شوکت کریم صاحب ۔ ڈیرہ دون)

کیا آپ براہ کرم مطلع فرما سکتے ہیں کہ مشہور حکیم ارسطو کا مدفن کہاں ہے ؟

(نگار) اب سے ربع صدی قبل یہ مسئلہ بالکل تاریکی میں تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ ارسطو کا مدفن کہاں ہے، یا کہاں ہو سکتا ہے ۔ لیکن ۱۸۹۷ء میں مسٹر والڈسٹن (مشہور آثاری) نے شہر ارتریا کے کھنڈروں میں ارسطو کی قبر پائے جانے کا اعلان کیا ہے اور جو استدلال اسنے کیا تھا وہ بڑی حد تک قابل وثوق ہے، اس نے جو بیان شائع کیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ :- " ارتریا سے نصف گھنٹے کی مسافت میں مجھے زیر زمین ایک دیوار نہایت نفیس سنگ مرمر کی ملی ۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ہیکل ارطامیس کے پہلو کی دیوار ہوگی، لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ راستہ کی طرف مڑ جاتی ہے اور اس کی چوڑائی بھی ڈیڑھ میٹر سے زائد نہیں ہے تو مجھ کو خیال ہوا کہ یہ ہیکل نہیں بلکہ کسی کی قبر ہے جو ارتریا کی تمام دریافت شدہ قبروں میں صنعت و تعمیر کے لحاظ سے بہت زیادہ بدیع ہے ۔

اس میں سپید سنگ رخام کا ایک بڑا پتھر ملا جو غالباً سنگ بنیاد تھا کسی نہایت حسین تعمیر کا جسکے آثار اب مٹ گئے ہیں ۔ اس کے نیچے ایک چونہ کا پتھر تھا جو یونانی طریق پر قائم تھا ۔ ہر پتھر کا طول ڈیڑھ میٹر تھا اور یہ تعمیر اس قسم کی تھی جیسی عام طور پر قبل مسیح چوتھی صدی میں رائج تھیں ۔

مسٹر والڈسٹن لکھتا ہے کہ اس سنگین حصار کے اندر میں نے ایک بڑی تربت دیکھی جسکے اندر طلائی اوراق سے لپٹی ہوئی ایک لاش موجود تھی ۔ اس لاش کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی جس پر ایک جھکے ہوئے شیر کا نقش کندہ تھا، اس شیر کے سر پر ایک ستارہ اور دونوں پاؤں کے پاس بجلی کی صورت منقوش تھی ۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے چھ تابوت اور دریافت ہوئے لیکن چھٹے تابوت میں سات طلائی تاج ملے، ایک معدنی قلم (جس میں شگاف بھی معمولی قلموں کی طرح تھا) اور چھوٹی چھوٹی تماثیل جس میں ایک تمثیل فیلسوف کی تھی، اس حالت میں کہ وہ کھڑا ہوا تھا، اور دونوں ہاتھ مڑے ہوئے ایک دوسرے پر رکھے تھے ۔ میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ ممکن ہے کہ یہ قبر ارسطو کی ہو، کیونکہ کرسٹوڈورس کا بیان ہے کہ اسنے ارسطو کا مجسمہ قسطنطنیہ میں اسی وضع و انداز کا دیکھا تھا ۔

دوسرے دن ایک اور قبر اس کے محاذ میں دریافت ہوئی اور جسکے پتھر پر یہ دو کلمے منقوش تھے :-

" بیوتھہ ارسطوطلور " قدیم تحریروں کے سمجھنے والوں کا اتفاق ہے کہ یہ تحریر مسیح کے تین صدی قبل سے

بھی پہلے کی ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ قبر خاندان ارسطو میں سے کسی فرد کی تھی اور وہ تاج والی قبر ارسطو کی کیونکہ تاجوں کا ہونا، قلم کا پایا جانا، اور ارسطو کی تمثیل کا وہاں موجود ہونا اس کا کافی ثبوت ہے کہ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ ارسطو ۳۲۲ ق۔م میں ایتھنس کو چھوڑ کر غلکس آگیا تھا جو ارتریا کے قریب ہے یہیں اس کی جائداد تھی اور یہیں یہ مرا۔

+ + + ✣ + + +

یاجوج ماجوج

(جناب محمد احمد صاحب۔ علیگڑھ)

یاجوج ماجوج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ذوالقرنین سے کون شخص مراد ہے؟

(نگار) میں کیا اور میری رائے کیا، جب کہ اس مسئلہ کے متعلق بڑے بڑے علما میں سخت اختلاف ہے، آپنے غالباً سر سید مرحوم کی تحقیق اس باب میں ملاحظہ کرلی ہوگی۔ اگر نہ دیکھی ہو تو اب دیکھ لیجئے، میں مزید روشنی ڈالنے کے لئے بیروت کے ایک فاضل محمد جلیل بہیم کی رائے کا خلاصہ اس جگہ درج کئے دیتا ہوں، ممکن ہے کہ اس سے آپ کچھ مطمئن ہو سکیں، وہ لکھتا ہے:۔

"تفسیر جلالین میں تحریر ہے کہ قرآن مجید میں جن دو سدّ کا ذکر ہے ان سے مراد بلاد ترک کے پہاڑ ہیں اور یاجوج ماجوج نام ہیں دو اعجمی قبیلوں کے۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ سدّ سے مراد ارمینیا اور آذربائجان کے پہاڑ ہیں اور یاجوج ماجوج دو قبیلے تھے یافث بن نوح کی اولاد سے۔ ضحاک کا قول ہے کہ یاجوج نام تھا ایک ترکی قبیلہ کا۔

ذوالقرنین کے متعلق بھی اختلاف ہے کوئی اسے مرزبان یونانی بتاتا ہے، کوئی اسکندر بن فیلقوس کہتا ہے اور کسی نے اسکندر مقدونی بتایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ترک اپنے عہد وحشت میں چین و فارس کے درمیان غارتگری کی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور چونکہ بے انتہا قوی و شجاع تھے اس لئے ان سے عہدہ برآ ہونے کی کسی سلطنت میں ہمت نہ تھی۔ اس لئے اہل چین انہیں ہیونگ نو (Hiung - nou) یعنی گنہگار و باغی جماعت کے لفظ سے موسوم کرتے تھے۔ ان کے ظلم و غارتگری کی شہرت تمام اطراف و جوانب میں پھیل گئی تھی حتیٰ کہ جزیرۃ العرب قبل از اسلام میں بھی لوگ خائف رہتے تھے۔ آخر کار ترکوں کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے چین کے بادشاہ چی وانگ ٹی نے سنہ ۲۱۴ق م میں

دیوار بنوائی جو چین کی دیوار سے موسوم ہے اور اسی کو قرآن کریم میں لفظ سدّ سے تعبیر کیا ہے۔ جی وانگ تی بادشاہ چین کو ذوالقرنین کہنا اس بنا پر تھا کہ حسب عادت اہل چین اسکی پیشانی کے دونوں جانب یا ٹوپی میں دو فیتے ابھرے ہوئے رہتے تھے۔

علاوہ اس کے لسانی تحقیق بھی اسکی موید ہے، کیونکہ اہل چین مغلوں اور ترکوں کو نیوچی کہا کرتے تھے جو بعد کو دجوجی اور دجوجی ہوا اور اہل عرب میں پہونچکر اس کا لفظ یاجوج ماجوج ہو گیا"۔

سر سید مرحوم نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے لیکن زیادہ فصاحت کے ساتھ۔

+ + + + +

مثنوی کا ایک شعر

(جناب سید عبدالحسین صاحب مولوسوی بی۔اے۔رودھڑی)

جناب شعر اور تصوف میں خاص دستگاہ رکھتے ہیں۔ براہ مہربانی مندرجہ ذیل شعر کا مطلب تحریر فرما کر ممنون کیجئے:۔

کور کورانہ مرد در کربلا
تانیفتی چوں حسین اندر بلا

(نگار) خیر یہ تو میرے اوپر سخت تہمت ہے کہ میں تصوف میں دستگاہ رکھتا ہوں، لیکن اس شعر کا جو مفہوم میری سمجھ میں آیا ہے عرض کرتا ہوں۔

آپ کو غالباً اس لئے اس شعر کا مفہوم دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ بظاہر اس میں امام حسینؑ پر حملہ معلوم ہوتا ہے "کربلا میں اندھوں کی طرح نہ چلے جاؤ تاکہ حسینؑ کی طرح بلا میں نہ پڑ جاؤ" گویا حسینؑ کا کربلا کے مصائب میں مبتلا ہو جانا اُن کی بے بصری تھی۔

لیکن یہ معنی صرف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب "تا" کے معنے "تا کہ" لئے جائیں، لیکن اگر اسکو "تا جب" کے معنے میں لیا جائے تو مطلب بالکل بدل جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا:۔

"کربلا میں اندھوں کی طرح نہ چلے جاؤ، جب تک حسینؑ کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ"

یعنی تاوقتیکہ تم حسینؑ کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ" اُس وقت تک اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

+ + + + +

ہندی اور عربی شاعری

(جناب فیاض علی خانصاحب - دربھنگہ)

آپ نے اپنی تصنیف جذبات بھاشا میں ہندی کلام کی نہایت پاکیزہ نمونے درج کئے ہیں اور بعض بعض کا انداز بیان تو اس قدر دلچسپ ہے کہ اس کا لطف بیان نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک دوہا آپ نے لکھا ہے جس کا مفہوم ہے کہ :-

"اس نے موتیوں کا ہار پہنا لیکن وہ اسکے رنگ جسم سے کہربا کا ہار معلوم ہونے لگا جس خادمہ نے ہار پہنایا تھا وہ تعجب سے دیکھ رہی تھی کہ میں نے تو موتیوں کا مالا پہنایا تھا، یہ کہربا کا کیسے ہو گیا اور تنکوں سے چھو چھو کے اُسے دیکھ رہی ہے کہ واقعی یہ کہربا تو نہیں ہے، حالانکہ اُسے یہ خبر نہیں کہ اس کا رنگ تو پہننے والے کے رنگ جسم نے بدلا ہے"

میرے ایک ہندو دوست ہیں، انکا خیال ہے کہ یہ رنگ ہندی کے لئے مخصوص ہے اور کسی زبان میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے بعد عربی شاعری کا ذکر آگیا اور اُنھوں نے کہا کہ اس میں تو سوائے اونٹ اور اُس کی مینگنیوں کے کچھ اَور نظر ہی نہیں آتا، اس رنگ کا وہاں ذکر بھی نہیں ہے"

کیا اُن کا یہ کہنا صحیح ہے۔ میرے نزدیک عربی شاعری بھی اس رنگ کے کلام سے خالی نہیں ہو سکتی دو چار مرتبہ نگار ہی میں بعض ایسے شعر دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں بھی بڑے بڑے رنگین اشعار پائے جاتے ہیں۔ براہ کرم اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ممنون کیجئے۔

(نگار) یہ صحیح ہے کہ ہندی شاعری نہ صرف جذبات و کیفیات بلکہ تشبیہات و استعارات و ندرت بیان کے لحاظ سے بھی بہت مکمل ہے لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ دنیا میں کسی اور زبان کی شاعری ان خصوصیات سے یکسر خالی ہے، درست نہیں ہو سکتا۔ یقیناً عربی شاعری کے لئے باعث فخر اس کے وہی جذبات ہیں جو ایام جاہلیت میں عدد درجہ سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ ظاہر کئے جاتے تھے اور بادۂ عشق سے سرشار ہوتے تھے، لیکن تمدن کی ترقی اور عجمیوں کے اختلاط سے عربی شاعری میں جو تغیر پیدا ہوا اس میں کثرت سے اس نوع کی مثالیں بھی ملتی ہیں جیسی آپ نے ہندی شاعری کی پیش کی ہیں۔

افسوس کہ اس وقت میں زیادہ تفصیل و استیعاب سے کام نہیں لے سکتا ورنہ شاید سیکڑوں اشعار اس قسم کے

(حضرت علامہ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خانہ بنایا ہوا ہر قسم میں استعمال ہو سکتا ہے -

مہیا کر دیتا تاہم جسقدر اس وقت پیش نظر ہیں عرض کرتا ہوں۔ ممکن ہو کہ آپ اپنے ہندو دوست کو اُن کی ذریعہ سے ساکت کر سکیں :-

ابو اسحاق مصری (خطیب جامع مصر) کا بیٹا عبدالحکم اپنے محبوب کے دانتوں کی تعریف کرتا ہے لیکن جدید انداز بیان سے ملاحظہ ہو :-

قامت تطالبنی بلولو نحرہا — لما رأت عینی تجود بدرّہا

وتبسمت عجبا فقلت لصاحبی — ہذا الذی اتہمت بہ فی ثغرہا

مفہوم یہ ہے کہ مجھے روتے روتے دیکھ کر اسنے کہا کہ ان موتیوں سے مجھے بھی کچھ دو کہ اپنے گلے کا ہار بنالوں لیکن اس کے بعد جب وہ مسکرائی تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو جس چیز کی تہمت اسنے مجھ پر رکھی تھی وہ خود اسکے دہن کے اندر موجود ہے۔

ابوالحسن علی بن عطیہ قریب قریب اسی مفہوم کو دوسرے انداز سے ظاہر کرتا ہے :-

وشادن طاف بالکوٴس ضحیٰ — فحثہا والصباح قد وضحا

والروض یبدی لنا شقائقہ — وآسہ العنبری قد نفحا

قلت این الاقاح قال لنا — اودعت ثغر من سقی القدحا

فظل ساقی المدام یجحد ما — قال فلما تبسم افتضحا

یعنی صبح کے وقت ایک خوبصورت ہرن پیالوں کے چاروں طرف گھومنے لگا اور ان میں جُنبش دینے لگا حالانکہ صبح ہو چکی تھی، مرغزار نے لالہ کے پھول کھلا رکھے تھے اور عنبریں ریاحین کی خوشبو پھیل رہی تھی، میں نے پوچھا بابونہ کے پھول کہاں چلے گئے میرے ساتھی نے کہا کہ جسنے جام شراب دیا تھا اسی کے مُنہ میں میں نے رکھدیے ہیں یہ سُنکر ساقی نے اِس سے انکار کیا، لیکن جب ہنس پڑا تو سارا راز کھُل گیا۔

ابو اسحاق ابراہیم کے دو شعر اسی رنگ کے ملاحظہ ہوں :-

حتے اذا طاح عنہا المرط من دہش — وانحل بالفم سلک العقد فی الظُلَم

تبسمت فاضاء اللیل فالتقطت — حبّات منتثر فی ضوء منتظم

یعنی جب ہم آغوش ہونے کے وقت اس کی چادر سرک گئی اور موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا تو وہ گھبرائی لیکن بعد کو جب مسکرا پڑی تو اندھیری رات میں بھی تمام موتی ایک ایک کر کے چُن لئے۔

ابوالعباس الدارمی لکھتا ہے :-

اتانی فی قمیص اللاذ یسعیٰ عدو بی یلقب بالحبیب
وقد عبث الشراب بمقلتیہ فصیر خدہ کسنا اللهیب
فقلت لہ بما استحسنتہ ھذا لقد اقبلت فی زی عجیب
احمرۃ وجنتیک کستک ہذا ام انت صبغتہ بدم القلوب
فقال الراح اہدت لی قمیصا کلون الشمس فی شفق المغیب

یعنے میرا دشمنِ جاں جسے میں دوست کہتا ہوں ایک دن میرے پاس آیا اس حال میں کہ سُرخ حریر کی قمیص اُسکے بدن پر تھی آنکھوں میں شراب کا نشہ تھا اور رخسار شعلہ کی طرح دمک رہے تھے، میں نے کہا آج تو قیامت کا حُسن ہی، بلا کا لباس ہے۔ سچ بتا یہ ملبوس کا رنگ تو نے اپنے رخساروں سے لیا ہے یا عاشقوں کے خوں دل سے اُسے رنگا ہے۔ بولا کہ یہ ہدیہ ہے شراب کا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ غروب کے وقت شفق میں سورج کا بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔

ابو جعفر اندلسی، اپنی کامیابی کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک شعر لکھتا ہے :۔

تحیر اللیل این مطلعہ اما دری اللیل ان البدر فی عضدی

رات متحیر ہے کہ وہ چاند کہاں چلا گیا۔ اُسے خبر نہیں کہ وہ تو میرے پہلو میں جگمگا رہا ہے۔

ابو نصر ایک وادی کی تعریف کرتا ہوا وہاں کے سنگریزوں کی خوشنمائی کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

یروع حصاہ حالیۃ العذاری فتلمس جانب العقد النظیم

یعنے جب حسین اس وادی سے گزرتے ہیں اور یہاں کے سنگریزوں کو دیکھتے ہیں تو فوراً اپنے ہاروں کو دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ان کے جواہرات ٹوٹ کر یہاں گر گئے ہوں۔

عین الزماں طرابلسی کے چند شعر ملاحظہ ہوں :۔

من رکب البدر فی صدر الردینی وموہ السحر فی حد الیمانی
وانزل النیر الاعلیٰ الی فلک مدارہ فی القباء الخسروانی
طرف رنا ام قراب سُل صارمہ واغید ماس ام اعطاف خطی

چہرہ و قد کی تعریف میں کہتا ہے کہ "یہ چودھویں کے چاند کو کس نے نیزہ کی نوک پر رکھدیا ہے اور شمشیر یمانی کی دھار میں کس نے جادو بھر دیا ہے" (یہ آنکھ کی تعریف ہے) پھر لباس کے اندر جگمگانے والے جسم کو دیکھ کر

الینز علی محمد علی تاجر عطر کے کارخانہ کا عطر سہ خاہر ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

کہتا ہے کہ آفتاب کو کس نے آسمان کی بلندی سے اُتار کر قبا خسروی میں لاکر رکھدیا۔

اس کے بعد وہ پھر آنکھ کی صفت بیان کرتا ہے کہ یہ کوئی نیام ہے جسکے اندر سے تیز تلوار نکلی ہوئی نظر آرہی ہے اور اس کے بعد قد و قامت کے متعلق کہتا ہے کہ یہ کوئی لچیلا ہیرا ہے یا چکدار برچھا۔

اس کے یہ اشعار بھی ہیں:۔

اما و ذائب مسک من ذوائبہ علی اعالی القضیب الخیزرانی
وما یجن عقیقی الشفاہ اسر یق الرحیقی و الثغر الجمانی

لیکن شعر تو یہ ہے کہ:۔

لو قیل البدر من فی الارض تحسدہ اذا تجلی لقال ابن الفلانی

یعنی اگر چودھویں کے چاند سے پوچھا جائے کہ زمین میں تجھ کو کس پر رشک آتا ہے تو وہ کہدیگا کہ فلاں کے بیٹے

اسماعیل بن ابی الحسن کہتا ہے:۔

رق الزجاج و رقت الخمر وتشابھا فتشاکل الامر
فکانما خمر و لا قدح وکانما قدح و لاخمر

شراب و شیشہ کی پاکیزگی کا ذکر ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ شیشہ شراب ہے یا شراب شیشہ۔

لیکن اگر سچ پوچھئے تو عربی شاعری کے لئے باعث فخر یہ اشعار نہیں ہیں بلکہ وہ وہی ہیں جن میں یہ تصنع یا آورد یہ خواہ مخواہ کی مضمون آفرینی نہیں پائی جاتی اور جن کا تعلق جذبات سے ہے۔

ممکن ہے آپ کو مندرجہ بالا اشعار میں کچھ لطف آیا ہو لیکن میرے لئے وہ بالکل بے مزہ ہیں اور مجھے مسرور کرنے کے لئے تو صرف اس قسم کے اشعار درکار ہیں:۔

اصم اذا نودیت باسم واننی اذا قیل لی یا عبدھا لسمیع
لاتدعنی الا بیا عبدھا فانہ اشرف اسمائی

جب کوئی میرا نام لیکر پکارتا ہے تو میں بہرا بن جاتا ہوں، لیکن جب کوئی اُس کا غلام کہکر بلاتا ہے تو فوراً بول اُٹھتا ہوں۔ اس لئے اے لوگو مجھے تو تم یہی کہہ کر پکارا کرو کہ "اے فلاں کے غلام" کیونکہ اس سے زیادہ عزت والا نام میرے لئے اور کوئی نہیں ہے +

منظومات

رازِ مسرت

رموز فطرت انسان کو بحر بیکران پایا
ابھی آنکھون نے کیا دیکھا ابھی ساحل کہان پایا

بہت میخانۂ عالم مین کی پیمانہ گردانی
کسی کو سرنگون دیکھا کسی کو خون چکان پایا

مثال گل جسے دیکھا بظاہر شادمان ہم نے
دل صد چاک مین اسکے بھی اک زخم نہان پایا

غرض ہستی عالم پہ تھا اک کیف غم طاری
یہی دیکھا جہان دیکھا یہی پایا جہان پایا

مگر ممکن ہے اس تاویل مین ہو کچھ خطا اپنی
نہ ہو راحت کے معنی سے طبیعت آشنا اپنی

نہ ہو احساس راحت کا تو راحت اسکو کیون کہیئے
غم و اندوہ کہیئے یا اسے سوز درون کہیئے

سکون دل اگر حاصل نہو دولت کمانے سے
تو اس سودے کو سر مین ایک انداز جنون کہیئے

خمار بادۂ الفت اگر ہستی مین لیجائے
تو اسکو ساغر دل مین تمناؤن کا خون کہیئے

تبسم عارضی ہے گر لب غنچہ مین تو اس کو
طلسم فصل گل کہیئے گلستان کا فسون کہیئے

مسرت وہ ہے جس سے ہو حیات جاودان پیدا
نہ ہو کلفت کی آمیزش نہ ہو غم کا نشان پیدا

مبارک ہے وہ کیفیت جو دلکو شادمان رکھے
مبارک ہے وہ خاموشی جو انداز بیان رکھے

غنیمت ہے وہ جذبہ جو بنا دے محو انسان کو
نہ اسکو مضطرب رکھے نہ سرگرم فغان رکھے

ہے اچھا وہ تصور جو صبا کی طرح آ آ کر
ریاض آرزو کی قلب مین رنگینیان رکھے

ہے بہتر وہ شرار شوق جو ہنگام حرمان مین
چراغ جستجو گوشہ مین دل کے فروزان رکھے

وہ خندہ خوب جس سے غنچۂ امید کھل جائے
وہ گریہ خوب جس سے گوہر مقصود مل جائے

محمود اسرائیلی۔

افسردہ دل

بہارِ گلشنِ امکان سے کیا اس کو مسرت ہو — کہ ہو پروردۂ دستِ خزاں پہلو میں جسکے دل
بھلا کیا خندہ ہائے گل سے اسکے دلکو فرحت ہو — بقدرِ یک تبسم بھی نہو جسکو خوشی حاصل

حوادث نے ستم ڈھائے ہیں کیا کیا قلبِ مضطر پر — بنے ہیں انقلاباتِ جہاں اک زخم پہلو میں
دلِ افسردہ ہے یک قطرۂ خون نوکِ نشتر پر — شدائد کا نہاں طوفان ہے ہر ایک آنسو میں

بھلا کیا اس شکستہ پا مسافر میں ہو کچھ ہمت — کہ جسکو دیکھکر کھنچ جائے کوسوں منزلِ مقصد
نہ دیں خارِ مغیلاں دو قدم کی بھی جسے فرصت — نہو کچھ انتہا بعدِ مسافت کی نہ کوئی حد

ادھر صیاد کی نظریں تجسس میں ادھر گلچیں — نشیمن کے لئے کس طرح موزون پھر گلستان ہو
کہیں ایسا نہو دو چار پر ہوں قسمتِ بد بیں — کہیں ایسا نہو دو چار تنکے بھی پریشان ہوں

اڑھائیں اہلِ عشرت لطفِ صبح و شامِ موسیقی — اگر بھاری ہوں تو ہونے بھی دو بیمار کی راتیں
رہے ہر سر درِ خاص و درِ عام موسیقی — نہ پڑ جائیں کہیں کانوں میں اک افسردہ کی باتیں

قیصر بھوپالی۔

مادّہ

غرض کہین ہے یہی مادّہ کہین جوہر
کہین بحر ہے قطرہ کہین کہین گوہر

حجر کہین ہے کہین ہے شجر کہین حیوان
کہین ہے مہر کہین ماہ ہے کہین اختر

کہین ہے دانہ کہین دام ہے کہین صیاد
کہین لہو ہے گلو مین کہین دم خنجر

کہین ہے شاخ شگوفہ کہین شجر ہے کہین
کہین ہے خاک کہین اینٹ ہی کہین پتھر

کہین ہے جام ہے ساغر کہین کہین بادہ
کہین ہے برق کہین کشت ہے کہین اخگر

کہین ہے نیش کہین نوش ہے کہین تریاق
کہین نمک ہے کہین ایلوا کہین شکر

یہ کیا ہے؟ کب سے ہے؟ کیونکر ہی؟ کہہ نہین سکتے
کرشمہ گو ہے اسیکا عیان ہر اک منظر

بفہم عقل نیاید کہ مادہ چہ بلاست!
بحیرتم کہ چگونہ فزون نشد نہ کاست!!

"امین حزین"

افکار تازہ

نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی

ہوائے سیر گل اللہ اکبر اہل زندان کو
کلیجے سے لگا رکھا ہے ایک اک داغ حرمانکو

افق پر سوئے کنعان کچھ دھوان اٹھتا نظر آیا
کیا آراستہ جب مصر مین یوسف کی زندانکو

غبار ناقۂ لیلیٰ بہار دیدۂ مجنون
مری وحشت لئے پھرتی ہے ساتھ اپنے گلستانکو

مطابق ظاہر و باطن نہو تو پھر مزہ کیا ہے
فگار دل پہ رکھکے چاک کرتا ہون گریبانکو

ہجوم شوق و تکمیل نظارہ بات ہے کوئی
پرستاران جلوہ بند کرلین چشم حیران کو

ہزارون محفلین ہین اور لاکھون زینتین لیکن
دل ویران پسند آیا بساط آرائے امکانکو

صدائے نازنے بجلی گرائی خرمن دل پر
کوئی تسکین دیتا ہی رہا موسیٰ عمران کو

نظر سوئے زمین ہے گوشۂ دامن ہے ہاتھون مین
معاذاللہ! کوئی کیا کہے ایسے پشیمان کو

یہ مطلب ہے خموشی پر گمان ہو خواب نوشین کا
کوئی شمع شبستان لے چلا گور غریبان کو

اثرؔ دست جنون بھی شل نہین پھر بات یہ کیا ہے
اُدھیڑا جا رہا ہے بخیۂ چاک گریبان کو

صادق ایوبی

وہ آئین سامنے مرے ایسے کہان کی ہین
اے دل! فریب یہ ترے وہم و گمان کے ہین

بہتر ہین التفات سے بے التفاتیان
ممنون ہم ترے ستم بیکران کے ہین

ہم بندگان عشق کا مسلک ہی اور ہے
بتخانہ و حرم مین تو جھگڑے جہان کے ہین

لیجائے دیکھئے مرا جوش جنون کدھر
اے ہمنشین نہ پوچھ ارادے کہان کے ہین

کس حسن دلفریب سے صادقؔ ہوا دوچار
جلوے تری نگاہ مین کون و مکان کے ہین

ہادی مچھلی شہری

رنگ بشکستہ برخ در سینہ پیکان داشتم
کس نمیداند بہجر او چہ سامان داشتم

بودیک برق تپان ہر قطرۂ اشکم کہ ریخت
آتشے در دامن از سوز دل و جان داشتم

از سر و سامان من در عشق چون تخمین زدند
تار ہائے چند باقی از گریبان داشتم

اعتبار شوق را رسوا نکردم زینہار
زخمہا بر داشتم در جان پنہان داشتم

شد فراوان ذوق من از ہر نگاہ لطف او
مشکل آمد کار دل چند انکہ آسان داشتم

آہ چہ میپرسی چہ از دست سمومم میرسد
ہم کہ از باد بہاری سینہ بریان داشتم

کم کم از چشمان تر با اشک خونینم بریخت
در قفس یادے کہ از رنگ گلستان داشتم

ضبط من ہرگز بکار حفظ ناموسم نخورد
زد بعالم آخر آن آتش کہ در جان داشتم

بیش ازین ہمدم ز ہنگام بہار من نپرس
اشک خون در دیدہ و گلشن بدامان داشتم

چشم خونبارم فقط یک جوئبارے بود ازان
قلزمے در سینہ از فیض بہاران داشتم

من ندانم تا دیا از اعتبار حسن ذوق
داغہا در دل کہ گلہا در گلستان داشتم



اقتباسات ومعلومات

مچھلی اُن مخصوص حیوانات مین سے ہے جن کو سانس لینے کے لئے پھیپھڑے کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ وہ اپنے گلپھڑون سے تنفس کا کام لیتی ہے ۔ لیکن حال ہی مین ساحل امریکہ پر ایک ایسی عجیب غریب مچھلی دریافت ہوئی ہے جو گلپھڑون کے ساتھ پھیپھڑا بھی رکھتی ہے یعنی وہ خشکی مین آنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے ۔

بعض کا خیال ہے کہ مچھلی کی یہ نوع حالت ارتقاء مین ہے اور ایک دن ایسا آئیگا جب یہ اپنے مسکن کو بدل کر پانی سے خشکی مین آجائیگی اور اس کا شمار برّی حیوانات مین ہونے لگیگا ۔

امریکہ کے جامعۂ یووا مین ایک جدید آلہ ایسا طیار گیا ہے جسکے ذریعہ سے گانے والے اور بولنے والے کی آواز کی تصویر لی جاسکتی ہے ۔ اس آلہ مین ایک ایسا آئینہ لگایا گیا ہے جو آواز کے ہلکے سے ہلکے تموجات کے ساتھ حرکت مین آجاتا ہے اور آئینہ کی یہ حرکت تصویر کشی کے ایک آلہ کو متاثر کرتی ہے جس مین تصویر قبول کرنے کے لئے فلم لگا ہوتا ہے اور اسی فلم پر آواز کے خطوط مختلف صورتون مین رقم ہو جاتے ہین ۔

انگلستان مین طباعت کا ایک ایسا عجیب وغریب طریقہ ایجاد ہوا ہے جس مین ٹائپ کے استعمال کی ضرورت نہین ہے یہ آلہ طباعت ٹائپ رائٹر کی طرح ہوتا ہے اور اس مین تمام حروف بٹنون پر تحریر ہوتے ہین جب کوئی تحریر چھاپنی مقصود ہوتی ہے تو ٹائپ رائٹر کی طرح اسکے بٹنون پر انگلی چلائی جاتی ہے جس سے دوسری طرف ایک فلم پر ان حروف کی تصویر اتر آتی ہے ۔ پھر ان مصوّر صفحات کو لیکر ان کا بلاک بنا لیتے ہین اور چھاپتے چلے جاتے ہین ۔

ایشیا کے علاوہ تمام دیگر ممالک مین انسانی عمر کا اوسط بڑھتا جا رہا ہے چنانچہ تازہ ترین اعداد و شمار کی رو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ فرانس مین سنہ ۱۷۸۹ء سے قبل اوسط عمر ۲۸ سال تھا ، سنہ ۱۸۰۰ء مین ۳۲ ، سنہ ۱۸۵۰ء مین ۳۷ ، سنہ ۱۸۸۰ء مین ۴۰ اور جنگ سے کچھ قبل ۴۶ سال ۔

قرون وسطی مین ایک انسان زیادہ سے زیادہ ۲۱½ سال کی عمر پاتا تھا سولھوین صدی مین ۲۳½ ہو گئی سترھوین صدی

مین ۴۴۶ سال سالھارویں صدی مین ۷۶ سال اور اب بیسوین صدی مین ۱۷ سال ۔

امریکہ کی سب سے زیادہ نمایان خصوصیت وہان کی عجلت ہے ۔ یعنی وہان جو کام ہوتا ہے اس مین سب سے زیادہ خیال اس امر کا رکھا جاتا ہے کہ جلد ہو جائے اس کا صحیح اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۲۳ء مین وہان ایک جدید شہر لانگ فیو کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا اور ۱۹۲۵ء ابھی آیا بھی نہ تھا کہ وہان نہ صرف شہر تعمیر ہو گیا بلکہ ۰۰۰، آدمی بس بھی گئے ۔ ۰۵ ہزار ڈالر کے صرف سے عطار خانہ بھی طیار ہو گیا ۶ منزل کا ایک ہوٹل بھی بن گیا ۔ باغ بھی لگ گئے اور ۰۰ ۲ مکان بھی تعمیر ہو گئے ۔

عہد قیصر مین روس کی تعلیمی حالت بہت خراب تھی اور سوائے امرا زادگان کے کسی اور کو تعلیم نہین دی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ۰ ، فیصدی سے زیادہ وہان جاہل نظر آتے تھے لیکن جب بالشویک دور شروع ہوا تو سب سے پہلے عام تعلیم کی طرف توجہ کی گئی ۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگر قوم جاہل رہی تو ممکن ہے کسی وقت پھر قدیم نظام قیصری عود کر آئے ۔ چنانچہ تمام امرا زادے مدارس سے خارج کر دئے گئے اور ان کی جگہ فقرا اور غربا کے لڑکے کثرت سے داخل کرنے شروع ہو گئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۱ء تک ۰ ۶ لاکھ جاہل روسیون نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ۔

اسکے بعد لڑکیون کی تعلیم کی طرف توجہ کی گئی اور وہ بھی کثرت سے مدارس مین آنے لگین اب رفتہ رفتہ حالت یہانتک پہونچ گئی ہے کہ اسوقت صرف یونیورسٹیون مین ۲ ۹ لاکھ طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہین ۔

وہ لوگ جانتے ہین کہ حصول آزادی کا بہترین ذریعہ صرف تعلیم ہے ۔ برخلاف ہندوستان کے کہ یہان اسکے حصول کا مدار صرف چرخہ قرار دیا جاتا ہے جتنی کوشش سوت کاتنے پر کی گئی ہے اگر اسکی نصف بھی قوم کی تعلیم پر صرف کی جاتی تو آج ہندوستان کی حالت یہ نہ ہوتی جو نظر آ رہی ہے ۔

جرمن کا ایک باشندہ جسکا نام لدوگ ہے اسوقت اپنی کہانت کے لحاظ سے بہت مشہور ہو رہا ہے اسکی عمر اسوقت ۰ ۵ سال کی ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی عمر کے تیسرے ہی سال سے اس نے حساب عقلی کی عجیب و غریب مثالین پیش کرنی شروع کر دی تھین ۔

اس شخص کو خاص ملکہ حاصل ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے وہ کسی تحریر کا مضمون معلوم کر لیتا ہے ۔ چنانچہ گذشتہ فروری مین بمقام پیرس جبکہ بہت سے اکابر علما جمع تھے اس نے اپنی اس قوت کا مشاہدہ کرایا ۔ اس نے چار آدمیون سے کہا کہ کاغذ پر جو ان کے جی مین آئے لکھدین اسکے بعد اس نے کہا کہ ان کو موڑ کر مخلوط کر لیا جائے اور ہر آدمی ایک ایک پرچہ اٹھا لے ۔ اسکے بعد اس نے ہر شخص کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے کاغذ کو چھوا

اضرحل محمد علی کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ ہے جسکا نسخہ عجیب ہے ۔

اور بتادیا کہ یہ فلان شخص کا کاغذ ہے اور اس مین یہ لکھا ہے ۔

اسطرح پروفیسر گریشم نے علحدہ علحدہ دو کاغذون پر کچھ لکھا اور ان کی کئی تہین کرکے اپنے دونون ہاتھون مین لے لیا۔ اس شخص نے بتادیا کہ داہنے ہاتھ کے کاغذ مین یہ لکھا ہے اور بائین ہاتھ کے کاغذ مین یہ تحریر ہے ۔ بعدکو پروفیسر مذکور نے چار کاغذ لئے اور چارون پر کچھ لکھکر ایک ٹکڑے کو جلادیا ۔ دوسرے کو کتاب مین چھپادیا ۔ اور باقی دو دونون ہاتھون مین لے لئے اس مرتبہ بھی اس نے چارون کو صحیح صحیح بتادیا۔

ہندوستان مین بھی بعض بعض لوگ ایسے موجود ہین جن سے اس نوع کے محیر العقول کارنامے ظاہر ہوتے ہین ان کی تعلیل سوائے اسکے کچھ نہین ہوسکتی کہ قدرتاً بعض نفوس کی قوت ادراک بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے جو مشق کے بعد اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ غیر مرئی اشیا کا بھی ادراک کرسکین۔

اس وقت تک ہوائی جہازون کے صعود و ہبوط کے لئے ایک میدان کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اڑنے سے پہلے اور اترنے کے وقت ان کو تھوڑی دور تک زمین پر موٹر کی طرح دوڑنا پڑتا ہے اور یہ ایک ایسا عیب تھا جسکے دور کرنے کے لئے ہر ملک کوشش کررہا تھا ۔ چنانچہ انگلستان نے اعلان کردیا تھا کہ جو شخص ان نقائص کو دور کردیگا اسے ۳۰ ہزار گنی کا انعام دیا جائیگا ۔

حال ہی مین اسپین کا ایک شخص جو برسون سے اس مسئلہ پر غور کررہا تھا و مختلف تجربون مین مصروف تھا اس نقص کو دور کرنے مین کامیاب ہوگیا ہے اور اس نے بعض ایسی مکانکی تبدیلیان جہاز مین کی ہین جن کی مدد سے جہاز دفعتاً عمودی صورت مین اڑ سکتا ہے اور اتر سکتا ہے ۔

سیلون مین ایک قسم کی مچھلی ہے جو گاتی ہے ۔ ہر چند یہ گانا طیور کی طرح نہین ہوتا لیکن پھر بھی اسکی آواز کو بانسری کی طویل صورت کہہ سکتے ہین ۔ یہین ایک اور مچھلی ہے جسکی آواز بوم کی طرح ہوتی ہے لیکن یہ آوازین اس وقت ظاہر ہوتی ہین جب پانی سے خشکی مین لائی جاتی ہین ۔ گویا یہ ان کی فریاد ہوتی ہے ۔

جرمنی کا مشہور پروفیسر آئنسٹین جاذبیت زمین کا قائل نہین ہے ۔ یہ برلن مین ایک کوٹھے پر رہتا ہے ایک دن یہ بالاخانہ پر دریچہ مین بیٹھا تھا کہ سامنے سے ایک شخص اپنے کوٹھے سے زمین پر گرا لیکن ایسی زیادہ چوٹ نہین آئی کیونکہ زمین سخت نہ تھی اور نیچے نرم فرش بچھا ہوا تھا ۔ آئنسٹین یہ دیکھکر فوراً نیچے اترا اور قبل اس کے کہ وہ غریب زمین سے اٹھتا

حضرت نے سب سے پہلا سوال اس سے یہ کیا کہ "جس وقت تم گرے ہو تو کیا واقعی تم ایسا محسوس کر رہے تھے کہ کوئی چیز زمین کی طرف تمہین کھینچ رہی ہے"۔

انگلستان کی عورتین اپنے حقوق طلب کرنے مین بہت کوشش سے کام لے رہی ہین اور اس غرض کے لئے وہ مختلف جلسون مین تقریرین کرتی ہین ۔ ایک مرتبہ انہین حقوق طلب عورتون مین سے ایک عورت کسی جلسہ مین اپنی جنس کے مصیبت و محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے دوران تقریر مین اہل جلسہ سے یون مخاطب ہوئی کہ "کیا تم مین سے کوئی مرد ایسا ہے جو بہت سویرے اٹھتا ہو ۔ آگ روشن کرتا ہو ۔ ناشتہ طیار کرتا ہو ۔ جوتے صاف کرتا ہو ۔ بٹن ٹانکتا ہو ۔ جرابین خود پہن لیتا ہو اور برتنون کو دھو کر صاف کرتا ہو ۔ اگر واقعی کوئی ایسا مرد ہے جو اسقدر محنت شاقہ کرتا ہو اور جو اسطرح غلامی کی زندگی مین مبتلا ہو وہ مہربانی کرکے اٹھ کھڑا ہو کہ مین اسے دیکھنا چاہتی ہون لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا مرد کوئی نہین ہو سکتا ۔ اور یہ غلامی صرف عورتون ہی کی قسمت مین لکھی ہے"۔

اسکے سوال پر تھوڑی دیر تک تو سکون رہا لیکن اسکے بعد ایک گوشہ سے نہایت حقیر سا مرد کھڑا ہوا اور بولا کہ ۔

"اے محترم خاتون اس عزت کا شرف اس غلام کو حاصل ہے"۔

لیکن لوگ ہنسی سے بیتاب ہو گئے جب انہون نے دیکھا کہ یہ مرد اسی تقریر کرنے والی خاتون کا شوہر تھا ۔

اہل امریکہ خدمت علم مین جسقدر حریص واقع ہوئے ہین اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حال ہی مین وہان کی ایک جماعت نے یہ تجویز کی ہے کہ شہر ایتھنز مین ایک بڑا قصبہ مول لیا جائے اور اسکو منہدم کرکے وہان کے زیر زمین پائے جانیوالے آثار یونانی کی جستجو کیجائے ۔ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے غیر معمولی مصارف برداشت کرنے پڑینگے ۔ لیکن ان کو اسکی قطعی پرواہ نہین ہے اور ۲۰ یونیورسٹیان وہان کے اس کام مین مدد پہونچا رہی ہین ۔

جرمنی کے ایک پروفیسر نے غور و فکر کے وقت دماغی دوران خون کا اندازہ کرنے کے لئے ایک عجیب و غریب ترکیب اختیار کی ہے ۔ اس نے ایک میز کا تختہ اسطرح قائم کیا ہے جو ایک محور پر گھوم سکتا ہے اور جس کے دونون کنارے اوپر نیچے جھول سکتے ہین اس تختے کے دونون طرف اس نے ایک مقیاس قائم کیا ہے جس سے تختہ کا جھکاؤ یا ابھار معلوم ہو سکے ۔ پھر ایک آدمی کو اس تختہ پر اسطرح لٹا دیتا ہے کہ تختہ بالکل برابر حالت مین رہے اور ادھر ادھر جھکا ہوا یا اٹھا ہوا نہ رہے

پھر اس کے بعد وہ اسکے سامنے ایک تختی پر کوئی سوال ریاضی کا لکھکر پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر غور کرو۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غور کرنے کے ساتھ ہی سر کی جانب تختہ جھکنا شروع ہوتا ہے اور مقیاس کی خاص حد تک ہو چکر رک جاتا ہے۔

اس سے پروفیسر مذکور نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ غور و فکر کے وقت خون کا دوران دماغ کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے کھانا کھانے کے بعد ہی فوراً کسی دماغی محنت مین مصروف ہو جانا مضر صحت ہے۔

ولایت مین ایک شخص ہے جسکا نام جانی کولون ہے اس کا وزن صرف ۸۰ پونڈ (تقریباً ایک من دس سیر) کا ہے لیکن جسوقت وہ کھڑا ہو جاتا ہے تو پھر کیسا ہی قوی انسان ہو اسکو اٹھا نہین سکتا۔ جسوقت کوئی شخص اسے اٹھانے آتا ہے تو یہ سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور اٹھانے والے کی گردن پر اپنی انگلی اس طرح رکھدیتا ہے جیسے نبض دیکھ رہا ہو۔ اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ کمر پکڑکر اٹھاؤ لیکن کوئی شخص اسے اٹھا نہین سکتا لیکن اگر وہ سیدھا نہ کھڑا ہو یا اسکا ہاتھ تر ہو یا انگلی اور گردن کے درمیان ایک ورق کاغذ کا رکھدیا جائے تو پھر وہ آسانی سے اٹھالیا جاتا ہے۔

نیویارک مین آبادی کی زیادتی نے جگہ کے مسئلہ کو نہایت اہم بنادیا ہے اور لوگون کے قیام کے لئے وہان ہوٹلون کی کمی بشدت سے محسوس کی جارہی ہے چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ فی الحال کم از کم بارہ ہوٹل ایسے طیار ہونے چاہئیں جن مین ۲۰۰ سے ۱۲۰۰ تک کمرے ہون لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے لئے جگہ کہان سے آئے یہی وجہ ہے کہ وہان عمارت کی بلندی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور زمین کی تنگی کا عوض وہ فضا سے لینا چاہتے ہین۔

اب وہان کے مشہور مہندس ولیم سیلوان نے ایک ایسی عمارت کا نقشہ پیش کیا ہے جسکے اندر بارہ ہوٹلون کی وسعت بلندی بڑھاکر پیدا کی جائیگی۔ اس عمارت یا ہوٹل کی بلندی برج ایفل سے بھی زیادہ ہوگی اور دنیا مین کوئی عمارت اس سے زیادہ بلند نہ نکلیگی۔ اسکی ۱۹۰ منزلین ہونگی اور مصاعد (Lift) ایک منٹ مین ۴۵ طبقون کو طے کریگا۔ اس مین ۱۴۰۰۰ کمرے ہونگے مین گنی اس کی تعمیر کے مصارف کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔

امریکہ مین ایک عورت ہے جسکا نام مس ہلن کلر ہے یہ بہت کمسن تھی کہ بخار مین اسکی بینائی سماعت اور گویائی کی قوت بالکل ضائع ہوگئی گویا ایک متحرک جسم تھا جو نہ دیکھ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا اور نہ بول سکتا تھا لیکن اس نے بجائے اسکے کہ فطرت کے اس ظلم کو برداشت کرکے خاموشی سے بیٹھ جاتی اسکا پورا مقابلہ کیا اور اندھون گونگون کے مدرسہ مین داخل ہوگئی یہان سے اسنے اعلیٰ سند حاصل کرنے

کے بعد لاطینی یونانی جرمن اور فرانسیسی زبانین سیکھین اور پھر موسیقی و نقاشی مین کمال حاصل کیا۔

اسی طرح کی دوسری عورت مسز جونس مشہور فلکی کی بیوی ہے جب یہ کسوف شمس کی رصد کرنے کے لئے جزیرہ کریس گیا تو یہ بھی ساتھ گئی فلکی مذکور تو رات رات بھر دوربین لگائے بیٹھا رہتا تھا اور یہ اسکے بیان کو لکھتی جاتی تھی جب فلکی فارغ ہوا اور اپنی بیوی کی تحریر کو دیکھا تو سر مو اس مین فرق نہ پایا اور اپنے تمام مشاہدات کو نہایت صراحت و صحت کے ساتھ کاغذ پر منقوش دیکھکر بہت مسرور ہو

گزشتہ جنگ مین ایک انگریز سپاہی کا نصف چہرہ گولے سے اڑگیا جب شفاخانہ پہونچا تو لوگ اسکو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ آیا یہ کیا زندہ رہ سکتا ہے لیکن ڈاکٹرون نے اس پر چالیس مرتبہ عمل جراحی کرکے ناک ہونٹ۔ دانت۔ کان چہرہ کی جلد از سر نو پیدا کی اور چند ماہ کے بعد جب وہ وہان سے نکلا تو یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کبھی اسکے چہرہ کو کوئی زخم پہونچا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اسوقت دنیا کا سب سے زیادہ قوی انسان مسٹر برٹبارٹ ہے اسکی طرف سے ایسے عجیب و غریب اعمال قوت ظاہر ہوتے ہین کہ سنکر سخت حیرت ہوتی ہے اور یقین کرنیکو جی نہین چاہتا مثلاً اسکی صبح کی معمولی ورزش یہ ہے کہ سڑک پر لیٹ جاتا ہے اور بڑی بڑی موٹر لاریان اسپر سے گزرتی رہتی ہین جنمین ہزار دن نوکدار کیلین گڑی ہوئی ہین۔ چت لیٹ جاتا ہے اور اپنے پیٹ پر ۶۵ کیلو گرام وزنی پتھر رکھوا کر متعدد آدمیون سے اس پر بڑے بڑے ہتوڑے چلواتا ہے۔

پروفیسر کلھر نے متعدد تجربون کے بعد یہ حقیقت معلوم کی ہے کہ اونچی قسم کے بندرون مین بالکل انسان کی سی ذہانت پائی جاتی ہے خصوصاً چمپنزی کہ اس کے حرکات سے بالکل انسانی غور و فکر کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ پروفیسر مذکور نے چمپنزی بندر کے پنجرہ سے باہر ایک پھل رکھدیا اور اسمین دھاگا باندھکر پنجرہ کے کنارے سے قریب کردیا بندر نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد دھاگے کا سرا پکڑا اور اسکو کھینچنا شروع کیا یہانتک کہ پھل اسکے ہاتھ مین آگیا اسی طرح اسنے ایک مرتبہ پھل کو دور رکھکر بندر کے پاس لمبی لکڑی رکھدی بندر نے لکڑی کی مدد سے اس پھل کو آہستہ آہستہ اپنے قریب کرلیا اور کھا گیا۔

اس سے زیادہ مشکل کام یہ تھا کہ پھل کو دور رکھکر دو بانس رکھدئے جنمین سے ایک بھی اس پھل تک نہ پہونچ سکتا تھا لیکن ان مین ایک بانس موٹا اور کھوکھلا تھا۔ بندر نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد موٹے کھوکھلے بانس کے اندر پتلے بانس کو داخل کرکے ایک لمبی لکڑی کی صورت بنالی اور اسکی مدد سے پھل کو گھسیٹ لیا۔

نیویارک مین دو توام بچے اس وضع کے ہین کہ دو سر ہین اور ایک گردن - ایک دل - چار پھیپھڑے ہین - تین پاؤن اور چار ہاتھ اور دون کی صحت اچھی ہے -

اسی طرح ارجنٹائن مین ایک بچہ پیدا ہوا جسکے ڈاڑھی موچھ ہے - دانت ہین اور سر پر دو سینگ - جرمنی مین ایک عورت ہے جو ایک انچ لمبی ڈاڑھی رکھتی ہے اور امریکہ مین ایک عورت ہے جو سر سے کمر تک عورت ہے اور کمر سے نیچے مرد -

---

انگلستان کے ایک نوجوان مہندس نے جسکا نام پیرسن ہے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو انسان کی آواز کو امواج برق مین تبدیل کر دیتا ہے یعنی اس آلہ کی مدد سے ایک آدمی صرف اپنی آواز سے برقی لیمپ کو روشن کر سکتا اور موٹر کو حرکت مین لا سکتا ہے مسٹر پیرسن نے ناٹنگھم مین اپنے اس اختراع کا مشاہدہ کرایا اور لوگون کو سخت حیرت ہوئی - علما و مہندسین کا خیال ہے کہ یہ ایجاد دنیائے سائنس مین بڑا انقلاب پیدا کرنے والی ثابت ہوگی -

---

اس وقت یہودیون کی آبادی دنیا مین ۱۴۱۶۳۵۴۳ ہے یعنی تمام آبادی کے لحاظ سے ایک فیصدی ان مین سے ۹۲۳۲۵۷۶ یورپ و امریکہ مین ہین اور جنکی تفصیلات حسب ذیل ہین - ۲۰۲۹۲۵۶ پولینڈ مین ۲۵۳۳۲۲۵ روس مین ۱۷۷۲۴۴۹ اوکرانیا مین - ۸۳۴۰۳۴ رومانیا مین - ۵۷۵۰۰۰ جرمنی مین - ۴۷۳۰۰۰ ہنگری مین ۳۵۴۳۴۲ زیکوسلوواکیا مین ۳۰۰۰۰۰ آسٹریا مین - ۲۸۰۰۰۰ برطانیہ مین ۱۵۰۰۰۰ فرانس مین اور ۳۵۰۰۰۰۰ امریکہ مین -

---

امریکہ مین ایک لڑکی ہے جسکا نام زرتیا ہے - اسکا یہ عجیب غریب خاصہ ہے کہ جب چاہتی ہے اپنے وزن کو گھٹا بڑھا لیتی ہے اسکے وزن کا تغیر ترازو سے نہین ظاہر ہوتا لیکن جب لوگ اسکو اٹھانا چاہتے ہین تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کسقدر وزنی ہے - یہ کہا کرتی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مشہور وزن اٹھانے والون نے مجھکو اٹھانیکی کوشش کی لیکن کامیاب نہین ہوئے - میرا اصلی وزن صرف ۱۰۰ پونڈ ہے لیکن جب مین چاہتی ہون تو ۴۰۰ پونڈ کر لیتی ہون اور جو شخص مجھے اٹھانا چاہتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ مین کوئی درخت ہون -

زرتیا علی الاعلان دعوی کرتی ہے اور اس سے کوئی بازی نہین لیجاتا - ایک مرتبہ لنڈن کے کسی جلسہ مین آٹھ مشہور وزن اٹھانیوالے موجود تھے - سات نے اسکو یکے بعد دیگرے اٹھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہین ہوئے اور آٹھوین کو اسکی جرأت نہ ہوئی اور وہان سے بھاگ گیا -

---

نگار بک ایجنسی

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان ۔ مذہبی و عالمانہ تقریرون کا بیمثل مجموعہ خواتین ہند کے لیے عجب وغریب نعمت ہی	عہ/
سیرت مصطفےٰ ۔ سیرت رسولؐ کے متعلق بیمثل کتاب نہایت مستند روایات پر ۔	عہ/
عفت المسلمات ۔ پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شائع نہین ہوئی جس مین مشرق و مغرب کے تمام علمار کے آرا کا نچوڑ ہے ۔	عہ/
اخلاقی سلسلہ اس مین اکابر و بزرگان اسلام کے تاریخی وقعات یکجا کرکے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچون عورتون اور مردون کے مطالعہ کے لیے بے مثل مجموعہ قیمت چارون حصون کی حسب ترتیب :۔ ۸/ ۱۴/ ۱۴/	۱۲/
مہذب زندگی ۔ اخلاقی سلسلہ کا پانچوان حصہ	عہ/
تربیت اطفال ۔ عورتون کے لیے بے مثل کتاب ۔	۸/
مقصد ازدواج ۔ نکاح کے پر تمدن و معاشرت کے نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ ۔	۸/
حفظ صحت ۔ خواتین کو اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی	۱۳/
تندرستی ۔ اس کتاب کا بھی ہر گھر مین رہنا ضروری ہی	عہ/
درس حیات ۔ اخلاق و آداب کے پیرایے مین فزیالوجی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر ۔ دوم	ہہ/
معیشت و معاشرت ۔ یہ دونون کتابین اس پایہ کی ہین کہ اگر عورتین ان کا مطالعہ کرلین توپھر امور خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگزاشت نہین ہوسکتی بیمثل کتاب ہی اور ہر گھر کے لیے ضروری ہے	عہ/ ۱۲/
تہذیب نسوان ۔ یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے ۔	عہ/
بچون کی پرورش ۔ اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمین ۱۱۰ مضامین مین بچون کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو ونما تک کے حالات امراض و علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیے گئے ہین	عہ/
ہندوستانی گھرونمین تیمارداری جسمین ۴۰ نقشہ شامل ہین	عہ/
فرائض باغبانی ۔ ہدایات باغبانی ۔ یہ دونون ہر متمدن خاندان کے لیے ضروری ہین ۔	۴/ ہ/
اسلام اور عورت اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون پر فرض ہے	۴/
باغ عجیب ۔ تین حصون مین مع تصاویر بچون کے لیے اخلاقی سبق دلچسپ قصون کی صورت مین نہایت دلچسپ کتاب ہے ۔	۵/
ہدیتہ الزوجین :۔ نکاح کے پہلے اور اُسکے بعد ہر مرد اور عورت کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے ۔	

تصانیف جناب میمونہ سلطان بانو بیگم صاحبہ

ذکرِ مبارک سیرت النبی کے متعلق بے مثل کتاب ہے ... ۵/

خلافت راشدہ۔ اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے بچون کے لیے اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر نہین مل سکتی ... ۱۴/

سلکِ مروارید۔ اکابر اسلام کے دلچسپ تاریخی واقعات مع تصویر ۶/

گل و ریحان۔ بچون کے لیے نہایت دلچسپ اور مفید کہانیان ۸/

فرائضِ مادری۔ نام ہی سے اس کی خوبی ظاہر ہے ... ۱۲/

سیاحتِ سلطانی۔ بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے نہایت دلچسپ حالات .... قسم اعلیٰ عہ دوم ۱۲/

فرائض النساء۔ فرائض خانہ داری پر بے مثل کتاب ہے ہر گھر مین اس کتاب کا ہونا ضروری ہے ۱۲/

عجائباتِ قدرت۔ سائنس کے مسائل نہایت آسان زبان مین بچون کے لیے ......

دیگر مصنفین

جہان آرا بیگم۔ بنت شاہ جہان کی سوانح عمری۔ اگر آپ عہدِ مغلیہ کی خواتین کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہین تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کیجیے۔ بے انتہا دلچسپ [illegible] سبق آموز ہے۔ قیمت ۸/

تذکرۂ حضرت بلھے شاہ۔ پنجاب مین کوئی شخص ایسا نہین ہے جو بلھے شاہ سے واقف نہو۔ آپ سترھوین صدی کے نہایت مشہور بزرگ تھے اور آپ کے حالات ناپید تھے۔ اب نہایت مستند ذرائع سے فراہم کر کے لکھا گیا ہے اور آپ کی شاعری پر بھی مفصل تنقید کی گئی ہے۔ قیمت ۸/

نمکدانِ فصاحت۔ فارسی، عربی، اردو کے بہترین علمی تاریخی ادبی لطائف۔ اس کتاب مین کوئی لطیفہ ذوق صحیح سے گرا ہوا نہین ہے عہ/

لسان الغیب۔ حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور ان کے دیوان کی بہترین شرح و حل دیکھنا چاہتے ہین تو لسان الغیب کی دونون جلدین طلب فرمایئے جلد اول مع مکمل سوانح عمری ۴۰۰ صفحات قیمت سے جلد دوم ۶۰۰ صفحات قیمت للعہ

کاس الکرام۔ یعنی عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور اسکی رباعیات کی مکمل شرح۔ تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اردو مین اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل و مبسوط کتاب ابتک شائع نہین ہوئی۔ ضخامت ۰۰۰ صفحات قیمت ہے

بندگی۔ امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اردو ترجمہ جسمین حقائق دینی و عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کر کے فیصلہ کیا گیا ہے۔ ضخامت ۱۴۸ صفحات۔ قیمت عہ/

تصانیف مسٹر جی بخش پرسنل سیکریٹری حضور سرکار عالیہ

جواہر ریزے:۔ اونی ریشمی کپڑون کے دھونے اور داغ دھبّہ دور کرنے کی ترکیبین صنعت و حرفت کے بہت سے مجرب نسخے ۱۴/

نٹنگ:۔ موزہ بنیائن اور بیلین بننے کی ترکیبین مع متعدد تصاویر کے .... اول عہ/ دوم ۱۴/

سیر یورپ:۔ ہز ہائی نس نازلی بیگم جنجیرہ کا بے مثل سفرنامہ یورپ مع متعدد تصاویر کے .... عہ/

مطبوعہ مقبول المطابع۔ نظیر آباد لکھنؤ | منیجر نگار بھوپال | باہتمام سید وصل حسین وصل بلگرامی

نگار

ایک علمی ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتحپوری

رجسٹرڈ نمبر ال ۲۸۸ ۷۸۶ جلد(۹) شمار(۳)

نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

فہرست مضامین مارچ ۱۹۲۶ء

"تصویر رقاصہ"

تاریخ اشاعت بسم اللہ ہر ماہ کی پندرہ

نگار

ایڈیٹر نیاز فتحپوری

قیمت سالانہ ہندوستان مین پانچ روپیہ ہندوستان سی باہر علاوہ محصول چھ روپیہ

جلد (۹)	مارچ سنہ ۱۹۲۶ء	شمار (۳)

ملاحظات

نوجیتن کلکتہ کا نہایت مشہور و مقبول گجراتی رسالہ ہے۔ گذشتہ دیوالی نمبر مین اسنے میرے ادبی مضمون "رقاصہ" کا ترجمہ شایع کیا اور اسکے ساتھ نہ صرف میری اور مترجم کی تصویر بلکہ بنگال کے مشہور نقاش مزدار سے ایک رنگین تصویر "رقاصہ" کی بھی طیار کرا کے شائع کی۔

مین نہین سمجھ سکتا کہ ترجمہ کیسا تھا، لیکن تصویر ضرور اچھی معلوم ہوئی اور یہی وہ تصویر ہے جو اس ماہ کے نگار مین آپ ملاحظہ فرمائین گے۔

میرا مضمون "رقاصہ سے" وہی مضمون ہے جو سب سے پہلے نقاد مین شائع ہوا تھا اور پھر ملک کے مختلف رسائل مین نقل ہوا جن حضرات کے پاس نگارستان کی جلد ہے، وہ اس تصویر کے ساتھ اس مضمون کا بھی مطالعہ کر سکتے ہین۔

دستور چلا آتا ہے کہ جب کسی رسالہ مین کوئی تصویر اس قسم کی شائع ہوتی ہے تو اسکے ساتھ کوئی نظم یا ادبی مضمون بھی ضرور رہوتا ہے، اور میرے لئے بھی یہ امر دشوار نہ تھا، لیکن مین نے بجائے کسی ادبی مقالہ یا نظم کے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ کوئی تاریخی مضمون فن رقص پر پیش کیا جائے چنانچہ ملاحظات کے بعد سب سے پہلا مضمون جو آپ کی نگاہ سے گزریگا وہ اسی موضوع پر ہوگا۔

خواہش یہی تھی کہ یہ مضمون ایک ہی نمبر مین شائع ہو جائے لیکن چونکہ طویل زیادہ تھا اس لئے اس کے دو حصے کر دینے پڑے

آپ ملاحظہ فرمائین گے کہ اس مہینے کا مسطر بجائے ۲۳ کے ۲۵ سطر کا ہے اور کتابت بھی نہایت گنجان ہے گویا اسطرح کم از کم ۱۲۵

صفحات کا مواد پیش کیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی بہت سے اہم و دلچسپ مضامین کیلئے جگہ نہ نکل سکی ۔ یہ معذرت ہو اُن احباب کی خدمت مین جنکے مضامین ابھی تک شائع نہین ہو سکے ۔ اور جو ابتک زحمت انتظار مین مبتلا ہین ۔ امید ہو کہ جنوری تک کے موصول شدہ تمام مضامین آئندہ مہینے مین درج ہو جائین گے ۔

جیسا کہ خیال تھا اس مہینے کا مسودہ مجھے کتابت کیلئے لکھنؤ بھیجنا نہین پڑا کیونکہ فی الحال ایک کاتب کی خدمات مستقلاً حاصل ہو گئی ہین ۔ ہرچند موجودہ کاتب ابھی نو آموز ہین، لیکن ان مین یہ صلاحیت ضرور ہے کہ چند دن کی محنت کے بعد اصول کتابت سے واقف ہو جائین اور خط مین پختگی پیدا ہونے کے بعد اچھے کاتبون مین انکا شمار ہونے لگے ۔

نگار کا جدید سرورق ابھی تک شائع نہین ہو سکا ۔ لاہور، لکھنؤ اور کلکتہ کے بعض ماہرین فن سے ڈزائن طیار کرائے جا رہے ہین امید ہے کہ مئی کے رسالہ کا سرورق جدید ڈزائن کے بلاک سے چھاپا جائگا ۔ لفظ نگار کی نشست حروف فن کتابت کے لحاظ سے اسقدر مشکل ہے کہ کسی طرح خط نستعلیق مین حسن پیدا ہی نہین ہوتا ۔ نسخ مین البتہ کچھ عیب دور ہو جاتا ہے، اس لئے اب ارادہ یہی ہے کہ ڈزائن مین لفظ "نگار" خط نسخ یا ثلث مین تحریر کرایا جائے ۔

میرا ایک مسلسل افسانہ "فریب خیال" اس مہینے سے شائع ہوا ہے، لیکن اسکے متعلق مین ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ اسکو مین نے حضرت وصل کے اصرار پر مرقع کیلئے لکھا تھا اور نگار مین اس کی اشاعت گویا وہین سے منقول سمجھی جائے گی ۔ البتہ نظر ثانی کے بعد کہین کہین حذف و اضافہ ضرور ہو گیا ہے ۔ مصلح سنگ کی غلطی سے "ماخوذ از مرقع" لکھا گیا ۔

"لارڈ ریڈنگ کا عہد حکومت" اس مہینے مین دیگر اہم مضامین کیوجہ سے شائع نہین ہو سکا، ماہ آئندہ سے پھر اسکا سلسلہ شروع ہو جائے گا ۔

فروری کے رسالہ مین ایک جگہ صفحات کی سخت غلطی ہو گئی ہے اسکو اس طرح درست کرا لیا جائے :-
صفحہ ۶۵ کے بعد صفحہ ۶۸ اور صفحہ ۶۸ کے بعد صفحہ ۶۶ کا، پھر ۶۷ اور اسکے بعد صفحہ ۶۹

رسالہ ہومیو پیتھک لیڈر (بھوپال) پر ریویو کرتے ہوئے مین نے لکھا تھا کہ یہ رسالہ اکتوبر سنہ ۲۵ء سے جاری ہے، حالانکہ اکتوبر مین صرف ایک نمبر بطور نمونہ شائع ہوا تھا ۔ یہ رسالہ حقیقتاً جنوری سنہ ۲۶ء سے جاری ہوا ہے اور انھین خصوصیات کے ساتھ جنکا

ذکر اس سے قبل مین بہ سلسلۂ تبصرہ کر چکا ہون ۔

یہ خبر غالبًا بڑے افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ ۲۴ جنوری سنہ ۲۶ء کی صبح کو ابو البیان سید حامد حسین بیدل شاہجہانپوری دنیا سے ہمیشہ کیلئے بے تعلق ہوگئے اور بھوپال کی سرزمین کو انھون نے اپنی آرامگاہ بنانا پسند کیا ۔ مرحوم تقریبًا دو سال سے سل و دق کے عارضہ مین مبتلا تھے اور جولائی سنہ ۲۵ء سے بغرض علاج بھوپال مین مقیم تھے، ظاہر ہے کہ بھوپال مین ایسے مرض کا کیا علاج ہو سکتا تھا، لیکن وہ تو یہان کی مٹی انھین کھینچ لائی تھی اور باوجود اسکے کہ حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی انھون نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ مجھے صحت اسی جگہ حاصل ہوگی اور آخر کار یہین کی خاک مین سر چھپانا انھون نے پسند کیا ۔

مرحوم اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے اس قدر عجیب و غریب انسان تھے کہ کم از کم میرے حلقۂ احباب مین تو اب کوئی شخص انکی جگہ پر نہین کر سکتا، اور وہ لطیف صحبتین جن کی تکمیل کا انحصار صرف انھین کی شرکت پر ہوا کرتا تھا یقینًا اب انھین خواب و خیال ہو جاتا ہے ۔

مرحوم کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا اور ہندوستان کی شاید ہی کوئی اعلیٰ سوسائٹی ایسی ہو جس مین انھین درخور حاصل نہ رہا ہو لیکن بایںہمہ وہ بدقسمت بھی اسی درجہ کے تھے کہ ساری عمر پریشان روزگاری اور بے سروسامانی مین بسر ہوئی اور استقلال کے ساتھ چند مہینے بھی وہ ایک جگہ اطمینان سے نہ رہ سکے

لاہور سے آنے کے بعد چند دن وہ کانپور مین رہے اور پھر اسکے بعد کلکتہ چلے گئے ۔ یہان سے ایک ماہوار رسالہ جاری کرنیکا عزم تھا لیکن اس مین بھی کامیابی نہین ہوئی اور بیمار ہو کر چند مہینے وہین پڑے رہے ۔ یہی وہ بیماری تھی جسنے بعد کو سل کی صورت اختیار کر لی اور آخر مین موت کی

ہر چند مرحوم کے اعزا مین سوائے ایک بڑی بہن کے (جو اپنی گھر کی ہین) اور کوئی نہین ہے لیکن کثیر الاحباب ہونے کی وجہ سے لوگ ایسے تھے جو انھین عزیز رکھتے تھے اور جن کیلئے یہ سانحہ یقینًا ایک "فقدان عظیم" ہوگا ۔

بھوپال مین اُن کی زندگی کے جتنے دن گزرے وہ تمام حقیقتًا اپنے اندر ایک دفتر عبرت و داستان بصیرت پنہان رکھتے تھے اور نہین کہہ سکتا کہ انکی حالت ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد میری روح کتنے عرصہ تک کانپا کرتی تھی، لیکن جب نتیجہ اسباب کی کڑیون سے ملکر پیدا ہوتا ہے، اسکا کوئی علاج ممکن نہین اور اُن کی بے خانمان زندگی کی اخیری ساعتون کو قدرتًا حسرتناک ہونا چاہیئے تھا ۔

مجھے افسوس ہے کہ اس زمانہ مین متواتر سفر کی وجہ سے مین اُن کی کوئی خدمت نہ کر سکا، لیکن خدا کا انتظام دیکھئے کہ اسنے حکیم ضیاء الحسن صاحب (جو یہان کے نہایت مشہور طبیب ہین) کے دل مین درد پیدا کر دیا اور جس خلوص نیت کے ساتھ انھون نے مرحوم کا معالجہ، تیمارداری اور دستگیری فرمائی، وہ اس دور مادیت مین شاید ہی کہین نظر آسکتی ہے، کثر اللہ امثالہ ۔

فن رقص تاریخ اسلام کے نقطہ نظر سے

"یہان سے چلے جاؤ، اگر تم ہم آہنگی (Harmony) سے نا آشنا ہو"

(افلاطون)

تمہید اسوقت دنیا مین جتنے فنون رائج ہین، اُن مین سے کوئی ایسا نہین ہے جسکا سراغ عہد قدیم تک نہ پہونچتا ہو، فرق یہ ہے کہ بعض فنون کی موجودہ ترقی یافتہ صورت اسقدر بدلگئی ہے کہ درمیان کی ارتقائی کڑیونکا علم نہ ہونے کیوجہ سے، انکا سلسلہ عہد قدیم تک ہماری سمجھ مین نہین آتا، اور بعض مین ایسا زیادہ تغیر نہین ہوا ہے اور ہم آسانی سے معلوم کرسکتے ہین کہ یہ اسلاف قدیم کی یادگار ہے۔

موسیقی ورقص، اور تعمیر ونقاشی ان ہی فنون مین سے ہین جن کا عہد قدیم سے بواسطہ بواسطہ ہم تک منتقل ہوکر آنا نہایت روشن طور پر واضح ہے اور اسکے لئے دلیل کی ضرورت نہین

موسیقی ورقص مین باعتبار زمانہ کس کو تفوق حاصل ہے، یہ بتانا مشکل ہو لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رقص کی بنیاد موسیقی سے پہلے قائم ہوئی ہوگی، کیونکہ انسانی اعضا مین اس وقت بھی حرکت پائی جاتی تھی جب اسنے کوئی زبان ایجاد نہ کی تھی اور رقص نام ہے صرف اعضاء انسانی کی حرکت کا۔

رقص کی تاریخی قدامت قدیم ترین اقوام مین رقص کے رواج کا سبب کیا ہوا، اسکی تحقیق مشکل ہے لیکن بظاہر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسکا تعلق صرف تفریح سے تھا اور دیوتاؤن کے سامنے رقص کرنا بھی اُن کے خوش کرنے کے لئے تھا، لیکن بعد کو جب عظمت واحترام کے حقیقی مفہوم سے انسان آشنا ہوا تو وہ رقص جو دیوتاؤن کے سامنے بھی محض تفریح کیلئے کیاجاتا تھا اس مین ایک دینی اہمیت پیدا ہوگئی اور تفریح کا خیال محو ہوکر عبادت کا جذبہ اس سے متعلق ہوگیا جس نے رقص کی دو قسمین (دینی ودنیاوی) علیحدہ علیحدہ کردین۔

امم قدیمہ مین بنو اسرائیل رقص مین بہت مشہور تھے جسکا سبب غالباً حمایت دینی تھا۔

ہیکل اور شلیم مین عبادت کے وقت رقص کے عادی تھے جیساکہ کتب مقدس سے ثابت ہوتا ہے خود داؤد علیہ السلام کا رقص کرنا اور لوگونکو رقص کے ذریعہ سے خدا کی عبادت کرنے کی ہدایت کرنا بھی ان ہی مقدس کتابون سے پایا جاتا ہے

یونانیون کے ہان رقص کی دو قسمین تھین ایک دنیوی جو انکی گھر کی محفلون مین رائج تھا، دوسرا دینی جو جیوپیٹر کے مندرون مین کیا جاتا تھا۔ منروا دیوتا کے سامنے جو رقص ہوا کرتا تھا وہ مسلح ہوا کرتا تھا اور یہی بنیاد رقص عسکری کی تھی۔ زہرہ اور باخوس (شراب کا دیوتا) کے مندرون مین جو رقص ہوتا تھا اس کی شان دوسری تھی۔ اسپارٹا مین جو ایک اور قسم کا رقص رائج تھا جو کستور وپولکس کی ایجاد تھی۔ لیکرغوس نے

جو رقص ایجاد کیا تھا اس مین جوان مرد اور جوان عورتین سب شریک ہوتی تھین، یہ رقص دینی و اخلاقی فرائض مین شامل تھا اور قضاۃ و حکام بھی اس کی مشق کرتے تھے۔

ایتھنس اور اسپارٹا کے لشکر جب میدان جنگ مین جاتے تھے تو چنگ و رباب پر رقص کرتے تھے اور یہ رقص اسقدر معزز سمجھا جاتا تھا کہ انھون نے ایلاتون (رقص عسکری کے موجد) کا مجسمہ قائم کیا تھا۔ اعیاد دیلوس کے موقعہ پر اور قربانگاہ اپلون کے گرد عریان رقص کیا جاتا تھا۔

روما مین بھی رقص کی دو قسمیں تھین حربی و دینی، حربی رقص کا موجد رومولوس تھا اور رقص دینی مین وہ رقص بہت مشہور تھا جسے مُبتِ مریم کے پوجاریون نے ایجاد کیا تھا، چنانچہ قدیم عیسوی کلیساؤن مین اس رقص کا رواج کثرت سے تھا اور رومن کیتھولک ممالک مین اب بھی رائج ہے۔

مملکت اشور کے آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دینی رقص اُن کے ہان پایا جاتا تھا اور ساز کے ساتھ رقص کرتے تھے۔ رہا ہندوستان سو یہ شعر و موسیقی کا ملک ہی تھا اور یہان پرستش کا مفہوم ہی صرف رقص و موسیقی قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان کے قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کا موجد برہما تھا اور اسکی بیوی سرستی نے ساز ایجاد کیا تھا۔ اسکے علاوہ گندھرپ وغیرہ دیوتاؤن کا گانا بجانا اور عورتون مین رقص کرنا بھی انکے مذہبی لٹریچر سے ثابت ہے۔

ہندوستان کے قدیم موسیقی دان، شاعر بھی ہوا کرتے تھے اور رقاص بھی کیونکہ آواز، ساز اور حرکت جسم کا ہم آہنگ ہونا مذہبی مراسم کی جان سمجھی جاتی تھی۔ ان کے ہان موسیقی کے سات حصے کئے ہین جن مین چوتھا نمبر رقص کا ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی ملک ایسا نہین ہے جہان رقص کا رواج ازمنۂ قدیم مین نہ رہا ہو اور جس کی یادگار اب بھی وحشی اور متمدن اقوام مین نہ پائی جاتی ہو۔ حبشیون کا حلقہ بنا کر رقص کرنا، ہندوستان کے گوڑون کا دو دو ملکر ناچنا، سنتال عورتون کا دائرہ بنا کر رقص کرنا، اسیطرح تمام دیگر ممالک کے وحشی باشندون مین رقص کا پایا جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ عادت موجودہ انسان کو اسکے اسلاف سے ملی ہے اور کبھی اسکو معیوب قرار نہین دیا گیا۔

اسوقت دنیا مین ایک مسلمان ہی کی قوم ایسی ہے جو رقص کو معیوب سمجھتی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس خیال مین مسلمان مذہبی قیود سے بھی بہت آگے بڑھ گئے ہین اور انھون نے اس فن جمیل کے محاسن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

عبد الفتاح عبادہ نے عربی مین ایک نہایت دلچسپ مضمون "فن رقص اور عہد اسلام" کے موضوع پر لکھا ہے اور بہت محنت سے اس نے عرب و اسلام کی تاریخی و مذہبی روشنی مین اس پر غور کیا ہے، اس لئے ہم یہان اسکا ملخص درج کرتے ہین۔

فاضل مضمون نگار نے پہلے مصریون کے فن رقص سے بحث کی ہے کہ اُن کے ہان یہ کسقدر رائج تھا اور انھون نے اس مین کسقدر ترقی کی، اس کے بعد اسنے عربون کے رقص کو لیا ہے اور پھر عہد اسلام مین اسکی کسقدر ترقی ہوئی اسکا ذکر کر کے مضمون کو نہایت خوبی کے ساتھ ختم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

رقص عرب جاہلیت مین | دوسری قدیم قومون کی طرح عرب جاہلیت مین بھی رقص کا رواج پایا جاتا تھا، یہانتک کہ بعض علمار نے

اس قول کو ترجیح دی ہے کہ کعبہ کا طواف جو زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا وہ بھی ایک قسم کا رقص تھا،

آیت ۔ "وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً" کی تفسیر میں زمخشری اور بیضاوی لکھتے ہیں کہ "عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالکر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے برہنہ طواف کرتے تھے[۱]، ان کے علاوہ اور مفسرین نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے، جو آپ کو مختلف تفاسیر میں ملیگا[۲]، اور یہ عربوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ تمام قدیم قومیں اپنے معابد و ہیاکل میں رقص کیا کرتی تھیں، ہیاکل منف، طیبہ، ہلیوپولیس، ہیاکل اورشلیم، نینوا، بابل، اور معابد بعل، عشتاروت، زردشت، جوپیٹر، زہرہ (Venus) وغیرہ رقص کا مرکز تھے، توریت میں آیا ہے کہ یہودی رقص کے ذریعہ سے عبادت کیا کرتے تھے، غرض اس میں شک نہیں کہ "مذہبی رقص" قدیم قوموں کا نہایت ترقی یافتہ اور مقدس رقص تھا۔

تمام قوموں میں رقص کا وجود ایک ہی اسلوب پر ہوا ہے یعنی رقص بطور ریاضت جسمانی اور مرد و عورت اس میں برابر حصہ لیتے تھے، بدوی اقوام جو اپنی فطرتِ اولی پر باقی تھیں وہ سب رقاص تھیں مثلاً عرب ایام جاہلیت اور بدویت میں، رقص کرتے تھے، مرد حلقۂ رقص میں کھڑا ہو کر، اُچھلتا تھا، کودتا تھا، تلوار سے کھیلتا تھا، اور ایسی حرکات کرتا تھا، جو اُسکی شجاعت، اور شدتِ قوت پر دلالت کرتی تھیں، اسی طرح عورت اسی حلقہ میں کھڑی ہو کر اپنی حرکات رقص سے اپنے اعضاء کی رعنائی جسم کی شادابی قامت کا اعتدال، التفات و توجہ جسمانی لوچ کا حسن مردوں پر ظاہر کرتی تھی،

عرب ایام جاہلیت میں اپنے تہواروں، اور بت پرستی کے مراسم میں، دوسری قوموں کی طرح رقص کیا کرتے تھے، اور شاید جاہلیت کا طواف کعبہ اُن مذہبی مراسم میں سب سے مقدم تھا جن میں رقص کیا جاتا تھا، تاریخ سے ثابت ہے کہ رقص ان قوموں کے نزدیک دینی مراسم کے ساتھ شریک تھا بلکہ بعض کے مذہبی فرائض اور عبادت میں داخل تھا[۳]، ان اقوام کے نظام زندگی پر غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رقص ان کے ہاں حربی مظاہر میں داخل تھا، اور حالت جنگ میں جذبات حماست کو برانگیختہ کرنے کے لئے اسی طرح کیا جاتا تھا جس طرح معابد و ہیاکل میں جذبات عبودیت کے اظہار کیلئے مستعمل تھا۔ جاہلیت کے شہسواروں کے جو قصے، منقول ہیں، اور ان کے اشعار جو لڑائیوں کے وقت گائے جاتے تھے، اس حقیقت کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔

عرب ایام جاہلیت اور عہد اسلام میں نغمات اشعار پر رقص کرتے تھے، اور سب سے پہلا لحن جو خاص طور پر اسکے لئے بنایا گیا تھا "لحن خفیف تھا" مرد اور عورت دف اور مزامیر کے ساتھ چلتے تھے، اور نغمات شعری سے پُرنشاط ہو کر ابن خلدون کی رائے کے مطابق رقص کرنے لگتے تھے[۴]، اسکے بعد رقص کی مناسبت سے خاص قسم کے لحن اور بحروں کا اضافہ ہوا جن میں ہزج، رمل، اور خفیف الرمل داخل ہیں، الغرض رقص عربوں کے ہاں ایام جاہلیت اور اسلام دونوں میں پایا جاتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اسلامی دور میں جو رقص ہوتا تھا وہ باقتضائے

---

[۱] کشاف جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ بولاق سنہ ۱۲۸۱ھ، بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۰۵ھ ۔ [۲] تفسیر فخر الدین رازی جلد ۴ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مطبعہ شرفیہ سنہ ۱۳۰۸ھ [۳] دائرۃ المعارف مادہ رقص

ترقی و تمدن زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ تھا۔

رقص اور مذہب

اس سے پہلے کہ ہم عہد اسلام کے رقص پر تاریخی روشنی ڈالیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کیجائے۔ اور دیکھا جائے کہ اسلام کا مذہب اسکے متعلق کیا حکم دیتا ہے،

جب ہم اسلامی احکام پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو کوئی ایسا حکم نہیں ملتا جو رقص کی حرمت پر دلالت کرے، سوائے اُس صورت کے جب کہ رقص معیوب، خلاف ادب اور بہیمی خواہشوں کو برانگیختہ کرنے والا ہو۔ ابن حجر اور ان کے علاوہ دوسرے جلیل القدر مسلمان علما نے تصریح کی ہے، کہ رقص اِس صورت میں حرام ہے جبکہ اِس میں لچک اور ٹھمک پائی جائے۔ اس لئے کہ لچک اور مٹک اس فعل کو خواہش سے ملا دیتی ہیں لیکن مطلق رقص حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث میں وارد ہے کہ حبشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آنحضرت کے سامنے رقص کیا ہے، اور آنحضرت نے بڑی دیر تک کھڑے ہو کر اس رقص کو دیکھا، اور حضرت نے عائشہؓ کو دکھایا۔

علما اور فقہا کے اقوال بالاتفاق اس حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ امام نووی منہاج میں لکھتے ہیں کہ رقص مباح ہے بشرطیکہ اُس میں لچک اور مٹک نہ ہو، امام الحرمین کہتے ہیں کہ رقص حرام نہیں، کیونکہ وہ چند سیدھی اور ٹیڑھی حرکتوں سے عبارت ہے البتہ اس کی کثرت تہذیب کے منافی ہے، اسی طرح صاحب العمدہ نے جو شوافع میں سے ہیں، کہا ہے کہ اصل رقص مباح ہے۔ العماد سہروردی، رافعی اور حلبی نے اپنی کتاب منہاج میں رقص کو مباح لکھا ہے بشرطیکہ اُس میں مٹک نہ ہو لیکن شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام نے تو رقص کو علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، اور وہ خود بھی رقص کرتے تھے۔ اسی طرح امام سیوطی، سراج الدین بلقینی، عبدالوہاب شعرانی وغیرہ علما نے لکھا ہے، اور امام غزالیؒ نے اسکے جواز پر یقین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رقص سرور و نشاط کی تحریک کا سبب ہے اور ہر سرور مباح ہے لہذا اسکی تحریک بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ حرام ہوتا، تو حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشیوں کا رقص نہ دیکھتیں،

صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، کہ جب وہ مسرور ہوئے ہیں تو انھوں نے رقص کیا ہے جسکا سبب انکی مسرت تھی، اور یہ حضرت حمزہ کی بیٹی کے قصہ میں[۱] وارد ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حبش کے رقص کو دیکھنا چاہتی ہو۔ اور بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عید کا دن تھا اور اہل سودان ڈھال اور چھوٹے نیزوں کے ساتھ رقص کرتے تھے تو آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم اسے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ میں نے کہا ہاں چاہتی ہوں۔ آپنے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا میرا رخسار آپکے رخسار پر تھا۔ اور آپنے فرمایا کہ شروع کردو اے بنی ارفدہ" یہانتک کہ جب میں تھک گئی، تو آپنے فرمایا، کیوں بس، میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب جاؤ[۲]۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث صحیحین میں وارد ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ غنا اور رقص حرام نہیں ہیں۔ پہلے لہو کی اباحت میں، دوسرے اس فعل کا مسجد میں کیا جانا، تیسرے آنحضرت کا فرمانا کہ شروع کردے بنی ارفدہ اور یہ کھیل کا حکم دینا، اور اسکی خواہش کرنا ہے، چوتھے

---

[۱] اس قصہ کی تفصیل بخاری اور احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ میں دیکھو۔ [۲] بخاری باب العیدین

دیر تک کھڑے رہکر اسے دیکھنا اور سُننا، پانچوین آنحضرت کا ابتدا مین حضرت عائشہؓ سے یہ فرمانا کہ کیا تم دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو۔ اور یہ کوئی اضطراری فعل نہ تھا، یہ تمام قیاسات اور بخصوص رقص و غنا اور تال وغیرہ کی اباحت اور جواز پر دلالت کرتے ہین۔

لہذا ہر ملک کے مسلمان علما نے باوجود اختلاف مذہب و حالات جملہ اقسام رقص کے متعلق یہی کہا ہے، اور اسی خیال کی اکثر فقہا تائید کرتے ہین جو غنا کے جواز کے قائل ہین۔ اور یہی حضرات صوفیا کا مذہب ہے لیکن فن رقص تشدد پسند، اور دین مین سختی پیدا کرنے والے فقہا کے حملون سے محفوظ نہین رہا، یہ فقہا ہر ایسے شخص کو ساقط العدالت سمجھتے تھے، جو غنا سے اشتغال رکھتا ہو۔ اور جو شخص تصویر بناتا، یا کوئی مجسمہ تیار کرتا وہ ان کی نظر مین مشرک سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اس مخالفت سے اس فن کو بھی وہی نقصان پہونچا جو دوسرے فنونِ جمیلہ کو پہونچا ہے،

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان علمانے رقص کے جواز پر سنت اور قیاس سے دلائل پیش کئے ہین سنت تو وہی حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیحین مین مسجد کے اندر رقص حبش کے متعلق وارد ہے اور قیاس یہ کہ فرع اپنی اصل کے ساتھ علت حکم مین مساوی ہونا چاہئے، لہذا یہان بھی اصل فعل اہل حبش۔ اور حضرت علی اور ان کے شریک صحابہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ اسلام نے رقص کو حرام قرار نہین دیا جب تک کہ اس مین تنک اور لچک کی حرکتین نہ پائی جائین جو شہواتِ بہیمی کو برانگیختہ کرتی ہون۔ اور یہ اس ترقی یافتہ شریعت کا حکم ہے جو اخلاق کی پاکیزگی اور رفعت کی حمایت کرتی ہے، اور یہی حمایت اقوام کے ناموس اور ادب کی حمایت کے لئے مطلوب ہے،

مسئلہ رقص کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ ایک منصف مزاج طالب حق، اور ایک کجرو متعصب دونون کیلئے کافی ہے۔ اور ہم یہی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ آگے یہ ثابت کرینگے کہ مسلمانون نے رقص کے بارہ مین صرف اسی حد تک اظہار خیال نہین کیا ہے بلکہ علمی حیثیت سے اس مین بہت کچھ حصہ لیا ہے۔

رقص کی تاریخ اسلامی تمدن مین

مسلمانون نے رقص کا شمار منجملہ علوم و فنون کیا ہے اور جسکا ہم ایک ذلیل چیز خیال کرتے ہین۔ اُسے ہمارے عرب اسلاف ایک بڑا فن سمجھتے تھے اُنھون نے اسکو اظہار عواطف اور وجدانیات کا ذریعہ، اور شاہی ہوشیاری اور کمال کا سبب قرار دیا تھا۔ انھون نے رقص کو صرف کھیل اور دل بہلانے کی چیز تصور نہین کیا، بلکہ اسکے متعلق لکھا ہے :-

"رقص ایک علم ہے جو حرکاتِ موزون کی کیفیت سے بحث کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ حرکات دیکھنے والے کی طبیعت مین نشاط و سرور پیدا کرین" عربون نے اس فن کے اقسام اور احکام کے متعلق متعدد کتابین لکھی ہین[۱۵]۔

عربون کی اقسام رقص

جو ممالک اسلامی حکومتون کے زیر نگین تھے، اُن کے مختلف حصون مین مختلف قسم کے رقص پائے جاتے تھے، اہل خراسان، فارس، مصر، مغرب، اور اندلس سب کا طرز رقص ایک دوسرے سے مختلف تھا، بلکہ ایک حکومت مین جو رقص تھا وہ دوسری حکومت کے رقص سے اختلاف رکھتا تھا۔ دولت اموی اور عباسی مین جو رقص کی قسمین اور اس کی شکلین تھین وہ حکومتہائے اندلس مغرب، فارس اور ترکون سے علیحدہ تھین، اسی طرح فاطمیین اور ممالیک کے عہد حکومت کے رقصون مین اختلاف تھا۔ اسی طرح عورتون، اور مردون کا رقص ایک دوسرے سے علیحدہ صورت رکھتا تھا۔ ہم ان تمام حکومتون کے اقسام رقص کو چھوڑ کر صرف سلطنت عباسیہ کے رقص کو لیتے ہین جس نے ایک طویل عرصہ تک حکومت کی ہے، اور اسکا تمدن بھی بلحاظ اپنے اثرات اور وسعت کے بہت شاندار تھا

ہم ذیل میں اُن تمام انواع رقص کا ذکر کرتے ہین جو عباسیون کے دور حکومت مین عروج پر پہونچی تھین ۔

اس عہد مین اقسام رقص آٹھ تھے، خفیف، ہزج، رمل، خفیف الرمل، ثقیل الثانی، خفیف الثانی ۔ خفیف الثقیل الاول اور ثقیل الاول، لیکن افسوس ہے کہ اب ان اقسام رقص کا صرف نام باقی رہ گیا ہے، اور ان کی تفصیلات زمانۂ ماضی کی تاریکیون مین پوشیدہ ہوگئین [1]

رقص کے قواعد اور شرائط عربون نے فن رقص مین چند شرطین مقرر کی تھین، جن کی تکمیل ضروری تھی مثلاً خفت روح، حرکات رقص کو بہترین طریقہ پر ادا کرنا، رقص کی مختلف حرکات مین حرکت کی لطافت اور ہنساؤ کو شامل کرنا، گردن کا طول ــــ کمر کی باریکی، جسم کی خوبصورتی ۔ دامن کا گول ہونا ۔ پیرون کی لچک، انگلیون کی نرمی، اور ان کا ہر طریقہ سے مڑنے کے قابل ہونا ۔ جوڑون کی نرمی، حالت رقص مین سرعت انتقال، خوش خرامی، کمر کی لچک، نظام تنفس کی درستی، دیر تک عمل رقص مین مشغول رہنے کی طاقت انواع رقص مین ایک حسین تصرف کرنا، اور ہر ایک جزئی حرکت کے احکام و قواعد کا لحاظ رکھنا، رقص مین گھوم جانے کی لطافت، قدمون کا اپنے مدار پر قائم رہنا، دائین اور بائین پیر کے عمل کا ایک ہی طریقہ پر برابر ہونا، وغیرہ وغیرہ

عربون کے رقص مین قدمون کے اٹھانے اور رکھنے کی دو صورتین ہین ۔ ایک یہ کہ ہر قدم کا اوپر نیچے جانا اور آنا آہنگ موسیقی کے ساتھ ساتھ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تال کے ساتھ قدم زمین پر جائے اور خالی پر اٹھ جائے یا بالکل اس کے برعکس ۔

علامہ ابن خلدون نے اس تناسب کو اس طرح لکھا ہو کہ تناسب رقص کبھی بسیط ہوتا ہے اور اکثر لوگون مین فطری طور پر پایا جاتا ہے، ان کو اس کے حاصل کرنے کی ضرورت نہین ہوتی ۔

رقاص جماعت کے آداب جس طرح ایک رقاص فرد کے لئے خاص قواعد و قوانین ہین اسی طرح ایک رقص کرنے والی جماعت کو بعض اصول کا پابند ہونا پڑتا ہے، اور نہایت سختی سے ان قواعد کا لحاظ کیا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل اہل یورپ کی مجالس رقص مین اس قسم کے آداب کی رعایت ضروری خیال کیجاتی ہے، ان شرائط مین اہم ترین شرط یہ ہے کہ رقاص جماعت مین بدنظمی اور بے ترتیبی پیدا نہ ہو ۔ اور ان کی حرکات مین رقص کی نوعیت تبدیل نہ ہوجائے ۔ اور رقاص جماعت مین وہ شخص داخل نہین ہوسکتا جو بمقابلہ دوسرے رقاصین کے مہارت کم رکھتا ہو یا اس مین سرعت انتقال کا وصف نہ پایا جائے ۔ یا دیکھنے والے اس مین تصنع محسوس کرین ۔ ان قواعد کی رعایت رقص صوفیہ مین بھی پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ غزالی اور نویری لکھتے ہین کہ آداب رقص مین یہ امر قابل لحاظ ہے کہ رقص کرنے والی جماعت کے ساتھ محفل رقص مین ایسا شخص شامل نہ ہو جس کے رقص مین نقل پایا جائے ۔ اور اس کی وجہ سے رقص کے نظام مین بے ترتیبی پیدا ہو اس لئے کہ وہ رقص جس مین تکلف نہ پایا جائے مباح ہے، اور جو شخص سچائی سے رقص کیلئے کھڑا ہو (یعنی اسکا جذبۂ رقص سچا ہو) تو وہ حاضرین پر بھاری نہین ہوتا ۔ بشرطیکہ اُن کے قلوب صداقت اور تکلف کا صحیح معیار ہو [2]

مشہور رقاص تاریخ اسلام مین بہت سے مشہور رقاصون کے نام محفوظ ہین، دولت عباسیہ کے زمانۂ عروج مین کیشش اور عبدالسلام فن رقص مین بڑے کامل اور ماہر گذرے ہین، صاحب آغانی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دونون نہایت باکمال رقاص تھے" لیکن اسحاق موصلی جو عربی موسیقی

---

[1] مسعودی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ [2] احیاء العلوم ج ۲ صفحہ ۲۵۱ ۔ نہایت الارب نویری جلد ۴ صفحہ ۲۰۸

مین زبردست ماہر گزرا ہے رقص مین ان دونون پر سبقت لیگیا ہے" ابو الفرج اصفہانی اسحاق موصلی کے اس رقص کا تذکرہ کرتے ہوئے جو واثق باللہ کے سامنے اُسنے کیا تھا لکھتا ہے، "اسحاق کھڑا ہوا اور اسنے نہایت طرب انگیز رقص کیا" "اسکا رقص کیتش اور عبد السلام سے بھی بہتر تھا حالانکہ وہ دونون نہایت اچھا رقص کرنے والے شمار کئے جاتے ہین" اسپر واثق باللہ نے کہا "اسحاق سے زیادہ کوئی اس فن مین کمال نہین رکھتا" ۵۱

مصر و اندلس مین تمدن اسلامی کے عہد عروج مین فن رقص مین بہت سے لوگون نے کمال پیدا کیا تھا اس دور کے مشہور رقاص جنہون نے تمام اسلامی ممالک مین شہرت حاصل کی تھی وہ بادشاہون کے حضور مین رقص کرتے تھے حیدر بن احدب ابراہیم ابو الحسن اور اسکا بھائی ابراہیم تھا۔ یہ دونون ملک اشرف شاہ مصر کے دربار مین حاضر ہوئے اور رقص اور موسیقی کا کمال دکھایا۔ ابن حجر نے "درر کامنہ" مین اسکا تذکرہ کیا ہے ۵۲ ان کے علاوہ مشہور رقص کرنے والون مین جعفر رقاص بھی تھا جسکا تذکرہ آئندہ ہوگا۔

حالت رقص مین پیرون کی حرکت کو مصعب ہندی نے ایک رقاص کی تعریف مین کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

عجبت من رجلین یتیہانہ یعلوہما طوراً و تعلوانہ کان افعیین یلسعانہ ۵۳ "یعنی مین اسکے دونون پاؤن دیکھکر بہت متعجب ہوا جو اسکے بالکل قابو مین ہین۔ کبھی وہ ان دونون کو اٹھاتا ہے اور کبھی وہ دونون اسے اٹھاتے ہین۔ گویا کہ دو سانپ (پے در پے) اسکو کاٹ رہے ہین"

ایک خوبصورت رقاص کے وصف مین ابن خروف اندلسی کا قول بھی خوب ہے جس سے رقص کے متعلق اندلسی ذوق کا پتہ چلتا ہے

ملاحظہ ہو:

ومنوع الحرکات یلعب بالنہی	اپنے حرکات رقص مین تنوع پیدا کرکے دلون کے ساتھ کھیلتا ہے
لبس المحاسن عند خلع لباسہ	جو لباس سے عریان ہوکر سراپا حسن نظر آتا ہے
متأوداً کالغصن وسط ریاضہ	وہ لچکتا ہے مثل اس شاخ کے جو باغ کے درمیان ہو،
متلاعباً کالظبی عند کناسہ	اور اس طرح کھیلتا ہے جسطرح ہرن اپنے مستقر کے پاس کھیلتا ہو،
بالعقل یلعب مقبلاً او مدبراً	وہ پیٹھ پھیر کر اور مقابل ہوکر لوگون کی عقلون سے اسطرح کھیلتا ہے
کالدہر یلعب کیف شاء بناسہ	جسطرح کہ زمانہ لوگون سے جیسا وہ چاہے کھیلتا ہے، وہ
ویضم للقدمین منہ راسہ	اپنے دونون پاؤن سے اپنے سر کو ملا دیتا ہے،
کالسیف ضم ذبابہ لرباسہ ۵۴	جسطرح تلوار دستے اور نوک سے دہری ہوکر ملجاتی ہے

اور دوسری رنگا ایک رقاص کے متعلق کہتا ہے

اذا اختلجت انا ملہ لرقص	جب اُسکی انگلیان رقص کیلئے حرکت کرتی ہین،
تری حب القلوب الیہ تنزی	تو قلوب کی محبت اُسکی طرف کھنچی چلی جاتی ہے،
حبیبی انت احسن من تثنی	ای میرے دوست تو اُن سب مین زیادہ حسین ہے جو لچک کے ساتھ

۵۱ اغانی جلد ۵ صفحہ ۹۲ ۵۲ درر کامنہ ابن حجر قلمی جلد ۲ حرف ح ۵۳ محاضرات الراغب اصفہانی جلد ۱ صفحہ ۴۴۳ ۵۴ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸

علی وتر و احسن ... تلوی لی ——　　نغمہ ساز پر متحرک ہوتے ہیں، اور ان سب سے خوبصورت جو رقص کیلئے حرکت کرتی ہیں،

رقص کرنے والی عورتوں کا شمار مردوں سے بہت زیادہ ہے اور عربوں کے زمانہ تمدن میں جو رقص کرنے والی کمال پیدا کرتی تھی اُسکی شہرت تمام ملک میں ہوجایا کرتی تھی زمانہ میں خوبصورت عورتیں جو بہ لحاظ رعنائی کے رقص کیلئے موزوں ہوتی تھیں اور ان میں وہ تمام شرطیں پائی جاتی تھیں جو رقص میں کمال حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں، انہیں یہ فن خاص طریقہ سے سکھایا جاتا تھا۔ ایسی لونڈیاں خاص طور پر تلاش کیجاتی تھیں جن کی کمر باریک، اعضاء سڈول، پیر نازک، انگلیاں اور جوڑ نرم ہوں اور یہی وہ شرطیں تھیں جو عربوں کے نزدیک رقاص میں ضروری خیال کیجاتی تھیں۔ ایسی جامع الشرائط لڑکیوں کو فن رقص کے ساتھ موسیقی کی بھی تعلیم دیجاتی تھی تاکہ اُن کے حسن و جمال اور محاسن رقص اور نغمات موسیقی سے ذوق سماعت و بصارت دونوں لطف اندوز ہوں اور حیات کی مسرت تکمیل کو پہونچے۔ خلفاء، شاہان اسلام اور امراء نے مجالس رقص میں شرکت کی ہے اور مشہور صاحب فن لوگوں کا رقص دیکھا ہے۔

بغداد کے آلات رقص

دولت عباسیہ کے زمانہ ترقی میں اس فن سے اسقدر دلچسپی لیجاتی تھی کہ بغداد و عراق کے دوسرے شہروں میں رقص کیلئے خاص قسم کے آلات ایجاد کئے گئے تھے۔ ابن خلدون ابن مہدی اور دوسرے اہل بغداد و عراق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رقص کیلئے خاص قسم کا لباس اور آلات بنائے گئے تھے اور وہ اشعار بھی خاص اوزان کے ہوتے تھے جن کے ترنم پر رقص کیا جاتا تھا۔ لوازم رقص میں سے لکڑی کے بنے ہوئے گھوڑے ہوتے تھے جن پر زین کسا ہوا ہوتا تھا اور چھت سے معلق کر دئے جاتے تھے۔ عورتیں اثنائے رقص میں مختلف حرکات کرتی ہوئی ایک دوسرے کی طرف دوڑتی پیچھے ہٹتی اور گھوڑوں پر کود کر سوار ہو جاتی تھیں۔ اسکا بغداد اور عراق کے تمام شہروں میں رواج تھا اور وہاں سے اور ممالک میں بھی پھیل گیا تھا[1]

اندلس کے آلات رقص اور ناچنے والیاں

ابن خلدون کی تاریخ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ عربی شاعری میں رقص کیلئے مخصوص اوزان تھے جو رقص کے وقت گائے جاتے تھے اور عباسیوں کے زمانہ میں جبکہ رقص کو بڑی ترقی ہوئی تھی اشعار رقص ایک مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ اسیطرح لباس اور بعض آلات بھی ناچنے کیلئے مخصوص تھے۔ آلات رقص جن کو کرج کہتے ہیں اور فرانسیسی میں (Carrousal chevaux de bois) کہلاتے ہیں۔ بغداد کی عورتوں کی ایجاد تھے۔ یہ چیزیں عراق سے براہ مصر اندلس تک پہونچیں۔ شقندی اپنے رسالہ تفضیل الاندلس علے بر العدوہ میں لکھتا ہے اہل اندلس کو رقص سے خاص دلچسپی تھی منجملہ لوازم رقص کرج کا شمار کیا گیا ہے اُس نے اشبیلیہ میں آلات رقص و سرود میں خیال، کرج، ورطہ، مونس، کثیرہ، زلامی، شقرہ، نفار، عود، قانون، رباب وغیرہ کو دیکھا ہے[2]

اگرچہ یہ آلات اندلس کے دوسرے شہروں میں بھی پائے جاتے تھے مگر اشبیلیہ میں انکی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ابن رشد کہتا ہے کہ جب کسی عالم کی وفات ہوتی تھی اور اُسکی کتابیں بیچی جاتی تھیں تو انہیں قرطبہ بھیجا جاتا تھا اور اگر کوئی مطرب مرتا تھا تو اُس کے آلات طرب اشبیلیہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مصر [2] مقتبس جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۸ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۸ء

مین فروخت ہوتے تھے۔ ابن رشد کے اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بمقابلہ دوسرے شہرون کے اشبیلیہ مین فنون جمیلہ کا زیادہ رواج تھا۔

اسکے بعد شقندی نے اندلس کے دوسرے شہرون کا حال لکھتے ہوئے شہر عابدہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہان کی رقاصہ عورتین اپنے فن کے لحاظ سے مشہور تھین اور تلوار سے کھیلنے مین بھی خاص مہارت رکھتی تھین۔

خیال، رقص وطرب کا ایک مشہور آلہ ہے۔ اسکا تذکرہ شقندی نے کیا ہے۔ اسکو خیال الظل، خیال رقص اور خیال جعفر راقص بھی کہتے ہین۔ جعفر اس کے موجد کا نام تھا۔ خفاجی نے شفاء العلیل مین لکھا ہے کہ اور جعفر خیال کے موجد کا نام ہے جیسا کہ ابن عبد الزاہد کہتا ہے

ایا کم ان تنکروا جعفراً	خبردار جعفر اور اسکے ساتھیون کے کمال کا ہرگز انکار نکرو
ذالک الخیالی واصحابہ	وہ جعفر جو خیالی یعنی موجد "خیال" ہو
فنیل مصر کم لہ جعفر اً	مصر کا دریائے نیل بھی کئی جعفرون کا مالک ہے۔
مختلف یخرج فی بابہ ۵۱	جو مختلف ہین اور اپنے آلہ "بابہ" کو لیکر نکلتے ہین۔

صرف اندلس کی رقاصہ عورتین خیال رقص کو استعمال نہین کرتی تھین جیسا کہ شقندی نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ کھیل مصر و عراق وغیرہ کی مشرقی عورتون مین پایا جاتا تھا۔ چنانچہ وجیہہ سنانی کے اشعار جو اُس نے خیال سے کھیلنے والی ایک لڑکی کے متعلق لکھے ہین اس بات پر دلالت کرتے ہین اشعار یہ ہین۔

وجاریۃ معشوقۃ اللھو اقبلت	اور بہت سی لڑکیان جنکا کھیل دلنشین ہو، طرح سامنے آتی ہین۔
بحسن کزھر الروض تحت کمام	حسن کے ساتھ، جس طرح پھول شگوفون کے نیچے،
اذا ما تغنت قلت شکوی صبابۃ	اگر وہ نغمہ ریز ہو تو مین کہونگا اس کا نغمہ شکوۂ محبت ہے
وان رقصت قلنا حباب مدام	اور اگر رقص کرے تو ہم کہینگے کہ وہ (اپنی لطافت تحرکین) شراب کا حباب ہے
ارتنا خیال الظل والستر دونھا	اسنے خیال الظل ہم کو دکھایا اور وہ پردہ کے پیچھے تھی،
فابدت خیال الشمس خلف غمام	تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا ہم آفتاب کو ابر کے پیچھے دیکھ رہے ہین۔
تلعب اشخاصاً لھا خلف سترھا	وہ اپنے خاص لوگون سے پس پردہ کھیل رہی ہے۔
کما لعبت افعالھا بانام ۵۲	جس طرح اپنے افعال سے ایک مخلوق کے ساتھ کھیلتی ہے۔

"دکر" ایک خاص قسم کا رقص تھا جس مین شہر عابدہ کی عورتون نے مہارت حاصل کی تھی اور سوقنتہ کا بصرہ مین زنگی یہ کھیل کھیلتے ہین۔ اسی طرح "اخراج القری" "مرابط" "قنوخہ" بھی خاص کھیل تھے جن مین جسم کی سبکی اور مشق اور مہارت کی ضرورت تھی۔ شقندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس کی عورتین مردون کی طرح تلوارون کے ساتھ رقص کرتی تھین، کاٹھ کے گھوڑے پر سواری کرنا ایک دوسرے پر حملہ کرنا بھگانا

۵۱ شفاء العلیل صفحہ ۴۴ مطبوعہ مصر ۵۲ مطالع البدور فی منازل السرور جلد ۱ صفحہ ۲۶۱

کو زنانہ سب مردانہ کھیل کھیلا کرتی تھین ۔

عورتون کے رقص مین اہل اندلس کا خیال

فن رقص کو اہل اندلس نے نہایت مکمل اور باقاعدہ کرلیا تھا جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ اندلس کی رقاصہ عورتون کے متعلق ابن حمدیس شاعر سے اندلس کے ایک ادیب نے استدعا کی کہ وہ اندلس کی کسی رقاصہ کا وصف اپنے کلام مین اسطرح بیان کرے کہ اہل اندلس کے ذوق رقاصی اور رعنائی کی پوری تشریح ہو۔ اندلس کی رقاصہ اپنی انگلیوں سے ہر عضو کی طرف اشارہ کرتی ہے جس پر محبت نے اپنا اثر ڈالا ہو۔ اگر آنسو کا ذکر آتا ہے تو اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر وجد محبت کی تکلیف بیان کیجاتی ہے تو دل پر ہاتھ رکھتی ہے اسی طرح محبوب کے ناز و ادا عاشق کے تذلل و پرستاری کو اپنے اشارات و حرکات سے اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ اصل واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے آجاتی ہے اس پر ابن حمدیس نے یہ شعر کہے ۔

وراقصة بالسحر فی حرکاتها	اور بہت سی رقص کرنے والیان ایسی ہین کہ اپنی ساحرانہ حرکات سے
تقیم بہ وزن الغناء علے حدّ	غنا کے اوزان کو اپنی حد پر قائم رکھتی ہین ۔
منغمة الفاظها بترنم	اپنے الفاظ کے نغمون سے ایسا ترنم پیدا کرتی ہین کہ
کسا معبدًا من عزه ذلتة العبد	غلامون کے مالک باعزت شخص ان کی محبت مین ذلیل ہین
تدوس قلوب السامعین برحمته	سامعین کے دلون کو اپنی سیریلی آواز سے پامال کرتی ہین
بها لقطت ما للحون من العد	اور کوئی لحن ایسا نہین ہے جو اس آواز مین نہ پایا جائے
یقد یموت الغصن من حرکات	انکا قد ایسا کہ انکے مقابلہ مین لچکنے والی شاخ نرم سی ساکن اور پژمردہ ہے،
سکونًا واین الغصن من نزهة القد	اور واقعہ مین یہ ہے کہ شاخ مین وہ لطافت کہان جو قد مین پائی جاتی ہے
وتحسبها عما تشیر بانمل	تم انھین دیکھکر یہ خیال کروگے کہ وہ اپنی انگلیون سے
الی ما یلاقی کل عضو من الوجد	اپنے ہر اُس عضو کی طرف اشارہ کرتی ہین جو محبت کی مصیبتین جھیل رہا ہے،
بنالابها ما تشتکی من جوی الهوی	اور سوزش قلب اور آلام محبت کی جو شکایت وہ کرتی ہین، وہ حقیقت مین انکی ذات مین نہین بلکہ ہماری ذات مین پائی جاتی ہے ۔
وادمع اشواق مخددة الخد[1]	اور شوق کے ایسے آنسو پائے جاتے ہین جنھون نے رخسارون مین گڑھے ڈالدئے ہین

ابن حمدیس ایک طویل قصیدہ مین موسیقی پر رقص کرنے والی عورتون کے متعلق کہتا ہے ۔

وسود الذوائب یسجنها	اور ایک سیاہ گیسون والی اپنی گیسوون سے اس طرح کھیلتی ہے
کسعی الاساود فوق الکثب	جس طرح کالے ناگ کسی پر دوڑ رہے ہون

[1] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء

توافق بالرقص اقدامھن —	حالت رقص مین ان کے قدم اسقدر ہم آہنگ ہوتے ہین
یطان بھن نغمات الذنوب	کہ ان سے نغمہ کا غیر معصوم پہلو ظاہر ہوجاتا ہے
یشرن الی کل عضو بما	وہ اپنے ہر عضو کی طرف اشارہ کرتی ہے،
یحل بہ فی الھوی من کروب	اور بتاتی ہے کہ اس مین آلام محبت جاگزین ہین -
بسطنا لھا وھی مثل الغصون	ہم اُسکے لئے فرش ہوگئے - اور وہ تر و تازہ شاخ کی مانند ہے
تمیس بھن الصبا والجنوب	جس کیساتھ بادصبا اور جنوبی ہوا اٹکھیلیان کرتی ہو -
علی الارض منا خدود الوجوہ	زمین پر اسکے لئے ہمارے رخسار فرش ہین -
وبین الضلوع خدود القلوب[۱]	اور پہلو مین دل کے رخسار فرش ہوچکے ہین -

اور رقاص عورتون کی درازدامنی کا وصف اسطرح کرتا ہے -

ومن راقصات ساحبات ذیولھا	اور بعض رقص کرنے والیان
شواذ مسک فی العبیر تضمخ —	اپنے مشک اور عنبر سے رنگین دامنون کو لٹکائے ہوئے ہین -
کما جررت اذیالھا فی ھدیلھا —	جب وہ رقص مین دامن کشان ہوتی ہین تو ایسا معلوم ہوتی ہین
حمائم ایک او طواویس تبذخ[۲]	جیسے جنگل کی مست کبوتریان یا اترانے والے طاؤس

اقسام مذکورہ کے علاوہ اہل اندلس مین اور مختلف انواع رقص کا رواج تھا چنانچہ جماعت شفالیہ (chevalier) کا خاص رقص مشہور تھا اور ان سے اس رقص کو اہل یورپ نے سیکھا چنانچہ وہ خود اسکا اعتراف کرتے ہین اُنھون نے متعدد اقسام کے رقص سیکھے ہین - اور اب بھی اسپین والون کے رقص مین عربی آثار پائے جاتے ہین - (باقی)

---

[۱] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء [۲] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء

غزل

زندگی صورت خوابیست کہ خوابیست عجیب
درمیانِ من و اوشکل حجابیست عجیب

اوکہ غافل زمن ومنکہ پریشان دراو
دفترِ ناز و وفا را چہ حسابیست عجیب

دل بر صدمہ جانکاہ بجا می باشد
بین کہ وین موجِ ہوا را چہ حبابیست عجیب

دیدہ جز عارضِ تابندہ قرارے نہ کند
حسن شرمندہ کہ این رنگ نقابیست عجیب

ہوشش رفتہ کزنا یود بجا می آریم
زاہدا آنچہ کہ خوردیم شرابیست عجیب

ایکہ دلتنگ نشینی بہ درِ صومعہ کارے
جانب میکدہ برخیز کہ بابیست عجیب

ہوس یک سخنے بودنگہ جنبیدی
آن سوالِ عجب و این چہ جوابیست عجیب

تابِ مردن کہ بغم دارد و مردن نتوان
دل کہ در سینۂ ماہست عذابیست عجیب

کیفیا جان بہ لبی آخر کارش دانی
در رہِ عشق فنا شو کہ ثوابیست عجیب

(کیفی چریاکوٹی)

زندگی صرف اگر در پۓ ہر سود نہو
وسعتین اتنی ہون پیدا کہ تو محدود نہو

پہونکدے نقش و نگار ہوس عیش و نشاط
یعنی عبرت کدۂ دہر مین محصود نہو

ذرہ ذرہ بنے آئینۂ نیرنگ جمال
شورش حسن باندازۂ محدود نہو

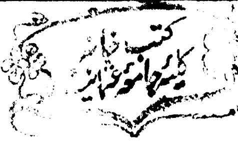
توڑ دے توڑ دے سر رشتۂ امید و امل
اس خرابات مین آوارہ پۓ سود نہو

بے حقیقت ہے ضیا گستری حسن ایاز
آئینہ دار اگر حیرت محمود نہو

زندگی نام ہے اک جذبۂ پرستاری کا
وائے وہ بندہ کہ جس کا کوئی معبود نہو

بے نیازانہ گذر عرصۂ ہستی سے سعید
ہمت پاۓ جنون خستۂ مقصود نہو

(سعید زرمی)



عالم کا مذہب

گو اہل نظر اور ارباب ہوش کو اس بات کی ضرورت نہین ہے، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مین شروع ہی مین اس امر کی تصریح کر دون کہ لفظ مذہب سے میری مراد " دین " نہین بلکہ " مذہب و مسلک " ہو ذیل کی سطور مین مجھے صرف اسی سے بحث کرنا مقصود ہے کہ طالب علم یا اور وسیع الفاظ مین، ایک عالم شخص کا مذہب و مسلک کیا ہوتا ہے اور وہ کیونکر بنتا ہے لیکن قبل اسکے کہ مین آگے بڑہون اس کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہون کہ لفظ " عالم " سے میرا مقصود محض ان حضرات سے نہین ہے جن کو اس عمومی اور متداول لفظ عالم سے یاد کیا جاتا ہے، اور جن کو جمع کے صیغہ سے " علماء " یا اور زیادہ تفصیل کے ساتھ " علماء دین " یا اور بہترین صفت کے ساتھ " علماء دین متین " کہا جاتا ہے: بلکہ اس سے ہر وہ شخص مقصود ہے جو کسی خاص شعبۂ علوم کا ماہر ہو اور افسوس پھر وہی لفظ آتا ہے) عالم ہو ــــ عام اس سے کہ وہ علم دینی ہو یا دنیوی۔ علیٰ ہذالقیاس اس لفظ کے مفہوم مین ہر مضمون اور علم کے مصنف اور مؤلف بھی شامل ہین۔

یہ امر بیان کا محتاج نہین ہے کہ خدائے خالق نے ہر انسان کو دل و دماغ دیا ہے، جن کو ہر شخص اپنی اپنی عقل و بصیرت اور حواس ظاہری و باطنی کی استعداد کے مطابق استعمال کرتا ہے، اور اپنی موروثی اور کسبی علم اور تجربہ اور اپنے ماحول کے کوائف اور حالات و واقعات سے دن رات مستفید ہوتا رہتا ہے اور اس گوناگون تجربہ سے اپنے نفس اور پھر دنیا و مافیہا کے متعلق رائین قائم کرتا رہتا ہے: اور یہی وہ رائین اور خیالات ہین جن پر وہ اپنی زندگی کے لئے ایک عمومی طرز عمل کی بنیاد قائم کرتا ہے، اور اپنے خیال کے مطابق وہ ایسی روش پر چل کر اپنی ماحول سے مطمئن رہتا اور اپنے خیالات مین کامیاب ہوتا ہے۔ ان تجربون اور تمام واقفیت ماحول وغیرہ کا خلاصہ ایک لفظ " علم " مین آجاتا ہے اور علم، جیسا کہ مین نے اوپر کہا ہے، ایک موروثی اور ذاتی ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جو استاد کی مدد سے حاصل ہو پھر اساتذہ کی ذات دو صورتون مین جلوہ گر ہوتی ہے، شخصی اور کتابی پہلی صورت مین استاد کا فیض براہ راست پہنچتا ہے اور دوسری صورت مین اس کے خیال اور رائے کا اظہار تحریر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تاہم دونون صورتون استاد کا فیض براہ راست پہنچتا ہے اور دوسری مین اس کے خیال اور رائے کا اظہار تحریر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تاہم دونون صورتون مین استاد استاد ہی رہتا ہے اور اس کی تعلیم اور تلقین کے فیض سے سننے یا پڑھنے والا بہرہ یاب ہوتا ہے۔

ایک عام نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر شخص کا مذہب و مسلک اس کے پیشہ سے بنتا ہے، خواہ وہ پیشہ کسی نوع اور قسم کا ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے، کیونکہ ہر شخص اپنے تمام علم اور تجربے سے اپنے پیشہ مین کام لیتا ہے، ــــ

اور اُس کی ہی کاربراری اُس کے خیالات اور اُس کی رائے کے قائم کرنے مین کام آتی ہی یہی وجہ ہے کہ ہر فرد لشبر دنیا و مانیہا کی تمام اشیا کی ماہیت و اصلیت اور ہر نوع کے مسئلہ کا جواب حل کرنے اور پیش کرنے کے لئے اپنے پیشہ کے متعلقہ امور سے دلائل لاتا ہے۔ دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کائنات کے تمام قوانین کا (جس حد تک بھی وہ ان کو سمجھ سکتا ہے) خلاصہ کر کے اپنے پیشہ کے لئے ایک راہ پیدا کر لیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ راہبر اُسے کبھی صحیح راستے سے بھٹکنے نہ دیگا۔ فی الحال ہم صرف علما اور مصنفین کی حالت پر غور کرنا چاہتے ہین۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مین ان ہر دو شخصیتون کو صرف ایک لفظ "عالم" سے تعبیر کرونگا۔ یہہ تو ظاہر ہے کہ عالم اور ادبیات ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہین: اور حقیقی عالم وہی ہے جو ادبیات کو ادبیات سمجھے، نہ وہ کہ جو محض الفاظ کے پھیر مین رہے اور واقعات اور امور کے ہجوم مین اپنے آپ کو گم کر دے۔

پروفیسر موّے نے خوب لکھا ہے کہ "انسان اس خارجی ہستی مین بمنزلہ ایک قیدی کے ہے، اور ہر انسان کا مذہب فی الحقیقت وہ راز سربستہ یا وہ مستقل ذریعہ ہے جو اُسے اس قید خانہ سے نجات دلوا دے۔ وہ یہہ چاہتا ہے کہ اُسے کوئی ایسی سبیل ہاتھ آجائے جس سے وہ اس قید خانہ کی دیوارون کو توڑ کر باہر نکل جائے: اور گو وہ باہر نکل آنے پر بھی اپنے آپ کو دنیا مین پاتا ہے، مگر اب یہہ نئی دنیا اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس مین بہت سے حقوق ملجاتے ہین اور وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ مین قید خانہ سے نکل کر اب آزاد ہون"! بعینہ یہی کیفیت اُس عالم کی ہے جو ایک عالم کا صحیح اور مستقل مذہب نہین رکھتا۔ وہ ایسا ہے کہ گویا خاص اور خود ساختہ "حال" مین مبتلا ہے، مگر وہ "حال" دوسرون کے لئے کافی ہے اُسے کائنات اور اُس کے امور تک دسترس حاصل نہین ہے، بلکہ وہ جس چیز سے وہ اپنے خیال مین "دنیا" اور "حال" سمجھے ہوئے ہے حقیقت مین اِس سے زیادہ نہین ہے کہ وہ الفاظ مین ادنفر دن کی شناخت اور نشست کے ایک جال مین محبوس ہے، ایک گورکھ دھندے مین پھنسا ہوا ہے۔ اسے عالم نہین بلکہ دوکاندار کہنا چاہیئے اور دوکانداری بھی ایسا جسکا متاع صرف اُنہین چیزون مین محدود ہے اور ان کے علاوہ اُس سے اور کسی چیز کی توقع رکھنا بیکار ہے۔ لیکن اُس مین یہ دوکانداری کی شان کیون ہے؟ محض اس لئے کہ اُسکا کوئی خاص مذہب نہین ہے جو اُسے بیک وقت آزاد مگر اپنے خاص رنگ اور طرز کا مقیّد کر دے! اُس کی یہ گرفتاری ہزار آزادیون سے بڑھکر ہے اور یہی آزادی اور یہی ہمہ گیری وہ چیز ہے، جو اُسے ہر صحیح ذوق رکھنے والے کی نگاہ مین عزیز بنا دیتی ہے۔

پروفیسر آزاد مرحوم نے "سپاک دنماک" مین ایک مقام پر "حال" اور "ماضی" اور "مستقبل" کی ماہیت کو خوب واضح کیا ہے۔ وہ اردو کے لفظ "ہے" کو پیش کر کے کہتے ہین کہ اس لفظ کے ادا کرنے کے وقت جب ہم ہ کی آواز پیدا کر چکتے ہین اور ے ابھی پیدا نہین ہوتی تو ہ ماضی مین اور ے مستقبل مین ہوتی ہے ان دونون حروف کے ادا کرنے کے وقفہ کے درمیان مین جو کچھ وقت ہے وہ حقیقی "حال" ہے۔ اب "حال" ——

کی اس بے مائیگی کو سامنے لکھ کر غور کیجیگا تو معلوم ہوگا کہ ہر عالم کو اپنی تقریر اور تحریر مین صرف زمانۂ ماضی سے تعلق ہوتا ہے: کیونکہ اس کی تقریر اور تحریر اُس کے علم اور تجربہ کا خلاصہ ہوتی ہے جو اُسے کائنات کے غائر مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ امر قطعی اور یقینی ہے کہ تقریر یا تحریر کے وقت اس کا وہ تمام علم اور تجربہ ماضی کی چیز ہوجاتی ہے۔

یہی سبب ہے اس امر کا کہ ایک (صحیح معنی مین) عالم کے علم سے (تقریری ہو یا تحریری) فیض یابی کا ذوق رکھنے والے شاذ و نادر ہی ملتے ہین۔ ان شاذ ہستیون سے قطع نظر کر کے دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ عموماً عالم ایک کس مپرسن ہستی رکھتا ہے" کیونکہ ہر وہ شخص، (اور تقریباً کوئی شخص اس حال سے خالی نہین) جو اپنے خیال مین ایک خاص اور معین خارجی "حال" مین زندگی بسر کرتا ہے، عالم کو، ماضی سے متعلق دیکھ کر، اسے بالکل ایک غیر ضروری چیز اور ذہن کے لئے محض ایک سامان عیش سمجھتا ہے — بعینہ جیسے کہ ایک غریب آدمی قورمہ پلاؤ کو صرف عید الضحیٰ کے لئے وقف سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس پر اسکی زندگی کا دار و مدار نہین ہے۔ اور اس خیال کی بنا یہ ہے کہ عالم کی ہستی کو ماضی سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔

لیکن مقام حسرت یہ ہے کہ ایسا سمجھنے والون کو یہ معلوم نہین ہوتا کہ ایک عالم ماضی کو ماضی صرف اس حیثیت سے سمجھتا ہے کہ اس کی نگاہ مین یہ بھی "وقت" یا "زمانہ" کی ایک شان ہے، اور یہ کہ اس کا مذہب اس ماضی کو بھی اس کے لئے حال (اور وہ بھی پست نظر لوگون کے حال سے بہتر حال) بنا دیتا ہے، کیونکہ وہ چیز جسے وہ عالم ماضی مین تلاش کرتا ہے، اور اپنی محنت شاقہ اور فضیلت سے پا بھی لیتا ہے، وہ اُسے ماضی یا حال کی صورت مین نہین بلکہ **دوام** کی شکل مین پا لیتا ہے۔ وہ دوام پر قابض ہو جاتا ہے، اس پر کامل یقین رکھتا ہے — اور اس حسّ دوام کو ان لوگون تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے فیضیاب ہون۔ وہ **زمان و مکان** کے اس ہر وقت کے بدلتے اور گزرنے والے اختلافات اور تضادات مین دوام کو ڈھونڈھ نکالتا ہے، اور اس دوام سے دوسرون کو بھی دو چار کر دیتا ہے۔ اس صورت مین ظاہر ہے کہ اگر ہم علوم و فنون کی ان تحریرون کو اپنی نگاہ اور یاد داشت مین محفوظ کر لینے کے عادی نہ ہوتے تو لامحالہ ہم یہ سمجھتے کہ دوام کی یہ حسّ اور تخیل **عالِم** کی خود ساختہ چیز ہے، یا بہت سے بہت یہ کہ اُسے دوام کا احساس محض اتفاقیہ ہوتا ہے اور وہ نتیجہ ہے اُسکی اُس کشمکش حیات کا جس مین وہ مبتلا ہے۔ مگر ہماری نگاہ اور یاد داشت مین ان امور کا محفوظ اور جمع کر دینا صرف عالِم کا کام ہے: اُسی کا کام ہے کہ ہمکو بھی دوام سے آشنا کر دے اور ہمارے اعتقاد کو اس مین راسخ اور مضبوط کر دے۔ مگر ایسا کرنے کے لئے اُسے اپنے پیشہ سے مدد لئے بغیر چارہ نہین ہوتا۔

مثال کے طور پر عربی یا سنسکرت کے کسی عالِم کو لیجئے۔ یہ صرف عربی کے "عالِم" کا کام ہے کہ وہ اس زبان کا مطالعہ کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے عربی زبان کے پیش کردہ خیالات مین اُن تمام تفصیلی خیالات مین ایک تفریق اور تقسیم قائم کر دے جو آج کار آمد ہین اور وہ جو آج محض بے کار ہین — بہ الفاظ دیگر یہ اُسی کا منصب ہے کہ اس زبان کے

مردہ اور زندہ خیالات میں تمیز اور تفریق کرے — کیونکہ خود زبان ہی سے نہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس کے خیالات زندہ ہیں یا مردہ، وہ صرف ایک خاص زمانہ کے لئے تھے یا دوام کے لئے. یہی وجہ ہے کہ مردہ سنسکرت کا عالم اُسے زندہ سمجھکر مطالعہ کرتا ہے اور مطالعہ کے دوران میں اُس پر اس طرح رائے زنی کرتا ہے جس طرح کوئی اور شخص کسی موجودہ اور زندہ زبان کے مطالعہ میں کرتا ہے۔ سنسکرت اُسے ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ گویا وہ زندہ ہے اور لوگ اُسے بے تکلف استعمال کر رہے ہیں. اور چونکہ وہ اپنی تمام کوشش اور جانفشانی صرف اس امر میں صرف کر دیتا ہے کہ اس مردہ زبان کا مطالعہ کر کے اس کارگاہ حیات میں **زمان** کے اس زبردست انبار میں سے **دوام** کو کھود نکالے، اس لئے اُسکی یہ تمام محنت اور عرق ریزی بالکل بجا معلوم ہوتی ہے اور کوئی شخص اس پر حرف گیری نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے، برعکس اس کے اگر ”پنڈت“ یا ”مولوی“ سنسکرت یا عربی کے مطالعہ کرنے کے بعد بدستور **ماضی** کے بھنور میں پھنسے رہیں اور ان کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ انہیں (**دوام** تو ایک طرف) **حال** سے بھی کوئی علاقہ ہے، تو واللہ کہ ان کی یہ تمام دردسری محض بیکار ہے: اُنہوں نے اپنی عزیز عمر کو تلف کر دیا، اور کبھی اُن عوام سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے جن کے لئے حال بھی کبھی حقیقی حال کے معنی نہیں رکھتا!

اب اس مختصر بحث ہی کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جب تک ایک عالم کا کوئی خاص **مذہب** نہ ہو اُسکے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں **تمیز** اور **تفریق** کا مادہ موجود ہے: کیونکہ ایسی صورت میں **ماضی** اُسکے لئے محض **ماضی** (بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ ایک تاریک **ماضی**) ہوتا ہے، اور چونکہ وہ ہر چیز کو **ماضی** کے لباس میں ملبوس دیکھتا ہے اس لئے اس کے لئے ہر چیز اور ہر امر کی اہمیت بالکل مساوی ہے. اُس کی نگاہ اُن میں کوئی فرق نہیں سمجھتی. وہ اپنے خاص **زمانہ** کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور اپنے خیال میں اس سختی سے مقید ہے کہ وہ اپنے اُس خاص **زمان و مکان** کی خصوصیات سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا! وہ اپنے خاص اور محدود خیالات اور احساسات کا اسی طرح معتقد (نہیں بلکہ پرستار) ہے جس طرح کوئی جاہل مطلق اپنے توہمات اور واہیات پر راسخ اعتقاد رکھتا ہے اور اُن پر خفیف سے خفیف حملہ کے لئے بھی ہر اہل ہوش سے جنگجوئی کے لئے تیار ہو جاتا ہے. **ایسا عالم قدامت** سے اُسی طرح مرعوب ہوتا ہے جس طرح ہم میں سے اکثر **جدّت** سے مرعوب اور مغلوب ہیں. وہ اپنے مطالعہ کی جانفشانی میں صرف ایسے خیالات کو انتخاب کر کے ان کی غلامی اختیار کر لیتا ہے جو اب بالکل مردہ ہیں. حالانکہ اُسی زبان میں اُسے ایسے ایسے خیالات بھی مل سکتے تھے جو اب بھی بعینہ اُسی طرح زندہ اور پُر روح ہیں جس طرح وہ اب سے سیکڑوں اور ہزاروں برس پیشتر تھے — اور صرف یہی نہیں کہ آج زندہ ہیں بلکہ جریدۂ عالم میں **دوام** کے لئے **ثبت** ہو گئے ہیں **ماضی و حال** سے آزاد ہیں، اور اپنے ہر شیدائی کو بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ آؤ! ادھر آؤ! ہم یہاں ہیں، غاروں میں نہیں چھپے پڑے ہیں، ہم تم کو **دوام** سے آشنا کر سکتے ہیں! مگر ایسا عالم نہ کان رکھتا ہے نہ آنکھ اور اس لئے اُن تک نہیں پہنچ سکتا

کسی قدیم (یا مردہ) زبان کے خیالات کا **ماضی و حال** سے اس طرح آزاد ہونا اور **دوام** سے اس طرح یکجان ہونا ہی وہ جوہر ہے جو اُن کو ایک صحیح عالم کی وساطت سے صحیح طالب تک پہنچاتا اور اُسے اُن کی اس کیفیت سے سرشار کر دیتا ہے۔ وہ خیالات ہمہ گیر ہیں، دوامی ہیں اور یہی اُن کا حسن ہے، یہی اُن کے قیام کا باعث ہے، یہی وہ چیز ہے جس کے لئے ایک صحیح پنڈت اور مولوی شبانہ روز کی جانفشانی سے سرگرم جستجو ہے!

اس مین شک نہین کہ نفس کی بعض خواہشین اور تمنائین ایسی ہین، وہ جو تمام بنی نوع انسان مین مشترک ہین، لیکن وہ خصوصی اور شخصی ہوتی ہین نہ کہ عمومی اور ہمہ گیر۔ وہ ہم کو ہمارے اس خارجی **حال** سے آزاد نہین کرتین بلکہ اِس مین اور بھی زیادہ جکڑ دیتی ہین۔ ان کا اظہار ہمیشہ محض ایک ہنگامی، مختصر اور حالاتِ وقت کے مطابق محدود اظہار ہوتا ہے: آئندہ نسلون کے لئے اُس مین ایک تاریخی دلچسپی مضمر ہوتی ہے کیونکہ اُن کو صرف واقعات سے تعلق ہوتا ہے۔ برعکس اس کے ایک دوامی چیز کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جذبات کی ترجمانی کرتی ہے، اور جذبات بھی وہ جن کو خود **دوام** عالم کے سینہ مین جوش زن اور اس کے قلم مین موج زن کر دیتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صرف دوامی چیز ہی مین یہ استعداد ہوتی ہے کہ وہ حالات و کوائف کے اِن آفاق گیر تغیر و تبدل مین جذبات کو اس طرح جاری و ساری کر دے۔ پھر یہ ایک صحیح عالم ہی کا دل و دماغ ہے کہ وہ اس **دوام** شخص کو اپنے اندر جگہ دے، اور اُسی کا کام ہے کہ وہ اُس کو اپنے الفاظ یا قلم سے دوسرون کے دماغ۔۔ تک پہنچا کر اُن کو بھی کیف سے سرشار کر دے۔ ایسے عالِم کا مضمون زندہ ہوتا ہے، اُس کی زبان ایک جیتی جاگتی تصویر ہوتی ہے، اُس کی شخصیت ایک حقیقت ہوتی ہے: کیونکہ وہ خود زندہ جاوید ہے، اُس کا تجربہ آفاق گیر حقائق پر مبنی اور سرچشمۂ سرمدی سے سیراب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ علامۂ **اقبال** کو بے ساختہ ترجمانِ حقیقت کہہ اُٹھتے ہین! یہی صفت ہے جس نے مولوی معنوی کو "**مولوی**" کا لقب دیکر حیاتِ ابدی کا جامہ پہنا دیا ہے! یہ دوامی کیفیت ہر قوم کی ادبیات مین پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کی دریافت کے لئے تمیز کا مادہ درکار ہے؛ اور یہ ایک نہایت مشکل اور دقیق کام ہے کہ معمولی چیزون سے جدا کرکے اُس کو محسوس کیا جائے۔ پھر اقوام عالم کی تمام ادبیات مین سے ایسی تحریرون کے پا جانے کے بعد یہ محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مین سے بعض ایسی ہین کہ ان کے اثر اور برکت سے دنیا متاثر ہوئی ہے اور اُسکی وجہ سے دنیا مین اور ترقی ہو گئی ہے، اور بعض ایسی ہین کہ جن کو ابھی تلاش کرنا باقی ہے، جو ابھی تک تاریک **ماضی** مین ملفوف ہین، اور بقول حضرت اقبالؔ کے

ع جو ابھی اُبھرے نہین ہین خانۂ ایام سے

اور یہ کام صرف ایک "**عالِم**" کا ہے! اور صحیح عالم وہی ہے جو اِن کو معلوم کرلے اور اِن کی عالمتاب ضوء سے دنیا کو منور کرکے دنیا کے جاودانی علم مین بیش از بیش اضافہ کر دے! اُسی کا کام ہے —— اور یہی اُس کا مذہب و مسلک ہے —— کہ وہ اپنی تحریر سے فیضیاب ہونے والے کے دل و دماغ مین وہ وسعت پیدا کر دے کہ جس مین **دوام** سما جائے، اور اُس کی شخصیت مین وہ قدرت اور طاقت پیدا کر دے کہ وہ اپنی مضمر باطنی طاقت سے بنی نوع انسان کو واقعات اور نفوس کی حقیقت کا احساس کرا دے اور ان کو صحیح معنی مین اللہ کی اشرف مخلوقات بنا دے اُس کی تحریر کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ۔۔۔ پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ وہ ایک طرف تو قدیم بزرگون کے دربار مین کھڑا ہوا اُن کے چھوڑے ہوئے خزانون کے دیانت دارانہ استعمال کے متعلق جوابدہی کر رہا ہے اور دوسری طرف آئندہ نسلون سے متوجہ ہے اور ان سے وعدہ کر رہا ہے کہ مین تم کو راستہ دکھا سکتا ہون جس پر چل کر تم **دوام** تک پہنچ جاؤگے —— اُس پر وہ حالت وہ کیفیت طاری ہو جائے کہ جس مین **ماضی** و **حال** اور **موت** و **حیات** سب مترادف ہو جاتے ہین اور **سوادِ دوامِ فرد** اور **دوامِ قوم** کے وہ اور کسی چیز کا نقش اپنی ہستی پر مرتسم نہین پاتا: کیونکہ یہی کیفیت ہی مضطرب مگر پر سکون حالت وہ چیز ہے جو فرد کو فرد اور قوم کو قوم بناتی ہے۔ یہی وہ "زندہ تمنا ہے"، جسکا **اقبال** دلِ مسلم کے لئے طلبگار رہا —— کہ

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

اسی کا پیدا کرنا اور بروئے کار لانا عالم کا اصلی مقصد ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ ہر ہر حرف مین یہ اضطراب، یہ بیقراری، یہ ناشکیبائی، یہ ناقناعت پسندی پنہان ہوتی ہے۔ وہ باغ عالم مین قدم رکھتے ہی گلِ دوام کو تاک لیتا ہے، اور جہان جہان اُسے پاتا ہے چن چن کر اپنے دراز و سیع دامن مین بھر لیتا ہے اور اپنی محفل مین واپس پہنچ کران گوہر گران کو ہر عالی ظرف ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے ان کا طرۂ بنا کر اسکی دستار مین ٹانک دیتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:۔

من ہمین یک گل بدستارت زنم — محشرے برخواب سرشارت زنم
تار غالت لالہ زارے بردمد — نغمہ ہائے خفتہ سر بیرون زند
(اقبال)

محمد نعیم الرحمان (ام۔ اے)

غزل

چیدم گلِ نظارہ کہ ہرگز نچیدہ — آئینہ دیدۂ ولے خود را ندیدہ
بودم نگاہبانِ در چشم و گوشِ خویش — ذر دیدہ در حریم دلِ من رسیدہ
جان و دلم فدائے تو جان و دلِ مرا — از دستِ روزگارِ ستمگر خریدہ
از فکر ننگ و نام بر ستم کہ در جہان — رسوائے عام گشتم و تو ہم شنیدہ
آوارگی این دلِ آوارۂ من ست — لے خارِ راہِ یار چہ بیجا خلیدہ
نازم بشانِ دلبری و بندہ پروری — پیوستہ بدشمن و از من بریدہ

سازِ طرب ز گردشِ گردون مجو ی میسر۔
کز چشم دہر قطرۂ اشکِ چکیدہ

میر ولی اللہ (بی اے) ایبٹ آباد

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن مین ہے

فطرت سے جنگ

(مسلسل)

اجنبی نے مجھے اشارے سے پلنگ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا۔ پھر اُس نے میری آنکھون پر بھی ایک نیلی عینک چڑہا دی اور بتایا کہ مجھے آدھے آدھے گھنٹے کے بعد دیوار کے آلون سے کاغذ کی دہجیان علیحدہ کر کے انہین قرینے سے رکھنا ہوگا اسکے بعد وہ کمرے کے باہر چلا گیا اور دس منٹ کے بعد واپس آیا تو مین نے دیکھا کہ وہ ایک بکس لا رہا تھا جو تہا تو چھوٹا لیکن شاید وزنی بہت تھا۔ احتیاط سے اُسے کھولکر اجنبی نے ایک نازک سی پچکاری نکالی اور اُسے خوب دہو لینے کے بعد بکس کے اندر سے ایک چھوٹی شیشی نکالی جسکے اندر نہایت روشن اور سُرخ روغن یا عرق بھرا تھا پچکاری بھر کر اجنبی پلنگ کے قریب آیا اور ہاجرہ کی گردن کی ایک رگ تلاش کر کے پچکاری اسمین چُبھو دی اور سارا عرق رگون مین اُتار دیا۔ اور پھر چلا گیا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھاری بکس سیسے کا تھا اور سرخ عرق ریڈیم کا ایک خاص مرکب تھا۔

اَب مین تھا اور وہ کمرہ اور اسکے مختلف اوضع آلے اور میرے سامنے ہاجرہ کی میت رکھی تھی۔ مین نے ڈرتے ڈرتے میت کے گال پر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ کو ایک جھٹکا ہوا اور ہاتھ میت کے جسم سے اس زور سے علیحدہ ہوا کہ اگر مین نے دوسرے ہاتھ سے کرسی کا بازو پکڑ نہ لیا ہوتا تو مین گر گیا تھا شاید میت کے جسم مین برقی قوت دوڑ رہی تھی کیونکہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بجلی کے پنکھے کا بٹن دباتے وقت بھی میرے ہاتھون کو اسی طرح کا جھٹکا ہوا تھا۔ لیکن اس قلیل عرصہ مین مین نے پھر محسوس کیا کہ میت کا جسم گرم تھا۔ اسنے مجھے کچھ دیر کے لیے حیران کر دیا۔ کیونکہ آخر یہی وہ میت تھی جو ایک وقت بالکل سرد پڑی تھی پھر اب اس مین زندگی کی حرارت کیونکر آگئی؟ مین ابھی اسی اُدھیڑ بُن مین تھا کہ مجھے یاد آیا کہ آدھ گھنٹہ ختم ہو گیا ہے۔ مین نے اُٹھ کر آلون سے کاغذ کی دہجیان الگ کر لین۔ ان پر نمبر چھپے ہوے تھے۔ انھین قرینے سے رکھ کر مین پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ چھ گھنٹے کے بعد اجنبی نے مجھے اپنے کمرے مین جانے کا اشارہ کیا اور مین باہر چلا گیا۔

. . . .

اس روز سے متواتر پانچ سال تک مین ہر روز دن کے چوبیس گھنٹون مین باری باری چھ چھ گھنٹے ہاجرہ کے پاس بیٹھا کرتا اور میرا کام صرف یہ تہا کہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد دیوار کے آلون سے کاغذ کی دہجیان علیحدہ کر لیا کرون۔ اجنبی وقت مقررہ پر آکر پچکاری دے دیا کرتا تھا۔

پورے پانچ سال کے بعد بھی مجھے معلوم نہ ہوا کہ یہ اجنبی کون تہا اور کہان کا رہنے والا تہا اور ہم لوگ ملک کے کس حصہ مین تھے۔ گھر اور اسکے قریب کے جنگل کے علاوہ مین نے مکان سے سو گز آگے قدم نہین بڑہایا تہا۔ اس عرصہ مین مین بارہ سے سترہ برس کا ہو گیا تھا مونچھین نکلنے لگی تہین اور بغیر کسی کے بتاے اب مجھے بہت سی اُن باتون کی تمیز ہو گئی تھی جنھین مین پہلے نہ جانتا تھا۔

حالانکہ اس طویل مدت تک ہاجرہ سوتی ہی رہی لیکن اُس کے نمو مین ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوئی۔ وہ ہاجرہ جو مرتے وقت صرف دس برس کی بچی تھی اب پندرہ سال کی جوان دوشیزہ تھی۔ شاید مجھے یہان اس کے کہنے کی ضرورت نہین کہ وہ اُنس اور محبت جو مجھے اس لڑکی سے پہلے تھی اس پانچ سال کی یکلخت تیمارداری کے بعد اب کسی اور نام سے تعبیر کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ اور میرا اِنہماک اب اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ بارہ گھنٹون کے بدلے مین سولہ سولہ گھنٹے اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے پلنگ کے قریب مجاوری کیا کرتا۔ اور گو اب اجنبی کو کافی فرصت رہتی پھر بھی وہ گھر سے بہت ہی کم باہر نکلتا۔ گونگا حبشی نوکر جنگل سے پرندے اور خرگوش پھنسا کرلے آتا اور اجنبی انہین اپنے اُس خاص کمرے مین جہان مجھے اب بھی جانے کی اجازت نہ تھی بند کردیا کرتا۔ دوسرے دن ان کی لاشین باہر پڑی ہوتین جنھین حبشی دفن کردیتا۔

پانچوین سال کے آخر مین مین نے یہ دیکھا کہ اجنبی اکثر تین تین اور چار چار دن اپنے کمرے سے باہر نہین نکلتا۔ حبشی پہلے سے بہت زیادہ پرندے پکڑ کر لاتا اور اُنکی لاشین دوسرے دن دفن کردیتا۔ اور اس تین چار دن کی گوشہ نشینی کے بعد جب کبھی وہ باہر آتا تو ہاجرہ کے جسم مین پچکاری دیتا۔ لیکن ایسے موقعہ پر دو مختلف ہوتی پچکاری کے بعد اجنبی دیوار کے آلون کے قریب جاکر کاغذ پر چھپے ہوے نمبر پڑھتا اور پھر مایوس صورت بناکر سر ہلاتا ہوا اپنے کمرے مین چلا جاتا۔ اسی طرح دو تین مہینے گذر گئے۔

ایک دن کوئی دن کے دس بجے ہونگے کہ اجنبی نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ مین ساتھ ہولیا۔ اور ہم لوگ اس کمرے مین داخل ہوے جسمین ابھی تک مین نے قدم نہ رکھا تھا۔ کمرے کے چارون طرف برقی اور سائنس کے آلے رکھے تھے۔ اجنبی نے جیب سے تمنچہ نکال کر سامنے رکھدیا اور نہایت متانت سے کہنے لگا۔

”رشید۔ اس عرصہ مین تم خود جان گئے ہوگے کہ مین کس دُھن مین ہون“۔

مین نے سر ہلاکر کہا ”ہان“

”تمھین تعجب ہوگا کہ مین بھی تمھارے ہی شہر کا رہنے والا ہون۔ لیکن مین کون ہون کیا ہون۔ اور یہان کب سے ہون اگر وقت ملا اور فرصت رہی تو کسیدن بتادونگا۔ ابھی تک تمھارا مجھ سے ناآشنا رہنا ہی بہتر ہے۔ مین نے اس وقت تک اس کی کوشش کی کہ ہاجرہ زندہ ہوکر اٹھ بیٹھے۔ لیکن ابتک میری ساری کوششین بے سود اور بیکار ثابت ہوئین۔ مین یہ کرسکا کہ اس بچی کا خاکی جسم زندہ رہ گیا اور اس مین نمو قائم رہ گیا۔ لیکن روح نہ آنا تھی نہ آئی۔ لیکن مین نے اپنی کوشش مین کبھی کمی نہ کی اور اس پانچ سال کی محنت اور مشقت کے بعد مین نے وہ شے ایجاد کی ہے جسکے ذریعہ سے مین میت مین صرف جان ہی نہین ڈال سکونگا بلکہ تمھاری عزیز ہاجرہ اُٹھکر تمھارے ساتھ چل پھر بھی سکے گی۔ لیکن رشید یاد رکھو کہ اگر اسکے بعد تم نے بہلنے کی کوشش کی یا کسی سے کچھ کہا تو تم ہوگے اور اس تمنچہ کی گولیان“۔

مین نے اسے لرزلرز کر بتایا کہ مین ایسے محسن کا ساتھ کبھی بھی نہ چھوڑونگا۔

ایک پنجرے سے اجنبی نے ایک کبوتر نکالا اور اسکے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ کبوتر لوٹ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کے بعد اجنبی نے

الماری سے وہی بھاری بکس نکالا پچکاری دھوئی اور چھوٹی سی شیشی نکال کر اسے بغور رغبت بھری نظر سے دیکھنے لگا۔ عرق کا رنگ اب بھی بہت ہی روشن اور سرخ تھا لیکن سرخی کے ساتھ ذرا نلاہٹ بھی تھی۔ نلاہٹ تھی بھی یا نہیں یہ میں کہہ نہیں سکتا۔ لیکن ایک عجیب طرح کی تڑپ تھی جو آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ مہین پچکاری بھر کر اجنبی نے تھوڑا عرق کبوتر کے جسم میں اتار دیا۔ دس منٹ کے بعد کبوتر کے مُردہ جسم میں حرکت ہوئی اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ اُٹھ بیٹھا۔

شیشی لیکر اجنبی ہاجرہ کے کمرے میں آیا۔ ہاجرہ اسی طرح سو رہی تھی۔ پچکاری بھر کر اجنبی نے ہاجرہ کی پشت گردن کی کوئی خاص رگ تلاش کرنی شروع کی۔ اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ سانس چڑھی ہوئی تھی اور پیشانی پر پسینے کے قطرے جمع ہو گئے تھے جب اُسے وہ خاص رگ مل گئی تو اجنبی نے ایک لمبی سانس لیکر پچکاری چبھو دی اور دوا ہاجرہ کے جسم میں اُتر گئی۔ اجنبی پیچھے ہٹا اور چند منٹ تک میت کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر دیوار کے قریب آکر آلون کو غور سے دیکھنے لگا۔ چند منٹ کے بعد اُس نے مجھے اشارہ کر کے بلایا اور آلون کی طرف بٹھایا۔ میں نے دیکھا آلہ نمبر جلد جلد چھپ رہے تھے اور ایک نہایت ہی نازک آلے میں جواب تک ساکت تھا ایک عجیب ہیجان تھا۔ ایک برقی شرارہ تڑپ کر اِدھر اُدھر ہو رہا تھا۔ اجنبی پلنگ کے قریب جلد آیا اور ہانپتا ہوا میت کو دیکھتا رہا آدھے گھنٹے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ جسم کے اوپر کی چادر کو حرکت ہو رہی تھی کچھ دیر کے بعد پلکیں ہلنے لگیں۔ اور چار گھنٹے کے بعد میری ہاجرہ جسے دنیا مردہ تسلیم کر چکی تھی میرے سامنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اجنبی کسی اور دوا کی فکر میں باہر چلا گیا۔ لیکن میں سر جھکائے خوشی کے آنسو بہا رہا تھا۔

....

ہاجرہ کو زندہ ہوئے آج چودہ مہینے گزر گئے لیکن ہمارے لئے ہاجرہ ویسی ہی مُردہ تھی جیسی پہلے۔ خدایا۔ اجنبی کے علم و عمل نے ہاجرہ کے خاکی جسم میں جان تو ضرور دیدی تھی اور وہ لڑکی جس کو اس کے گھر کے لوگ مردہ جان کر سپرد خاک کر چکے تھے آج چودہ مہینوں سے ایک حسین دوشیزہ کی شکل میں چل پھر رہی تھی لیکن اس کی چال ڈھال وضع ترکیب جانور جیسی تھی۔ میں نے سمجھا تھا کہ پانچ سال کی نیند کے بعد جب وہ اُٹھیگی تو مجھے ضرور پہچان لیگی۔ میں جو اُس کا سب سے بڑا دوست عزیز اور ہم سبق تھا۔ دل نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے تھے کیسی کیسی حسرتیں میرے دل کو بیتاب کر کے میری رگوں میں خون کی سرعت بڑھا رہی تھیں۔ مگر وہ ہاجرہ جو اس مدت سے ہمارے ساتھ تھی نہ دیکھ سکتی تھی اور نہ سُن سکتی تھی اور سب سے مصیبت کی بات یہ تھی کہ جہاں وہ ہماری کچھ سُن نہ سکتی تھی وہاں اپنی بھی کچھ کہنے سے بالکل قاصر تھی۔ کمسن ہاجرہ کا وہ خاکی جسم جسے میرے مارنے و نسی کر دیا تھا چل پھر رہا تھا لیکن اسکے علاوہ میری کمسنی اور بچپن کی ہمجولی ہاجرہ کا کہیں نشان بھی نہ تھا۔ ایک نہایت ہی حسین لڑکی جس کے سر کے بال کمر کے بھی نیچے لٹکتے رہتے تھے اور جسکی سیاہ آہو کی سی آنکھیں کھُلی تو ضرور رہتی تھیں لیکن جو دیکھنے سے معذور تھیں جسکے یاقوت جیسے سرخ لبوں کو میں خموش بیٹھا دیکھا کرتا تھا۔ اک ذی روح تصویر کے مانند ہمارے گھر میں ادھر اُدھر گھوما کرتی تھی۔

ابتدا میں اجنبی نے بہتیرا سر مارا۔ مختلف جتن کئے۔ کئی جگہ نشتر لگائے۔ انجکشن دیئے۔ دوائیں کھلائیں۔ روغن مالش کئے۔ لیکن نہ منھ سے کوئی آواز نکلی نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔ اجنبی وجود باری کا قائل نہ تھا۔ ایک دن میں ایک جھاڑی کے اندر

چھپار ور و کر خدا سے ہاجرہ کی صحت کی دعائین مانگ رہا تھا۔ زمین میرے گرم آنسوؤن سے تر تھی اور میری پیشانی زمین سے ملی ہوئی تھی چھ سال سے مین نے خدا کا نام بھی نہین سُنا تھا لیکن جب مین نے دیکھا کہ اجنبی کی کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی تو مین نے اپنے اُس خدا کو یاد کیا جس کا نام مین نے اپنے گھر پر سنا تھا اور جسکے بارے مین مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ وہ بڑا کارساز ہے۔ مین نے ابھی سجدہ سے سر نہ اٹھایا تھا کہ میری پیٹھ پر ایک لات پڑی۔ مین نے گھبرا کر سر اٹھایا تو اجنبی غصہ مین بھوت بنا کھڑا تھا۔ کڑک کر بولا "یہ دعائین کس سے کی جارہی تھین؟ خدا سے؟ اُسے دیکھا بھی ہے کبھی۔ یا وہی جس کا نام گھر پر سنا کرتا تھا؟ مین نے سر ہلا کر کہا "ہان"

"بیوقوف۔ ارے آخر خدا ہے کہان؟ وہی نا جو جسم مین جان دیدے۔ بیجان کو جاندار بنادے۔ سو تو نے خود دیکھ لیا کہ مین نے تیری آنکھون کے سامنے مردہ کو زندہ کردیا۔ پھر بھی وہی خدا کی رَٹ لگا رکھی ہے۔ وہ ہی ناک رگڑنی اور سجدے کرنے جسکو آ جو کبھی خدا کا نام لیا"

مین سہم کر ہٹ گیا۔ لیکن دل نے قبول نہ کیا۔ میری دینی تعلیم مولانا قربان علی مرحوم کی دینیات کی پہلی دوسری تک محدود تھی لیکن اتنی بات دماغ کو ضرور پریشان کیے ہوے تھی کہ گو اس اجنبی نے مردے کو زندہ کرکے خدا کی ہمسری کرلی یا خدا ہی ہوگیا تو پھر ہاجرہ بول کیون نہ سکتی تھی۔ دیکھ کیون نہ سکتی تھی۔ مین اُس خدا سے التجا کر رہا تھا جو صرف زندہ ہی نہین کرسکتا بلکہ جسکے قبضۂ قدرت مین سب کچھ ہے۔

بہر حال جیسا کہ مین نے بیان کیا۔ اجنبی نے عرصہ تک ہاجرہ کی قوت باصرہ اور سامعہ کے عود کرآنے کی کوششین کین لیکن جب وہ بالکل ناکامیاب رہا تو اُس نے ہمت ہار دی اور آزردہ ہوکر دوسرے تجربون مین مشغول ہوگیا۔ اب میری بھی اُسے کم ضرورت تھی ہان اکثر وہ مجھے اپنے خاص کمرے مین لیجا کر بتایا کرتا کہ سائینس کیا ہے اور مختلف گیس کیسے بنتے ہین۔ اور انکے خواص کیا ہین۔ انکے مرکب کیسے بنتے ہین اور مختلف تجربون کا مقصد کیا ہے اکثر وہ مجھے ریاضی کی باتین بھی بتایا کرتا۔ اکثر اپنے تجربون مین مجھ سے مدد بھی لیتا اور بعد کو چند تجربے بھی مجھ سے کراتا۔ بعض باتین تو مین اچھی طرح سمجھ کر کرتا اور بعض یون ہی اٹکل سے۔ خدا نے مجھے ذہین پیدا کیا تھا تھوڑے ہی عرصہ مین مین بہت سی باتین جان گیا۔

جہان ہاجرہ مین دیکھنے۔ سننے اور بولنے کی طاقت نہ تھی وہان قدرت نے حس کی قوت کو بڑی ترقی دیدی تھی مجھے وہ صرف چھو کر پہچان لیتی۔ اکثر میرے دامن کا صرف اُس سے چھو جانا مجھے پہچان لینے کو کافی ہوتا۔ اجنبی کو بھی وہ پہچان لیتی لیکن اُس سے اُسے ایسی نفرت تھی کہ اگر وہ قریب آنے کی ہمت کرتا تو شیرنی کی طرح اُسپر جھپٹتی۔ اگر وہ کسی سے مانوس تھی تو مجھ سے اور اگر اُسے کوئی چھو سکتا تھا تو مین تھا۔ ورنہ اوروں کے لئے وہ انسانی جامہ مین ایک خونخوار جانور تھی۔

چونکہ اجنبی اب اپنے دوسرے تجربون مین مشغول رہتا اس لئے مجھے اب ادہر اُدہر گھومنے کی اجازت مل گئی تھی اور گھنٹون مین ہاجرہ کا ہاتھ پکڑے جنگل اور پہاڑون مین گھوما کرتا۔ جنگل کے پھول توڑ کر مین ہار بناتا اور اُسے ہاجرہ کے گلے مین ڈال دیتا۔ ہاجرہ اُس ہار کو دیکھ تو نہ سکتی تھی لیکن اسے اپنے نازک ہاتھون مین لیکر مخمل جیسے نرم گالون

برابر رکھتی اور اسکا چہرہ خوشی سے لالہ رنگ ہو جاتا۔ اکثر کچھ دیر بعد وہ ہار اتار کر میرے گلے مین ڈال دیتی اور میرے سامنے کھڑی ہو کر یون دیکھتی جیسے دیکھ رہی ہو۔ رفتہ رفتہ ہاجرہ مجھسے بہت ہل گئی اور اکثر جب ہم دونون جنگل مین گشت لگاتے لگاتے تھک کر بیٹھ جاتے تو وہ نہایت بے تکلفی سے اپنا سر میری گود مین رکھکر لیٹ جاتی اور مین اپنا ہاتھ اوسکے نرم لیکن کنگھی سے غیر آشنا بالون پر پھیرا کرتا۔ ایک دفعہ کسی خاص جذبہ نے مجھے چند لمحون کے لئے خود فراموش کردیا اور مین نے اپنے لب ہاجرہ کی پیشانی پر رکھدیئے۔ ہاجرہ تڑپ کر دور جا کھڑی ہوئی اور مجھے بغور دیکھنے لگی۔ غصہ سے اوسکا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور سانس کی آواز صاف آرہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھ پر حملہ کریگی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھنڈی ہوئی۔ مین گھر کی طرف چلا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی۔ لیکن اب کے وہ میرا ہاتھ بھی پکڑے تھی۔ اسکے بعد دس بارہ دن تک وہ گھر سے باہر نہین نکلی۔ بعد کو اوسے جب میری طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا تو پھر ساتھ جانے لگی۔ ایک دن ہم دونون یون ہی گھومتے گھومتے گھر سے بہت دور نکل گئے۔ دو اونچے پہاڑون کے درمیان ایک نہر تیزی کے ساتھ بہ رہی تھی۔ اور اوسکا شفاف پانی اوپر سے گر کر عجیب دلکش موسیقی پیدا کر رہا تھا۔ چارون طرف پھولون کے ڈھیر تھے۔ اور اطراف کے سارے بلبل شاید اسوقت اسی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ ہم دونون نہر کے دو طرف کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر پھول پھینک رہے تھے۔ میرا پھول پڑتے ہی ہاجرہ اپنا پھول اس تیزی سے پھینکتی تھی کہ مین اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پاتا تھا کہ اوسکا پھول مجھ پر ہوتا تھا۔ دیر تک ہم یون ہی کھیلتے رہے اور آس پاس کی ہمین مطلق خبر نہ تھی۔ یکایک ایک بہت سخت اور مہیب دھماکا ہوا۔ اور اسکے ساتھ ایسی کڑک شروع ہوئی کہ مین نے سمجھا کہ سارا آسمان پھٹ کر گر پڑیگا۔ اندھیرا گھپ ہوگیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی ہاجرہ نے ایک چیخ ماری اور میری طرف دوڑی بیچ مین نہر تھی گرتے گرتے بچی۔ لیکن مین جھپٹ کر اُسکے قریب تھا۔ عرصہ تک دھماکا اور تڑاقہ ہوتا رہا۔ بادل کے گرج کی انتہا نہ تھی اور پانی موسلا دھار برس رہا تھا۔ اور ہم دونون ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے ایک بڑے درخت کی آڑ مین لرزتے کھڑے تھے۔ ہاجرہ بید کی طرح کانپ کانپ کر مجھے چمٹی جارہی تھی اور مین اپنے ہاتھونسے اوسے اور قریب کر لیتا تھا۔ میرا سر اُسکے سر پر تھا۔

دو گھنٹون کے بعد بادل کی گرج رکی اور پانی تھما۔ ہاجرہ آہستہ آہستہ مجھسے الگ ہونے لگی۔ کچھ ٹھہر کر اُسنے مجھے دیکھنا شروع کیا لیکن وہ آنکھین جو مجھے آج دو برس سے دیکھا کرتی تھین اور پھر دیکھ نہ سکتی تھین اسوقت کچھ عجیب انداز سے دیکھ رہی تھین۔ اون آنکھون مین ایک خاص قسم کی چمک تھی اور آنسو کے قطرے گرنے کے لئے بیتابی سے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے مین نے دیکھا کہ ہاجرہ کی انگلیان کانپنے لگین اور وہ میری طرف جھکی۔ لب مرتعش ہوئے ...... "رشید"

. . . .

دیر کے بعد جب ہم نے خوشی کے آنسو بہانیسے فرصت پائی تو گھر کا خیال آیا اور ہم دونون ہاتھ مین ہاتھ دیے منزل طرف چلے۔ ابھی ہم گھر سے دور ہی تھے کہ مین نے دیکھا کہ جہان پر ہمارا گھر تھا۔ وہان اب سوائے ایک خوفناک اور عمیق غار

سے کچھ بھی نہ تھا اور گرد کے پہاڑون کا پانی بہ بہ کر اُس غار مین جمع ہو رہا تھا۔ میرا سر چکر کھانے لگا اور مین ایک آہ کر کے وہین بیٹھ گیا۔

شاید تم یہ سننے کے مشتاق ہو گے کہ آخر ہمارا گھر ہوا تو کیا ہوا۔ تمھین معلوم ہے کہ مین نے بہت ہی کم تعلیم پائی تھی۔ اور سائنس کی چند باتین مجھے صرف اجنبی کے ساتھ رہنے سے معلوم ہو گئی تھین لیکن جو مین اب تک سمجھ سکا ہون وہ یہ ہے۔

اجنبی نے ہاجرہ کو زندہ کرنے کے بعد مریخ تک جانے کی کوشش شروع کی تھی۔ اور اس لئے اُسنے ایک ایسی ہوائی بنانی چاہی تھی جو ہمارے کرۂ ارض سے مریخ تک جا سکے۔ اسی کوشش مین اُسنے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جو پہلے تو نائٹروجن کے ایک خاص اور اسوقت تک لا معلوم لیکن نہایت ہی طاقت سے پھٹنے والے مرکب سے بھرا تھا اور اس ہوائی مین ایک ایسی کل لگی تھی جو خود اوپر جاتے جاتے ہوا سے اپنی ضرورت کے لئے نائٹروجن بناتی جاتی تھی اور اس باری باری بنے والے مرکب کے پھٹنے سے وہ ہوائی کرۂ ارض سے اور دور ہوتی جاتی تھی یہانتک کہ ارضی کشش سے نکلکر وہ مریخ … کے دایرۂ کشش کے اندر آجانے کے بعد مریخ تک باسانی پہنچ سکتی تھی۔

اسی ارادہ اور اسی اصول پر اجنبی نے ایک چھوٹی سی ہوائی بنائی تھی جسے وہ تجربا اوپر بھیجنا چاہتا تھا۔ اور اب مجھے یاد آتا ہے کہ اُسنے مجھسے کہا بھی تھا کہ بہتر ہے کہ تم ٹہلتے ٹہلتے زرا دور چلے جاؤ۔ میرا ذاتی خیال ہے اور ممکن ہے کہ مین اس مین بلکل ہی غلط ہون کیونکہ مین اپنی علمی انتہا تمسے بیان کر چکا ہون۔ لیکن بہت غور و فکر کے بعد میری سمجھ مین یہ آتا ہے کہ شاید جب یہ ہوائی اوپر جا کر پھٹی اور اُسنے ہوا سے نائٹروجن لیکر مرکب بنانا شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصہ مین اسقدر نائٹروجن نکال لیا کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی بہت زیادتی ہو گئی۔ اور ہوائی کے پھٹنے سے ہوا مین سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور ہوا کے مختلف حصے ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر برقی قوت پیدا کرنے لگے جس سے ہوا کے مختلف گیسون مین آگ لگ گئی اور برقی قوت نے آکسیجن اور ہائیڈروجن کو ملا کر مرکب کر دیا جس سے پانی بنگیا۔ شاید اسی برقی قوت …… کی پیدائش تھی جو مجھے تڑاقے کی طرح سنائی دے رہی تھی اور ممکن ہے کہ کوئی شرارہ اجنبی کے مکان پر اس طرح گرا جسنے سارے مکان کو جلا کر صرف خاک ہی نہین کر دیا بلکہ جہان وہ گھر تھا وہان ایک غار ہو گیا۔ یا ممکن ہے کہ مکان کے اندر ہی کسی آلے کے پھٹنے سے سارا گھر اڑ گیا ہو

ہماری داستان ختم ہو گئی۔ ہاجرہ نے وطن جانے سے انکار کیا اور ہم دونون نے یہین پہاڑون مین بود و باش اختیار کر لی۔

علی اکبر کاظمی (بی اے) کیمبرج

رقاصہ ۔ کی جو تصویر اس مہینے مین شائع ہو رہی ہے وہ علیحدہ بھی چار آنے کا ٹکٹ بھیجکر منیجر نگار کے پاس سے مل سکتی ہے۔

انتخاب کلام میر پر ایک نظر

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے جس مہتم بالشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے وہ قوم کے لئے نہایت حوصلہ افزا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ اگر جانفشانی اور سرگرمی سے کارکنان انجمن اپنی اس اہم و دشوار خدمت میں مصروف رہے تو ادب اردو کے افق سے ایک ایسا آفتاب طلوع ہوگا جسکی ضیاپاری ساری فضائے ہند کو "مطلع انوار" بنا دیگی۔ لیکن افسوس ہے کہ کتابوں کے ترجمہ و تالیف ترتیب و اشاعت میں غیر معمولی تاخیر و تعویق ہوتی ہے جس سے شیدایان ادب کو سخت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس انجمن کے قیام کو بیس سال سے زیادہ ہی زمانہ گذرا ہوگا مگر اس مدت مدید میں جتنی اچھی کتابیں شائع ہوئی ہیں کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں تاخیر کے علاوہ ایک اور فروگذاشت انجمن سے ہورہی ہے وہ یہ کہ اس امر پر بھی توجہ کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا کہ کتابیں ملک کے بہترین افراد سے ترجمہ کرائی جائیں جس زمانہ میں علامہ شبلی اس انجمن کے سکریٹری تھے کتابوں کے ترجمہ کرانے کا یہ انتظام تھا کہ بذریعہ اخبار اعلان کردیا جاتا تھا کہ فلاں کتاب کا ترجمہ کرانا مقصود ہے ارباب قلم فلاں فلاں باب کا ترجمہ نمونہ کے طور پر انجمن میں بھیجیں، جسکا ترجمہ انجمن انتخاب کریگی وہی شخص اس کتاب کے ترجمہ پر مامور کیا جائیگا" یہ ترکیب کسقدر مفید تھی۔ چنانچہ ہربرٹ اسپنسر کی کتاب "فلسفہ تعلیم" اس زمانہ میں ادراسی صورت سے ترجمہ کیگئی جو میرے خیال میں انجمن کی تمام کتابوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اگر برابر یہی روش قائم رہتی تو "مشاہیر یونان و رومہ" وغیرہ کا یہ حشر نہوتا کہ رسالہ الحسین اسکی دھجیاں اڑادی گئیں کتابوں کا ترجمہ اگر بہترین نہو تو کم از کم نمایاں عیوب و نقائص سے مبرا تو ہو "مشاہیر یونان و رومہ" کی طرح چند اور کتابوں کا یہی حال ہے جن میں ایک "انتخاب کلام میر" ہے جسپر کچھ اپنے خیالات حوالہ قلم کرتا ہوں۔

میر تقی میر کی جو حیثیت شعرائے اردو میں ہے ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اردو کا یہی ایک شاعر تو ایسا نظر آتا ہے جسکی آجتک کسی نے مخالفت نہ کی۔ ورنہ اسوقت تک جتنے شعرائے اردو پیدا ہوئے ایک گروہ انکا ہمیشہ مخالف رہا۔ آج بھی ہندوستان میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو غالب و اقبال تک کے کلام کا معترف نہیں ہے۔ آتش و انیس، داغ و امیر و حالی و اکبر وغیرہ سب کے سب تیر مخالفت کے زخم خوردہ ہیں۔ لیکن میر ایک ایسا شاعر ہے جسکا ہر شاعر بھی مداح ہے، مخالف سا مخالف شخص بھی معترف ہے۔ یہانتک کہ اسکا ہمعصر سودا بھی اسکا عظمت شناس نظر آتا ہے۔ میر کی اس ہمہ گیر مقبولیت کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میر کا سارا کلیات محاسن سے معمور اسکا ہر شعر قابل تعریف ہے۔ میر کے کلام پر مولانا آزردہ کی تنقید کسقدر جچی تلی ہے کہ "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند است"۔ علاوہ ازیں کلیات اتنا ضخیم ہے کہ اسکے مطالعہ کی ہر آنکھ زحمت نہیں اٹھا سکتی۔ اسلئے ضرورت تھی کہ کلیات کا بہترین انتخاب شائع کیا جائے۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو نے ایک انتخاب شائع کیا جسکی ترتیب مولوی عبدالحق صاحب بی اے

سکریٹری انجمن نے کی۔ مین نے بڑے شوق سے اُسکو منگا کر دیکھا اور شروع سے آخر تک مطالعہ کیا مگر بہت افسوس ہوا کہ کلیات میر کا جیسا انتخاب ہونا چاہیئے تھا ویسا بالکل نہ ہوا۔ رسائل و جرائد مین جو اس پر تبصرے نکلے مین نے انکا بھی مطالعہ کیا۔ عام طور پر مولوی صاحب کی جانفشانی و عرق ریزی کا اعتراف ہر رسالہ نے کیا۔ مگر رسائل آرا کی پبلک ہم خیال نہین ہو سکتی۔ مین مانتا ہون کہ مدیرون نے "انتخاب کلام میر" کا مطالعہ توضرور کیا ہوگا مگر کچھ ضرور نہین ہے کہ انہون نے پورے "کلیات میر" کو بھی دیکھا ہو۔ ان حضرات نے میری ہی رائے ناقص کی ہمنوائی کی اور فرمایا کہ کسی شاعر کے کلام کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ جس شعر کو انتخاب کرنے والا قابل انتخاب نہ سمجھے دوسرے کی نظر مین قابل انتخاب ہو۔ کیونکہ طبائع مختلف ہوتی ہین، ایک چیز جو ایک شخص کی نگاہ مین مقبول نظر آتی ہے دوسرے کی نظر مین مردود تو جہ سمجھی جاتی ہے لہذا انتخاب کی بہترین صورت یہی کہ صحیح المذاق نقادون کی ایک انجمن قائم کیجائے جو کامل غور و فکر کے بعد شعرون کا انتخاب کرے۔

انتخاب کے شروع مین مولوی صاحب موصوف کا ۳۰ صفحون کا ایک مقدمہ بھی ہے جس پر معارف نے صحیح تنقید کی تھی مولوی صاحب سے جو توقع تھی پوری نہ ہوئی۔ اس مین میر کے کلام پر سیر حاصل بحث نہین ہے، جن کو انکا بہ اظہار رائے کیا گیا ہے تشنہ و نامکمل ہے، اور تنقید و تبصرہ کے سلسلہ مین جو لکھا گیا ہے محض سطحی اور بلند معیار کے درجہ سے گرا ہوا ہے۔ ضرورت تھی کہ میر کے کلام پر ویسا ہی فلسفیانہ تبصرہ کیا جاتا" جیسا کہ ڈاکٹر بجنوری نے دیوان غالب پر کیا ہے اب بھی ملک مین ایسے بلند پایہ نقاد موجود ہین جو تنقید عالیہ کے ماہر ہین اور میر کے کلام پر فلسفیانہ تبصرہ لکھ سکتے ہین خصوصاً مولانا نیاز فتحپوری کو مین اس خدمت کے طرف متوجہ کرتا ہون۔ کیا مین امید کرون کہ فرصت کے اوقات کو مولانا اسی تالیف مین صرف کرین۔

نفس انتخاب کے متعلق مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ جن اشعار کو مولوی عبد الحق صاحب نے منتخب کیا ہے ان مین سے بہت سے ایسے اشعار ملینگے جو قابل انتخاب نہ تھے علی ہذا جن اشعار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اُن مین صدہا اشعار قابل انتخاب تھے۔ مین یہ سمجھنے سے قاصر ہون کہ آخر مولوی صاحب کا یہ معیار انتخاب کیا ہے؟ یا وہ کس قصب العین کی بنا پر اشعار کا انتخاب کرتے ہین؟ جب معمولی شعرون کو جگہ دی ہے۔ اور عمدہ اشعار کو چھانٹ دیا تو مولوی صاحب کی نظر انتخاب کے متعلق کیا فیصلہ ہو سکتا ہے؟ کیا مذاق سلیم و وجدان صحیح کا یہی اقتضا ہے کہ خزف پارون کو جواہرات پر ترجیح دی جائے ہیہات

آہ آہ از دست صرافان گوہر ناشناس ہر زمان خرمہرہ را با دُر برابر می کنند

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے کلیات میر کا بالاستیعاب مطالعہ نہین کیا ہے ورنہ انکی دوربین نگاہون سے بلند پایہ اشعار ہرگز نظر انداز نہ ہو سکتے تھے۔ یا ممکن ہے کہ وہ اشعار ہی انہین پسند نہ آئے۔ یا کلام کا انتخاب سرسری نظر سے کیا ہے اکثر جواہرات انکے دامن انتخاب مین نہ آ سکے۔ بہرکیف وجہ کچھ بھی ہو انتخاب ہرگز دلپذیر و پسندیدہ نہین ہے۔ اگر طوالت کے خیال سے

انصعر علی محمد علی تاجر عطر لکھنئو کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن مین ہے

ابونصر فارابی

جن مشاہیر کو مرے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں اُنکے تذکروں سے بصیرت و نصیحت کی ایک نئی آبادی ہوتی ہے۔ کسی باکمال کے زندۂ جاوید ہونے کا یہی تو ایک معجزہ ہے کہ لوگ اُسکو یاد رکھیں اور اُسکی یاد سے اپنے خیالات کی اصلاح کرتے رہیں۔ فلسفہ کا معلم ثانی لیکن اہل اسلام کا معلم اول (ابونصر فارابی) انہیں لوگوں میں سے ایک ہے جو زندہ ہے اور دنیا میں جب تک اُسکے دماغی افکار باقی ہیں زندہ رہیگا۔

فارابی نے "معلم ثانی" کا خطاب سطرح حاصل کیا کہ فلسفۂ یونان کی بیشمار تصنیفات خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں لیکن اکثر ترجمے ناقص تھے اور باہم مختلف۔ نوح بن نصر نے (جو خاندان سامانیہ کا تاجدار تھا) فارابی سے فرمائش کی کہ ان تراجم کو سامنے رکھکر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کردے، فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کرکے کتاب کا نام "تعلیم ثانی" رکھا، اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہئیے کہ حکمائے اسلام میں فارابی نے "معلم ثانی" کا خطاب اس کتاب کی بدولت حاصل کیا تھا، افسوس ہے کہ وہ کتب خانہ جسمیں اس کتاب کا مسودہ فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جل کر خاک ہوگیا

اسلام کی تیسری صدی (سنہ ۲۶۰ھ) میں یہ "معلم ثانی" پیدا ہوا ہے نسل کے اعتبار سے فارسی (ترکی؟) تھا، اسکی کنیت ابونصر اور نام محمد بن اوزلغ تھا، فاراب اسکا آبائی وطن تھا۔ اسکی پیدائش اُس زمانہ میں ہوئی تھی جبکہ فن تاریخ نے گھوارے سے پاؤں نکالنا شروع کئے تھے اسلئے اسکے ابتدائی حالات سے تاریخ ساکت ہے۔ اُسکا باپ ایک فوجی عہدہ دار تھا اسلئے ابونصر کی ابتدائی تعلیم بھی اسی انداز کی ہوئی ہوگی ظاہر ہے چونکہ قسمت کو آگے چلکر اُسے "معلم ثانی" بنانا تھا اور خدا نے غیر معمولی دماغ و حافظہ بھی عطا فرمایا تھا اسلئے اُسنے اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی سیکھا اور پوری دستگاہ حاصل کرلی۔ عربی نہ اسکے ملک کی دوسری زبان تھی اور نہ مادری اسلئے اُسکی تحصیل سے اُسوقت تک دور رہا مگر اُسنے اس ضروری کمی کو پورا کرنیکا ارادہ کرلیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "فارابی فلسفہ میں اپنا مثل نہیں رکھتا تھا اور جن جن علوم و فنون سے اُسکا دماغ بہرہ اندوز تھا اُنمیں کوئی شخص اُسکا مقابل نہ تھا شیخ الرئیس بو علی سینا نے اپنی تصنیفات میں اسکی کتابوں کا تتبع کیا اور اُسیکے اقوال سے مستفید ہوا" علم کے شوق نے اُسکو گھر سے نکالا تاکہ اسے نکل کر مختلف شہروں میں سیاحی کرتا اور ہر جگہ کے واقعات و حالات، رسوم و رواج اور طرز معاشرت سے واقفیت پیدا کرتا ہوا۔ بغداد پہنچا جو اُسوقت ایشیا میں علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا اور جہاں کی علمی شعاعیں دور دور پھیلی ہوئی تھیں، بغداد کے شاہی دربار میں علماء و فضلاء کی مسندیں ایک امتیازی شان پیدا کئے ہوئے تھیں۔ فارابی نے وہیں عربی کی تحصیل شروع کردی، بسر اوقات کیلئے ایک معمولی سی ملازمت کرلی، کوئی کہتا ہے کہ محافظ کی خدمت پر تھا، کوئی باغبان بتاتا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو مگر یہ یقینی ہے کہ نہایت عسرت سے بسر کرتا تھا اور معاش کی قلت ایک چراغ کیلئے تیل بھی مہیا نہ کرسکتی تھی مگر چوکیداروں کی قندیلیں اُسکے لئے روشن تھیں جنکے سہارے وہ تمام تمام رات پڑھنے پر مستعد رہتا عربی کی تحصیل میں اُسنے ایسی ایسی ریاضتیں و کوششیں کیں کہ تھوڑے ہی دنوں کی لگاتار محنت نے اُسنے عربی کو اپنی مادری زبان بنا لیا۔ اسکے بعد منطق کی طرف متوجہ ہوا اور حکیم ابو البشر متی بن یونس سے منطق کا درس لینے لگا۔ ابو البشر کی برابری کا دعوی اُس زمانہ میں کوئی نہ کرسکتا تھا۔ تالیفات میں حسن عبارت اور لطف اشارات کو مد نظر رکھتا تھا ابو البشر کی تقریر عالمانہ اور نہایت برجستہ و شستہ ہوتی تھی اہم سے اہم علمی مسائل کو وہ ایسے سہل ممتنع طریقہ سے حل کردیا کرتا تھا کہ پڑھنے والے اور سننے

والے حیران و ششدر رہجاتے اسی لئے اس فن کے علمار کا اس بات پر اجماع ہے - کہ ابونصر فارابی جو دقیق معانی و مطالب کو سہل الفاظ اور آسان و سلیس عبارت مین سمجھا دیتا ہے یہ حکیم ارسطو کا فیضان ہے -

فارابی نے بغداد ہی مین علوم فلسفہ کو بھی پڑھا - اور ارسطو کی تمام کتابون کو بھی جمع کیا اسکو تصانیف ارسطو سے اسقدر عشق تھا کہ خود اُسنے لکھا ہے کہ مین نے ان کتابونکو دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے - نیز اسی کا قول ہے کہ مین نے ارسطو کی کتاب (سماع طبعی) کا چالیس مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، اور میری رائے مین ابھی اُسکے کرر مطالعہ کا محتاج ہون - کسی نے فارابی سے پوچھا کہ فن کا سب سے بڑھکر کون ماہر ہے تم یا ارسطو اُس نے کہا! اگر مین ارسطو کا زمانہ پاتا تو اُسکے شاگردون مین خاص امتیاز رکھتا - فلسفہ کے متعلق ابونصر کا یہ قول ہے کہ فلسفہ یونانی لفظ فلاسفی کا معرب ہے - کلمہ فلاسفی فیلا اور سوفیا دو لفظون سے مرکب ہے فیلا محبت اور دوستی کو کہتے ہین اور سوفیا حکمت کے معنون مین آتا ہے لفظ فیلسوف اسی فلاسفی سے مشتق ہے - اسکا صحیح یونانی تلفظ فیلسوفوس تھا، عربی لب ولہجہ نے اسکی صورت بدلکر فیلسوف بنا لیا - اسکے معنی حب حکمت کے ہین - یہہ لقب اُسی شخص کے لئے موزون ہے اور اُسی کو مل سکتا ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد علم و حکمت کی خدمت اور اُسکی ترقی کی کوشش ٹھرایا ہو -

ابونصر فلسفہ کا امام تھا اُس نے محققانہ بلکہ مجتہدانہ انداز سے فلسفہ کے تمام شعبون مین اپنے کمالات کا حقیقی ثبوت دیا ہے - ابوالقسم بن صاعد القرطبی نے طبقات الحکمار مین لکھا ہے کہ فارابی فی الحقیقت مسلمانون کا فیلسوف ہے - فن منطق کو یوحنا بن خیلان سے (جسکا انتقال بغداد مین بعہد خلیفہ مقتدر ہوا) اخذ کیا، اسلام کے تمام فنون کو قید ضبط مین لایا، ان علوم کی تحقیق و تدقیق مین سب پر فوقیت لے گیا - اُن کے غوامض و اسرار کو حل کیا اُن کی تعلیم و تعلم اور ضروری باتون کو آسان اور قریب الفہم کر دیا - ان علوم مین متعدد کتابین، دلکش عبارت اور لطیف اشارون مین تصنیف کین اسنے ایک نادر کتاب علوم کی تقسیم و غایت کے بیان مین لکھی تھی، یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے اس سے پہلے کسی نے اس مبحث پر کچھ نہین لکھا تھا - اس کا ایک نسخہ اسکوریال (واقع اسپین) کے کتب خانہ مین موجود ہے -

فارابی نے بغداد مین مسلسل تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا - یہان تک کہ ان مین کامل اور اپنے ہمعصرون سے ممتاز ہوگیا - بغداد ہی مین وہ کرتی بڑی کتابین تصنیف کین، بغداد سے دمشق پہنچا اور وہان چند روز قیام کرکے مصر چلا گیا - اُس نے اپنی کتاب "سیاست مدن" مین ذکر کیا ہے کہ کہ اُسکی تالیف کا آغاز بغداد مین ہوا اور اتمام مصر مین ۱۸۹۵ء مین یہہ کتاب لیڈن (ہالینڈ) مین طبع ہوئی اور اب مصر مین بھی چھپ گئی ہے جب مصریون کی ہملادت سے فارابی کے علم کا ذائقہ سیر ہوگیا تو سیاح فارابی نے دمشق کا راستہ لیا اور وہین کا ہوکر رہ گیا اُسوقت وہان سیف الدولہ بن حمدان کا عہد تھا جس نے فارابی کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا اور قدردانی کا سلوک -

طالب علمی کا زمانہ ختم کرکے ابونصر نے خود درس کا سلسلہ شروع کیا - طلبہ کثرت سے اُسکی طرف رجوع ہونے لگے وہ تنہائی کو نعمت سمجھتا اور علمی مسائل پر غور و خوض اور تصنیف و تالیف کا شغلہ رکھنے کے لئے دریا کا کنارہ اور باغون کی سبزی مرغوب طبع تھی - وہ درویشانہ زندگی اسباب راحت کو ٹھکرا دیا تھا - دنیاوی شان و شوکت کو وہ نمائش سمجھتا تھا -

امیر سیف الدولہ نے اپنے بیت المال سے چار درہم یومیہ مقرر کر دیئے تھے اس پر قناعت کرتا تھا - اس حکیم جلیل القدر کو دیکھئے اور چار درہم یومیہ کو خیال کیجئے - ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے گویا اُسکی ساری معیشت چاندی کی آجکل کی ارزانی کے لحاظ سے ایک روپیہ

سو پیسہ سے قریب، یا اُس زمانے کے نرخ کا لحاظ کر کے اس سے دوگنی یا تگنی ہوگی ابو نصر کا نہ گھر تھا اور نہ سامان خانہ داری پر نظر کر کے یہ خیال ہوتا ہے کہ فارابی شاید حضرت مسیح کی زندگی کا مقلد تھا۔ نہ لباس کی صفائی کا خیال تھا اور نہ پھٹے پرانے پر نظر، علم اُسکا اوڑھنا بچھونا تھا اور ہر وقت اُسکی تلاش جستجو مین انہماک تھا۔ یا سیر و سیاحت سے دلچسپی،

ابو نصر کی تصانیف سوا سو کے قریب بتائی جاتی ہین اسکی تصانیف کا بڑا حصہ چھوٹے چھوٹے پرزون پر تھا اسی لئے اکثر کمیاب ہین اب چند گنتی کی رہ گئی جن مین کچھ اصل عربی مین ہین اور بعض کا عبرانی مین ترجمہ پایا جاتا ہے۔ ارسطو کی کتاب ارغنون (تنظیم المنطق) کا اس نے نہایت پاکیزہ ترجمہ کیا تھا۔ فارابی کے تصنیف و تالیف کے اصول مین قابل تقلید یہہ بات ہے کہ ترجمہ لفظی نہین کرتا تھا۔ بلکہ کتاب کے صحیح مفہوم کو اپنے روزمرہ کی سیدھی سادھی زبان مین اسقدر خوبی کے ساتھ ادا کر دیتا تھا گویا خود اپنا خیال بے تکلفی سے ظاہر کر رہا تھا منطق اور الہیات مین امام فن مانا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ اور اکثر علماء اسلام نے فارابی پر کفر کے فتوے تک دیدیئے تھے۔ ظاہراً ان تکفیر کی وجہ یہہ معلوم ہوتی ہے کہ اسکی کتابین حشر اجساد سے انکار کرتی ہین جو درحقیقت حکماء یونان کے اقوال کی ترجمانی ہے نہ کہ فارابی کا عقیدہ چنانچہ رسالہ فصوص جو فارابی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان خیالات کا مخالف ہے۔ فارابی ایک ہی وقت مین حکیم بھی تھا اور فلسفی بھی منطقی بھی تھا ادیب بھی، فقہ و احادیث، مذہب و مناظرہ غرضکہ جملہ علوم عقلی و نقلی کا جامع تھا۔ مولانا نفیسی جو بہت بڑے حاذق اطبا مین گذرے ہین، اپنی کتاب شرح اسباب مین فرماتے ہین کہ فارابی مالیخولیا مین مبتلا تھا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اکثر فلاسفر جیسے افلاطون اور دوسرے حکما جو اسکے ہم پلہ تھے۔ یہہ سب لوگ اپنے دماغی افکار کیوجہ سے اسی مرض مین مبتلا تھے۔ بوعلی سینا میخواری مین مشہور تھا جیسا کہ اہل تاریخ نے مشہور کیا ہے۔

سیف الدولہ کا دربار ہر فن کے کاملین کا مجمع تھا۔ ایک روز فارابی بھی ترکی لباس مین اسکے شاہانہ دربار مین پہنچ گیا اور سیف الدولہ کے سامنے کھڑا ہو گیا، سیف الدولہ نے بیٹھ جانے کے لئے اشارہ کیا، فارابی نے کہا۔ کہاں بیٹھون مین جس جگہ کے لائق ہون وہان یا تم جس جگہ کے لائق ہو وہان؟ بادشاہ نے کہا تم جس جگہ کے لائق ہو۔ یہ سنکر فارابی لوگون کو پھاندتا ہوا بادشاہ کی مسند پر جا بیٹھا اور اسکو دھکے دیکر ہٹا دیا بادشاہ کے جلو مین غلام حاضر تھے جن سے وہ ایک غیر معروف زبان مین بات چیت کیا کرتا تھا جسکو ان غلامون کے سوا کوئی دوسرا نہین سمجھ سکتا تھا بادشاہ نے غلامون سے کہا کہ اس شخص کو اپنی گستاخی و بے ادبی کا خمیازہ اسطرح بھگتنا چاہیئے کہ اگر اس نے میرے سوالات کے معقول جواب نہ دیئے تو تم لوگ اسکو جلا کر خاک مین ملا دینا۔ فارابی اسی زبان مین جواب دیتا ہے "کہ اے بادشاہ صبر سے کام لے ہر کام کے انجام کا لحاظ ضروری ہے" بادشاہ تعجب سے پوچھنے لگا کہ کیا تم اس زبان کو جانتے ہو۔ فارابی نے کہا کہ مین سب زبانون سے زیادہ جانتا ہون۔

یہہ واقعہ روضۃ الصفا سے ماخوذ ہے مگر عقل سلیم اسکو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہین ہوتی اس لئے کہ فارابی کا علم و حکمت، تہذیب و انسانیت اور بادشاہ کا رعب و سطوت یہہ تمام باتین ہرگز اس امر کی مقتضی نہین کہ فارابی سے ایسا خلاف تہذیب امر وقوع مین آیا ہو۔ فارابی نے سیف الدولہ کے دربار مین علماء و فضلاء سے مختلف مباحث پر مکالمہ شروع کیا، کون تھا جو اُسکے مقابلہ مین ٹھہر سکتا، جو لفظ نکلتا تھا وہ علمی جواہر پارہ ہوتا، علمائے دربار حیران ہو گئے اور جواب دینے کے بجائے اُسکی تقریر کو قلمبند کرنا شروع کر دیا۔ جب دربار برخاست ہوا تو بادشاہ نے فارابی کو روک لیا اور تبرکاً کی تواضع کی، فارابی نے کہا مین اسکا عادی نہین اور نہ کبھی اس سے اپنے ہونٹون کو تر کیا ہے، ہان گانا جسکو

مین غذاے روحانی سمجھتا ہون اس سے ضرور دل بہلا سکتا ہون۔ بادشاہ نے مغنیون کو حاضر ہونے کا حکم دیا جشنین گویون کیطرح گویئے لگین ہر قسم کے ساز چھڑ گئے لیکن ادھر یہ حال تھا کہ جو ساز شروع ہوتا تھا فارابی ٹوک دیتا تھا اور کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تم موسیقی سے بھی واقف ہو؟ فارابی نے کہا جی ہان جانتا ہون اور یہ کہکر اپنی کمر سے اسنے ایک تھیلی نکالی اور اسمین سے چند لکڑیان نکالین پھر ان کو آپس مین ملا کر اس ترکیب سے بجایا کہ تمام دربار زعفران زار بنگیا۔ دوسری ترکیب سے اس ساز کا چھیڑنا تھا کہ لوگون نے رونا شروع کیا۔ تیسری ترکیب نے سونے کی دونون حالتون کو خواب کی صورت مین بدلدیا اور سب کو اسی غفلت مین چھوڑ کر چلدیا۔ الغرض فارابی موسیقی مین عجب کمال ثبوت مانا گیا ہے۔ تاریخ حکما کا مؤلف لکھتا ہے کہ اسنے ایک ایسا حیرت انگیز باجہ ایجاد کیا تھا جس کے نغمے سامعین کے جذبات مین آگ لگا دیتے تھے لیکن اگر فارابی کا اتفاق سے گذر ہو گیا اور اس نے اپنا ساز چھیڑ دیا تو ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔ ایک واقعہ بھی درج کیا ہے جو صاحب روضۃ الصفا کے بیان کئے ہوئے واقعہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قانون (ساز) اسی کی ایجاد ہے

روضۃ الصفا مین لکھا ہے کہ فارابی عسقلان کے سفر مین ڈاکوون کے ہاتھ سے مارا گیا جبکہ اس کے پاس کے سب تیر ختم ہو گئے تھے۔ سیف الدولہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے قاتلون کی گرفتاری کا حکم دیا جب وہ پابزنجیر حاضر کئے گئے تو سیف الدولہ نے حکم دیا کہ ان ظالمون کو فارابی کی قبر کے پاس لے جا کر سولی دی جائے

سنہ ۳۳۹ھ یا سنہ ۳۴۰ھ مین ۸۰ یا ۶۹ برس کی عمر پا کر فارابی نے دمشق ہی مین اپنی فلسفیانہ اور حکیمانہ زندگی کو خیرباد کہا اور دمشق کے باہر دفن ہوا سیف الدولہ نے اپنے چار خاص عالمون کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی۔ چار عالم اور ایک سیف الدولہ کے سوا کوئی چھٹا شخص جنازہ کی نماز مین شریک نہ تھا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شامیون کے تعصب کیوجہ سے سیف الدولہ ایسے جلیل القدر بادشاہ نے بھی یہ پسند نہ کیا کہ مرنے کے بعد فارابی کے معتقدات مذہبی کو صدمہ پہنچے۔ اس سے اس نے چند اپنے ہی علما کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کر اس علمی خزانے کو سپرد خاک کر دیا یہ بھی مشہور ہے کہ فارابی نے سیف الدولہ سے یہی وصیت بھی کی تھی۔

یہ ابن خلکان اور طبقات الاطبا کی مورخانہ روایتین ہین۔

فارابی کی تصانیف مین اس کے کہے ہوئے اشعار بھی پائے جاتے ہین منجملہ ان اشعار کے جو اسکی طرف منسوب ہین، بعض وہ ہین جو اسنے اپنے احباب کو خطون مین لکھے تھے، ایک حکیم و فلسفی کی شاعرانہ فکر بھی دیکھ لیجیے:-

ان تقاعد جسمی عن لقائکم — الا وقلبی الیکم شیق عجل

گو میرا جسم تمہاری ملاقات سے باز رہا ...... مگر ...... میرا دل تمہارا ہی رہا اور تمہارے پاس آنے مین جلدی کرنے والا تھا

وکیف یقعد مشتاق یحرکہ — الیکم الہوی والشوق والامل

بھلا وہ مشتاق قرار سے کیونکر بیٹھ سکتا ہے جسکو شوق اور امید دونون ابھار ابھار کر تمہاری طرف لیجا رہی ہون

فان نہضت فمالی غیرکم وطن — وکیف ذاک ومالی عنکم بدل

پس اگر مین اٹھون بھی تو تمہارے سوا میرا کوئی وطن نہین اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ تمہارا بدل میرے لئے کوئی نہین ہے

وکم تعرض بی الاقوام قبلکم — یستاذنون علی قلبی فما وصلوا

اور تم سے پہلے لوگون نے مجھے کتنا ہی چھیڑ چھیڑ کر میرے دل مین جگہ کرنیکی اجازت چاہی لیکن انکی رسائی نہو سکی

ہوش بلگرامی

عود شباب

افسانہ

(۱)

ہر شام جب شفق مغرب کی زرین سرخیاں اولمپس کی مقدس چوٹیوں پر لالہ پاشی میں مصروف ہوتیں، اور دیوتاؤں کے محبوب مسکن کی دلفریب وادیاں آفتاب کی آخری شعاعوں سے منور ہو جاتیں تو بوڑھا ساحر ایک طویل آہ سرد کے ساتھ افسردگیوں کی نیند سے بیدار ہوتا۔ اپنے بوسیدہ بربط کو اٹھاتا۔ اور دامن کوہ میں پانی کے ایک بلوریں چشمہ کے کنارے جا بیٹھ جاتا۔ اسکے لرزاں ہاتھ بربط کے زنگ آلودہ تاروں کو نغمہ آفرینی کا پیغام دیتے اور مقدس مسکن کی مقدس فضا اسکی موسیقی سے معمور ہو جاتی۔ یہ اسکا معمول تھا

ہر صدا جو بربط کے تاروں کی لرزش سے پیدا ہوتی، دنیائے عہد اولین کی معصومیت کی تفسیریں اس وادی کی وسعتوں پر چھا جاتی جس کی پاک بلندیاں ابھی تک انسانی معصیت کی عریانیوں پر خندہ زن تھیں۔ اور دیوتاؤں کے بلند قہقہے جو ابن آدم کے فرزندوں کے کان نہیں سن سکتے۔ خاموش ہو جاتے حسین اور مطلاحت دیویاں اپنے دلفریب مشاغل کو چھوڑ کر ہمہ تن محو ہو جاتیں۔ اور آسمانی ہستیوں کی مختصری آبادی۔ خاموش ہو جاتی۔

ایک شام جب آفتاب کی روشنی میں زردی پیدا ہو گئی تھی۔ ساحر حسب معمول اپنے گوشہ تنہائی سے نکلا۔ بربط شانہ پر تھا۔ اور نگاہ ان بلندیوں پر جن کی آبادی کو وہ مدت سے اپنے ساز کی نغمہ آفرینیوں سے مسحور کرتا رہا تھا وہ آہیں بھرتا اور ڈگمگاتا آیا۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ نغمے حسب معمول تاروں سے بے تابانہ نکلنے اور اضطراب انگیزیوں سے وادی میں گونجنے لگے۔ نسیم فردوسی بیقرار ہو کر جنبش میں آئی۔ اور ساز کی رنگینیاں جنہیں قدرت نے ہمیشہ کے لئے اس وادی کی خدمت سپرد کر دی تھی۔ چٹک اٹھیں پھول بے تاب ہو گئے۔ اور غنچوں نے بے اختیار منہ کھول دیئے۔ اپالو دیوتا جس کے جبروت اقتدار کا عکس آفتاب کی جلوہ ریزیوں میں نمایاں ہے۔ آج اسقدر متاثر ہوا۔ کہ والہانہ طور پر پکار اٹھا۔ اے خاطی انسان کے بربط نواز فرزند۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔

بوڑھے ساحر کے ہاتھ سے بربط چھوٹ گیا۔ وہ فرط عقیدت سے سجدے میں گر گیا۔ اور بولا "پاک اولمپس کی پاک بلندیوں کے مقدس دیوتا۔ میں شباب مانگتا ہوں"۔ اسکے بعد خاموشی چھا گئی۔ اپالو کے منور چہرہ پر ایک خفیف سی تبسم کی لرزش پیدا ہوئی اور اس نے جواب دیا "جا۔ تیرے بربط کے نغموں کی شیرینی کے صلے میں اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار نے تیری التجا قبول کی۔ کل صبح آفتاب کی پہلی شعاع جب تیری جھونپڑی کی شکستگی کو روشن کرے گی۔ تو تو اپنے آپ کو جوان پائیگا"۔ ساحر فرط خوشی سے چلا اٹھا فیاض دیوتا تیری تعریف ہو۔ محبت اور عشق کی برکتوں سے میرے عہد شباب کو منور کر دے"۔ آواز آئی "ایسا ہی ہوگا۔ جا کل کی آنے والی گھڑی کا انتظار کر۔ مگر اولمپس کے سردار کی نوازش کا راز افشا نہ کرنا"۔ بوڑھے مسافر نے کانپتی ہوئی زبان سے شکریہ ادا کیا۔ اور خوشی خوشی گھر واپس آیا۔ جب وہ اپنے شکستہ جھونپڑے میں پہنچا۔ تو رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ تمناؤں کے ہجوم سے مخمور ہو کر۔

اس نے اپنے آپ کو اپنی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر گرا دیا۔ اس کامیابی کے نشہ سے سرشار دماغ ہول کی امنگوں کو قابو مین نہ رکھہ سکا۔ اور وہ بیہوش ہوگیا۔ رات بھر اسی عالم سکرات مین پڑا رہا۔ اور جب صبح اپنی ہنگامہ خیزیون کو لے کر اُفق مشرق سے برآمد ہوئی۔ تو بوڑھا ساحر اس کے استقبال کے لئے اپنے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ لیکن آفتاب کی پہلی شعاع اسکے جسم کو گرم نہ کر چکی تھی کہ ساحر کی جھریان شباب کی رعنائیون مین تبدیل ہو گئین (۲) اسکے دل مین جذبات کا سمندر موجزن تھا۔ اور اسکا دماغ جوانی کی کیفیتون سے مسحور ہوا جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا (اور کیون نہ چاہتا) کہ اس محدود رقبہ کی تنگیون کو جہان بڑھاپے کی بے دست و پائی نے اُسے محصور کر رکھا تھا چھوڑ دے۔ اور اُن لذتون کے لئے اپنی توانائی وقف کردے، جو شباب کی سرور آفرینیون نے اسکے لئے مہیا کر دی تھین۔ اُسنے ایک حقارت بھری نگاہ اپنے جھونپڑے پر ڈالی۔ اُسکا دل بڑھاپے کی اُس یادگار سے بیزار ہوگیا۔ اُسنے اپنے بڑھاپے کے واحد رفیق اور غمگسار بربط سے بھی منہ پھیر لیا۔ اُسکی بوسیدہ ہڈیون کو استغنا کے پاؤن سے ٹھکرا دیا۔ اور جوانی کی سرزمین کو محبت کی مسرتون سے آباد کرنے کا تہیہ کرلیا۔ وہ کہتا تھا "مین محبت کرون گا۔ مین کس قدر نادان تھا۔ کہ گذشتہ زندگی کی قیمتی گھڑیون کو بربط کی نغمہ سرائی مین ضائع کر دیا۔ اور ایسے شغل سے جسکا انبساط ابلیس کی بلندیون کو جاودانی مسرتون سے معمور رکھتا ہے۔ محروم رہا۔ اب مین اپنے دل کو حُسن و عشق سے بہرہ یاب کرون گا۔ اور اپنی زندگی کی نئی مہلتون کو جن مین ایالو نے شباب کے جوش سے کامیاب بنایا ہے۔ الفت کے قدمون پر ڈالون گا۔ جب میرے جذبات کی شورشین بربط کے تارون سے ہمکنار ہو کر نکلین گی۔ تو دنیائے عشق کے افسانے سوز و ساز کی رنگینیون سے منور ہو جائین گے۔ مین آرزؤن کی سرزمین کو سرسبز کر دون گا۔ اور آہون کی ناکامیون کو امید کی فراوانیون مین تبدیل ــ

(۳)

دامن کوہ مین ایک مرغزار تھا۔ جسے آب و ہوا کی لطافت نے سبزیون سے مالا مال کر دیا تھا۔ بہار کے جلوے ہمیشہ اُسکی آغوش مین کھیلتے رہتے۔ اور خود رو پھولون کے رنگ اسکو ہمیشہ رنگین بنائے رکھتے تھے۔ پہاڑ کی بلندیون کی برف ڈھل ڈھل کر آتی تھی اور اپنی روانی سے اسے شاداب بنائے رکھتی تھی۔ یہ سرزمین جسے کیوپڈ نے محبت کی جذبہ رانیون کے لئے منتخب کیا تھا ننھی ننھی پردار مخلوق کے چہچہون اور انکے پرون کی پرواز سے آباد تھی۔ اسی سبزہ زار کے ایک سراپا بہار گوشے مین جہان درختون کی گھنی شاخین ایک کنج خلوت بنانے کے لئے آپس مین ہمکنار ہو رہی تھین۔ بوڑھا ساحر جسکو اب جوانی کی کامیابیون نے سرور و انبساط سے معمور کر رکھا تھا۔ ایک حسن دلکش کے حضور مین دو زانو بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا "میرے بربط کے تارون کی صدائین اپنی ناکامی کی معترف ہین۔ اور میرے ہنگامہ خیز جذبات اپنی نارسائیون کا اقرار کرتے ہین۔ کیونکہ اے نادرۂ روزگار جولیا! میری موسیقی تیری بے پناہ نگاہون سے مسحور ہو چکی ہین اور تیری سیاہ آنکھون نے میرے دل کی تمناؤن مین ایک تلاطم برپا کر دیا ہے۔ مین تیرے شوق دیدار کی مسرتون کی روانی مین بہا جاتا ہون۔ آ میرے قلب کی مدہوش کیفیتین تیرے قدمون پر نثار ہونے کے لئے بے تاب ہین اور عشق تیرے حسن کی سحر آفرینی پر فدا ہونے کے لئے بے چین" وہ اپنے آپ کو قابو مین نہ رکھہ سکا۔ اور یہ کہہ کر حسین جولیا کے قدمون پر گر پڑا۔ "اولیس کے باقتدار دیوتا تیری تقدیس"

جولیا کے نازک گلابی ہونٹ ایک روشن تبسم سے رنگین ہوگئے۔ اور اسکا دلفریب حُسن گرمیٔ محبت کی سُرخیون سے چمک اُٹھا۔ کیونکہ عشق جب اپنے جذبات کو اظہارِ شوق مین محو کر دیتا ہے۔ تو حُسن کی زینت آرائیان بےچین ہوجاتی ہین۔ جولیا کی نگاہین اعترافِ محبت کی روشنی سے معمور ہوگئیں۔ اُسنے فتحمندانہ انداز سے اپنے پرستار کو دیکھا۔ اور بولی "جولیس۔ اُٹھ۔ کہ بہار کی جلوہ پاشیان نسیم جان افروز سے ہمکنار ہورہی ہین اور آبِ روان کی لرزشین آفتابِ عالمتاب سے ہم آغوش ہوکر عالم بیخودی مین رقص کر رہی ہین۔ پرندے ہماری کامیابی کے گیت گاتے ہین۔ اور مرغزار کے سبزہ پوش فرطِ سرور مین جھوم رہے ہین۔ اُٹھ۔ کہ حُسنِ فطرت کے دیوتا نے سبزہ زار کو بہار کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اور اقلیمِ عشق کی وجدانی کیفیتین ہماری منتظر ہین۔ آ۔ کہ قدرت کی اعجاز نمائی کو انسانی محبت کی جادوانیون سے منور کر دین"۔ جولیس اُٹھا۔ مگر اس حالت مین کہ خوشی کے آنسو اُسکے رخسارون پر ڈھلک رہے تھے۔ اُسنے اپنی نگاہین اُٹھائین۔ اور بیخود ہوکر اپنے آپ کو جولیا کے آغوش مین ڈال دیا۔

(۴)

جاہ و اقتدار کی خودسری نے جولیس کے شباب کو ہوس رانیون مین بدل دیا۔ اسکا گنہگار دل معصیت کی تاریکیون مین گم ہوگیا۔ اور اسطرح سے اُسنے آپالو کی دی ہوئی نعمت کی ہتک کر کے اُسکی برکتون کو پاؤن سے روند ڈالا۔ جولیا کی سرد آہین اور گرم آنسو باوجود اپنی تمام لجاجت اور عاجزی کے اُسے گمراہیون کی سرزمین سے واپس نہ لا سکے۔ وہ گنہگاریون کی تاریک گہرائی مین بڑھتا چلا گیا۔ یہان تک کہ نازنین جولیا اسکی جانب سے مایوس ہوگئی۔

(۵)

جب جولیا کی زندگی کی رونق مایوسی اور ناامیدی کی افسردگیون پر ختم ہوکر ویران و برباد ہوچکی تو اُسنے جولیس کی آئے دن کی ستم رانیون سے تنگ آکر ارادہ کر لیا۔ کہ انسانی جور و جفا کی ظلم انگیزیون کی داستان دیوتاؤن کے بااقتدار شہنشاہ کے گوشگذار کرے۔ اور اپنے خون شدہ دل کی حسرتون کو وہ ابلیس کی قدسی صفات مخلوق کے پاؤن مین ڈال دے۔ چنانچہ ایک رات جب کہ جولیس کے معصیت آفرین قہقہے پاکدامنی کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ جولیا سینہ پر آہنی (ارادے کا استحکام اسکے کمزور اور نحیف جسم کو سنبھالے ہوئے تھا) اور جولیس کی خوابگاہ مین داخل ہوگئی۔ اور بےاختیار ہوکر پکاری "آپالو کی فیاضی کو اپنی بداعمالیون سے ذلیل کرنے والے انسان اپنی دلفریبی کا افسانہ میرے افسردہ جسم کی شکنون مین پڑھ۔ میری آنکھین مدتون تیری جفاکاریون کا ماتم کرتی رہین۔ تجھے کیا ناکامیون نے اُنہین خاموش کر دیا۔ تو نے اپنی کس مپرسی کا زمانہ فراموش کر دیا ہے۔ مگر یاد رکھ وہ دیوتا جسنے تجھ کو اپنے بدل انعام سے سرفراز کیا ہے۔ میرے دُکھ درد کے آنسو بھی قبول فرمائیگا۔ مین آج ہمیشہ کے لئے سیاہ کاریون کی اس چار دیواری سے جسے تیرا غرور شاہی محل کے نام سے پکارتا ہے۔ رخصت ہوتی ہون۔ خبردار ہو جا۔ کیونکہ سیاہ کاریون کی عمر تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بداعمالیان بہت جلد بےبسی مین بدل جاتی ہین"۔ وہ خاموش ہوگئی۔ جولیس جسکا دماغ اسوقت شرابِ لالہ گون کی مستیون کا منت پذیر تھا۔ چلایا۔ "یہ دیوانی کون ہے۔ دربان۔ یہ شاہی محل مین کیسے آگئی"۔ دربان بھاگا آیا۔ مگر جولیا جا چکی تھی۔

(۶)

شام ہوچکی تھی۔ اور دن کا فرمانروا یعنی آپالو روشنی کے طویل سفر سے ابھی ابھی واپس لوٹا تھا۔ شفق کا تبسم اُسکے نورانی ہونٹون کو شگفتہ کر رہا تھا۔ اور اُسکی پیشانی انوارِ آسمانی کے جلوون سے تابندہ تھی۔ جب اُسکے سریع السیر قدمون نے ابلیس کی [illegible] کو روشنی کی برکتون سے منور کر دیا۔ اور

اُسکی عظمت و بزرگی کے پرستار بڑھے۔ کہ اُسکے نورانی ہاتھوں کو اپنی فرمان برداری کی عقیدت مندیوں سے چومین۔ تو یکایک شور و شیون کی صدائین اُسکے رفیع الشان مسکن کے دامن مین بلند ہوئین۔ اور دیوتاؤن کی آرام گاہین دکھی اور دردمند دلکی فریادون سے لرز اٹھین۔ دیوتا کی باجبروت پیشانی شکنون سے سکڑ گئی۔ اور اُسکا سفید و سُرخ چہرہ جوش غضب سے تاریک ہو گیا۔ معاً آسمان پر کالے بادل چھا گئے۔ رعد کی مہیب صداؤن نے خاطی دنیا کی آبادیون کو گھیر لیا۔ زمین وحشت خوف و ہراس کی اندوہناک مصیبتون سے لبریز ہو گئی اور آدم کے نافرمان بیٹیون کے شور و پکار نے فضا کو معمور کر دیا۔ یہ حالت تھوڑی دیر تک رہی۔ ابلیس کی فردوس نما دادیونکا با اقتدار شہنشاہ اپنے پرستارون کی عقیدتمندیون کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ گرجنے والے بادلون نے اپنی غضبناک صداؤن کو لپیٹا۔ اور پسپا ہو گئے۔ عناصر کی باہم ہنگامہ آرائی ختم ہو گئی۔ اور آسمان کی پیشانی ستارون کی روشنی سے چمک اُٹھی۔ جب دنیا کو اس قہر و غضب سے نجات ملی تو انسان کی ستم رانیون کے فریادی نے پھر اپالو کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اُسنے حاجب کو حکم دیا۔ کہ جائے اور دریافت کرے۔ کہ کون ہے۔ حاجب نے اپنا پردار عصا اٹھایا۔ اور عالم بالا سے زمین کی پستی کی جانب اُترا۔ دامن کوہ مین پہنچکر اُسنے ایک پریشان حال عورت کو دیکھا۔ کہ سجدے مین پڑی ہے اور اپنی بدبختیونکا ماتم کر رہی ہے۔ حاجب بولا " تو کون ہے " عورت نے روتے ہوئے جواب دیا " مین بدنصیب جولیا ہون " دیوتاؤن کے پردار ایلچی نے منہ پھیر کر آنسوؤن کے دو چار قطرے زمین پر گرائے کیونکہ دیوتا فانی انسان کے سامنے نہین روتے۔ اور پوچھا " تو کیا چاہتی ہے " دکھیا عورت نے اپنا سر اٹھایا۔ اور پھٹے ہوئے دامن سے آنسو پونچھ کر بولی " روشن چہرہ والے اجنبی کیا تو اپالو ہے " وہ بولا " نہین۔ مین اُسکا پیغامبر ہون " جولیا نے کہا " رحمدل دیوتا۔ جا تجھے مجھ سے کیا کام۔ مین اور میری فریادین تیرے آقا کو پکارتی ہین " جولیا یہ کہکر پھر سجدے مین گر پڑی۔ اور رنج و ملال کی جگر دوز صدائین پھر ابلیس کے سکون کو تہ و بالا کرنے لگین۔ اب اپالو اپنے تخت زرین سے اُٹھا۔ اُسنے اپنی جہان بین آنکھین دنیا کی پستیون کی جانب ڈالین اور دیکھا۔ کہ دامن کوہ کی گہرائیون مین حوّا کی ایک بدقسمت بیٹی پیشانی سنگریزون پر رکھے اپنی تقدیر کو رو رہی ہے۔ اُسکا باخبر دل نسانی محبت کی ناہمواریون کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اور وہ پکارا " ماتم بند کر۔ اپنی پیشانی اُٹھا۔ اور بتا۔ کہ تو اپالو سے کیا چاہتی ہے " جولیا بولی " عشق ناکام نے میری ہستی کو بے رونق بنا دیا ہے۔ اور محبت کی تلخ افسردگیون نے میری مختصر زندگی کی خوشیون کو پامال کر دیا ہے۔ اسلئے مین اپنی تمنا کی افسردگی کو تیرے قدمون پر ڈالنے کے لئے لائی ہون میری نذر کو قبول کر۔ اور جولیس کی ہوس رانیونکا خاتمہ کر دے " جولیا خاموش ہو گئی شام کی تنہائیون نے افسردگی کی چادر مین منہ چھپا لیا۔ بہار کی رنگینیان مکدر ہو گئین۔ انسانی جذبات کے عبرتناک انجام کے غم آگین افسانے نے فضائے عالم کی وسعتون کو تاریک کر دیا۔ اور اپالو کی پرنور جبین جوش انتقام سے سکڑ گئی اُسکی غضب آلود نگاہین اُوپر کی طرف اٹھین۔ اور بجلی اپنی تباہیونکا سامان لیکر بادلون کی ظلمتون پر چھا گئی۔ رعد نے اپنی صداؤن کو خاطی دنیا کی فراخ سطح پر پھیلا دیا۔ ہوا حرکت مین آئی اور انسانی دل جن کی جسارت ناپاکیون کے طوفان سے خائف نہین ہوتی۔ قدرت کی سخت گیریون کو برسر پیکار پاکر خوف و دہشت سے کانپ اُٹھے۔ آسمان کی بلندیان انتقام کی ہنگامہ آرائیون سے تاریک ہو گئین۔ اور اپالو کے انتقام آتشین نے اُسکے محلسرا کو شعلون کے آغوش مین دیدیا۔ گناہ کی مختصر سی سنگین دنیا کچھ مدت کے لئے روشن ہو گئی۔ اور جب قہر و جبر دیوتا کے کارفرما اپنا آتشین فرض ادا کر چکے۔ تو اپالو نے ایک آہ سرد بھری اور مڑا۔ کہ جولیا نے بڑھ کر اسکا دامن تھام لیا " اور بولی " اے۔ دائمی اقتدار کے مالک دیوتا۔ تیری تقدیس ہو۔ میری تلخ کامیون کی فریاد " ——— اپالو بات کاٹ کر بولا " تیری ناکامیونکا انتقام لیا جا چکا ہے۔ گذشتہ زندگی کی تلخیون کو بھول جا۔

شباب کی رعنائیاں پھر ایکبار تیری ہیں۔ جا عشق کی دلربائیوں سے کھیل۔ اور اپنے حسن عالم افروز سے آدم کے فرزندوں کو بہلا" جولیا کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر اپالو جا چکا تھا۔ اب رعد کی گرج اُفقِ مشرق کی دوری میں گم ہوگئی۔ اور برقِ سوزاں کی تیزی نے سُرعت سے بے تابیوں کے اسباب کو سمیٹ لیا۔ ہوا کی تیزی سکون سے بدل گئی۔ اور آسمان کی کدورتیں زائل ہوگئیں۔ ہنگامہ خیز رات کے گذر جانے کے بعد صبح نمودار ہوئی۔ اور نسیم سحر نے پھر ایکبار دنیا کو سکوت و سکون کا پیغام پہنچایا۔ تو جولیس اور اُسکی عشرت گاہ کی خاک پر ماتم کرنے والوں کے ہجوم نے ایک زاہد فریب حسینہ کو دیکھا۔ کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے شباب کی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اور اپنی بلوریں انگلیوں سے راکھ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ یہ جولیا تھی۔

(۷)

ناشکر گذار جولیس کی بے اعتدالیوں کے بے نشان مزار پر جولیا نے ایک مختصر سی نشست گاہ تعمیر کرائی۔ اور عین اُس جگہ پر جہاں شباب کی جذبہ رانیاں امارت کی فراوانیوں سے ہمکنار رہا کرتی تھیں حسن ہنگامہ خیز نے اپنی جلوہ آرائیوں کے لئے ایک کنج خلوت کا انتخاب کیا جو جلد عاشقانِ ناکام کی سرد آہوں سے معمور ہوگئی۔ لوگ خلوص و ایثار کے نذرانے لے کر جولیا کے حضور میں آتے اور نامراد واپس جاتے۔ دولت و اقتدار اپنے تمام جلوؤں کے ساتھ فخر و غرور سے آتی اور عجز و انکسار سے سر جھکا کر لوٹ جاتی شجاعت اور بہادری کی ولولہ انگیزیاں سُرعت سے قدم بڑھاتیں۔ اور نگاہوں کی تاب نہ لا کر شکست خوردہ واپس جاتیں۔ آخر کار جب جولیا کے حسن نے تمناؤں کی دنیا میں ایک ہنگامہ پیدا کر دیا۔ تو پھر سرد آہیں دیوتاؤں کی پاک آبادی کی طرف بڑھیں یعنی پھر ایکبار اپالو کا مقدس مسکن داد خواہوں کی چیخوں سے گونج اُٹھا۔ ابلیس کا فرمانروا مسکرا دیا۔ اور حاجب کو حکم دیا۔ کہ جولیا کو اسکے حضور میں پیش کرے۔ جولیا مسکراتی ہوئی آئی۔ اور اپالو کے تختِ زریں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور بولی "دیوتاؤں کے شہنشاہ تیری مرضی پوری ہو" اپالو مسکرایا اور بولا "اب تیرا جذبہ انتقام پورا ہو گیا ہوگا۔ ادھر دیکھ"

جولیا کی نگاہوں کا اپالو کی نگاہوں سے ملنا تھا کہ اُسکا انسانی لباس اتر گیا اور وہ ابلیس کی غیر فانی مخلوق میں شامل ہوگئی

امیر حسن ناز سیالکوٹی

یہ کسکو اپنی سنانا تھا یادگار مجھے ازل کے روز ملا دل جو داغدار مجھے
بقدر ظرفِ محبت کی تھی ہوئی تقسیم چمن کو پھول ملا سینۂ فگار مجھے
گلوں میں رہ کے مرا دل شگفتہ ہو نہ سکا خزاں کا رنگ دکھاتی رہی بہار مجھے

مجنون گورکھپوری

خمسہ بر غزل میر تقی میر علیہ الرحمۃ

غرور تاجداری نے مزین کرکے زندان کو　　کیا پابستۂ زنجیر جب یوسف سے مہمان کو
خبر اسکی ہوئی جس روز سے اک خستہ ماں کو　　نسیم مصر کب آئی سواد شہر کنعان کو
کبھو جھولی نہ یان سے لیگئی گلہائے حرمان کو

زمانے بھر کا غم شاید مری حصے مین آیا ہے　　کہ خود رویا ہون اور محفل کی محفل کو رلایا ہے
یہہ کیسی خاک سے تونے مرا پتلا بنایا ہے　　زبان نوحہ گر ہوں مین قضا نے کیا ملایا ہے
میری طینت مین یارب سودۂ دلہائے نالان کو

صلہ نومیدئ جاوید کا اک اشک ترس ہے　　نہین تو جانے والے ایک عبرت کی نظر بس ہے
تری بے اعتنائی سے حذر بس ہی حذر بس ہے　　کوئی کانٹا سرہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل گلزار کیا درکار ہے گور غریبان کو

کسی پہلو قرار آتا نہین بسمل کو اے ناصح　　تڑپتا ہے ہوائے خنجر قاتل کو اے ناصح
بہت مشکل ہے تو سمجھے میری مشکل کو ای ناصح　　یہہ کیا جانوں ہوا سینے مین کیا اس دل کو ای ناصح
سحر خون بستہ تو دیکھا تھا مین نے اپنی مژگان کو

نہ کچھ خوف خدا اسکو نہ کوئی عار گزرے ہے　　وہ چارہ ساز بنکر زخمیوں کو مار گزرے ہے
کوئی پوچھے تو یہہ کہتا ہوا اک بار گزرے ہے　　صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار گزرے ہے
کسو بیدرد نے کھینچا کسو نے دل سے پیکان کو

(نواب) جعفر علی خان اثر لکھنوی

بشریت کا مہد اولین

یا

یا سرزمین مابین النہرین

(دجلہ و فرات)

جغرافیۂ قدیم کے علمانے سرزمین مابین النہرین یعنی میسوپوٹیمیا کی حدبندی مین اختلاف کیا ہے بعض کا خیال ہے کہ اِس ملک کی جنوبی حد خلیج فارس تک پہونچتی ہے، اور بعض کہتے ہین کہ اسے موجودہ عراق عرب کی جنوبی سرحد تک سمجھنا چاہیئے ۔ دنیا کی قدیم روایات اور قبل تاریخ کے افسانون مین اِس ملک کا ذکر آیا ہے، توریت مین اِس کو آرام النہرین اور فدان آرام کے نام سے یاد کیا گیا ہے، قدیم مصریون نے اِسے نہرینا یعنی سرزمین نہرین لکھا ہے، اور یہی نام مصر کے ان نقوش مین ملتا ہے، جو مسیح علیہ السلام سے آٹھ صدی پہلے کے ہین ۔ آرامی زبان مین اِس کو "بیت نہرین" یعنے نہرین کا درمیانی ملک کہتے ہین ۔

اقسام زمین کے لحاظ سے اِس ملک کے دو حصے ہین، ایک وہ جو دریائے فرات کے کنارے کنارے نہر خابور تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ حصہ زیادہ آباد و شاداب ہے، دوسرا بقیہ حصہ ملک ہے، جو دریائے دجلہ کے کنارون تک شمار ہوتا ہے،

بعض اہل جغرافیہ کا یہ غلط خیال ہے کہ مابین النہرین صرف اِس سرزمین کو کہتے ہین جو دریائے فرات اور نہر خابور کے درمیان واقع ہے ۔ کیونکہ یہ اصطلاح اُس وقت کی ہے جبکہ ۱۵۶ ق م مین اِس ملک پر رومن سلطنت کا قبضہ ہو گیا تھا، چونکہ اُن کے مقبوضہ علاقہ کے سیاسی حدود فرات اور خابور کے درمیانی علاقہ مین منحصر تھین، اس لئے صرف اِس حصہ پر مابین النہرین کا اطلاق کیا گیا، درحقیقت مین مابین النہرین اُس تمام علاقہ کا نام ہے، جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے البتہ ان دونون دریاؤن کے منابع کے قریب جو ملک ہے، اسے اکثر علمائے جغرافیہ نے آرمینیا کا جز تسلیم کیا ہے، لہٰذا اِس تحقیق کی بنا پر مابین النہرین کے حدود حسب ذیل ہین ۔

مغرب مین دریائے فرات، مشرق مین دریائے دجلہ، شمال مین پہاڑون کا وہ سلسلہ جس کا قدیم نام جبال طوروس ہے اور آجکل اُسے قرہ جہ داغ کہتے ہین، اور یہ وہ کوہستانی سلسلہ ہے، جس مین دریائے دجلہ و فرات ہو کر گزرتے ہین، اور ان پہاڑون سے گذرنے کے بعد یہ دونون دریا ایک وسیع اور سرسبز میدان مین ایک دوسرے سے دور ہوتے ہوئے چلے جاتے ہین اور جنوب مین اِس سرزمین کی حد قادسیہ کے پاس اِس مقام سے کچھ آگے ختم ہوتی ہے جہان دجلہ و فرات ایک دوسرے سے قریب ہو کر پھر علیحدہ ہو جاتے ہین، اثری تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہان اہل بابل نے زراعت کی سیرابی کے واسطے نہایت باقاعدہ چھوٹی اور بڑی نہرین کھود دی تھین، اور اِس سیرابی کے بدولت یہ ملک آبادی مین ضرب المثل ہو گیا تھا،

اس ملک کی مٹی اور اسکے طبعی خواص کا مطالعہ کرکے علمائے طبقات الارض (جیالوجسٹ) اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ ازمنہ قدیم مین (تخلیق انسان سے لاکھون برس پہلے) خلیج فارس انھین حدود سے شروع ہوتی تھی،

ارض مابین النہرین کا رقبہ (۵۵۲۰۰) میل مربع ہے، شمالی حدود کے نزدیک جہان دجلہ و فرات پہاڑون سے نکلتے ہین، زمین کی بلندی سطح سمندر سے صرف (۱۶۵) فٹ رہ گئی ہے،

ملک کے دو حصے اور انکی تاریخ — ہم پہلے میسوپوٹیمیا کو باعتبار اقسام زمین دو حصون مین تقسیم کرچکے ہین۔ لیکن جغرافیین کی ایک جماعت نے اس ملک کو تین حصون پر اس طرح تقسیم کیا ہے،

(۱) بلاد شمالی جو دریائے خابور سے مغرب کی طرف واقع ہین۔

(۲) بلاد شمالی و مشرقی،

(۳) بلاد جنوبی۔

قسم اول ان بلاد کو شامل ہے جس کا ذکر اسفار توریت مین ارام النہرین اور "فدان آرام" کے نام سے آیا ہے۔ اور یہ بلاد سلوقین (خلفائے سکندر) کے زمانہ مین "اوزرحونہ" یا "اور حونہ" کے نام سے مشہور تھے۔

بلاد شمالی پر مختلف سلطنتون نے حکومت کی ہے اس کا پایہ تخت شہر ادیسہ تھا جسکو آج کل "اد" یا "رہا" کہتے ہین۔

قسم ثانی یعنی بلاد شمالی یا مشرقی مملکت اشور قدیم مین داخل تھی اور ان کا پایہ تخت شہر نینوی تھا جو دجلہ کے مغربی ساحل پر ایک بڑا تاریخی شہر تھا۔ اس شہر کے کھنڈر موجودہ شہر موصل کے بالکل سامنے ہین۔

قسم ثالث یعنے بلاد جنوبی حکومت بابلیہ قدیم مین داخل تھے جس کا پایہ تخت شہر بابل تھا یہ شہر بھی تاریخ مین بڑی شہرت رکھتا ہے اس کا محل وقوع دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر ہے۔

یہ ارض مابین النہرین کی مختصر جغرافی تقسیم ہے جو تاریخی حالات سے قبل بطور مقدمہ درج کیگئی۔ اب ہم اس ملک کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہین کیونکہ اس سرزمین کا تفصیلی حال لکھنے کے لئے سیکڑون جلدین بھی کافی نہین۔

مملکت بابل۔ ارض مابین النہرین یا میسوپوٹیمیا مین یہ مشہور ترین سلطنت گذری ہے اور حقیقت مین اس کی تاریخ ان تمام حکومتونکی تاریخ کو شامل ہے جو دریائے فرات اور دجلہ کے کنارون پر قائم ہوئین اس سلطنت کے حدود شہر حت سے جو فرات پر شمالی طرف واقع ہے شہر سامرہ تک جو دجلہ پر جنوب کی طرف ہے پھیلی ہوئی تھین اس کا پایہ تخت بابل مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے اپنے تمدن کے لحاظ سے دنیا مین مشہور تھا بلکہ ان قدیم آثار سے جن کی تحقیقات علمائے آثار نے کی ہے ثابت ہوتا ہے کہ بابلی تمدن کا آغاز تین ہزار برس قبل مسیح سے ہے۔

تاریخ اس کی رہبری نہین کرتی کہ بابلی قوم کی اصل کیا تھی لیکن اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس قوم کے دو مختلف حصے تھے اور انھون نے شروع مین قبائل سامیہ کو مابین النہرین سے نکال کر ان کی جگہ سکونت اختیار کی۔

اس قوم کے شہری لوگ کچی اینٹون کا مکان بنا کر رہتے تھے، مکانات کے درمیان مین معبد ہوتا تھا، کاشت کاری اور وحشی جانور کے

شکار پر گذر تھی اور مذہب بت پرستی اور ستارہ پرستی تھا ان کی سب سے قدیم سلطنت جس کے آثار شہر اپیس (قادسیہ) مین پائے گئے ہین تقریباً سنہ ۳۰۵۰ تین ہزار پچاس ق م مین قائم تھی۔ یہ سلطنت (۹۹) سال تک رہی اور اس عرصے مین (۶) بادشاہون نے حکومت کی اسکے بعد سنہ ۲۹۲۵ ق م مین دولت قیسیہ کا غلبہ ہوا اسنے بھی تقریباً ایک صدی تک حکومت کی اور اُس مین (۸) بادشاہ گذرے سنہ ۲۸۲۵ ق م مین دولت ارکیہ کا قیام ہوا جس مین ایک بادشاہ لوجال زاجیسی نے (۲۵) سال حکمرانی کی اس نے شہر لجش یا لخیش کو جلا دیا تھا پھر سنہ ۲۸۰۰ مین دولت عقادیہ قائم ہوئی جس مین (۱۹۷) سال تک حکومت رہی اور بارہ بادشاہ گذرے سب سے پہلے کا نام شارو کین تھا بعض کا خیال ہے کہ یہی سرجون تھا جس کا ذکر توریت مین آیا ہے۔

شارو کین دولت سامیہ کا مؤسس اول ہے جس کی حکومت بابل عیلام اور شام پر رہی سنہ ۲۶۰۰ ق م مین دولت ارکیہ ثانیہ قائم ہوئی اور صرف بارہ سال تک اس کا دورہ رہا اور اس قلیل مدت مین پانچ بادشاہ گذرے آخر مین ان پر بادشاہ غوطہ بانی سلطنت غوطیہ نے قبضہ کر لیا۔ پھر حکومت اوریہ کا آغاز ہوا اور اس کا دورہ ۱۱۹ سال رہا۔ اسکے بعد دولت اسینیہ ۲۲۵ سال تک رہی۔ اوریہ عیلامی حکومت تھی پھر سنہ ۲۰۵۰ ق م مین دولت بابلیہ اولیٰ کا قیام ہوا۔ اس حکومت کا بانی ساموآبو تھا۔ اس مین سب سے مشہور بادشاہ حمورابی گذرا جسکا دور حکومت سنہ ۱۹۵۰ ق م سے شروع ہوتا ہے اس نے حکومت کے لئے قوانین اور نظامات بنائے جس مین سب سے مشہور "قانون حمورابی" ہے جس کا نسخہ اینٹون پر لکھا ہوا علمائے آثار کو مل گیا ہے۔ انگریزی مین اسکا ترجمہ اولڈسٹ لا ان دی ورلڈ کے نام سے شائع ہوا ہے اور قابل دید ہے اس قانون کے بہت سے احکام توریت سے ملتے جلتے ہین۔

اس دولت کا خاتمہ حیثیون نے کیا اس قوم نے بابل پر قبضہ کر کے اس مین آگ لگا دی پھر دولت بابلیہ ثانیہ پھر ثالیہ پھر رالبعہ کا قیام ہوا اس چوتھی حکومت نے زیادہ شہرت حاصل کی اسکا سب سے مشہور بادشاہ بنوخذ نصر اول تھا جو سنہ ۱۱۷۵ ق م مین بادشاہ ہوا جسکو عیسائی مؤرخ بخت نصر کہتے ہین اس نے بابل کو بنی علام کے تسلط سے آزاد کیا فلسطین پر حملے کئے اسکے بعد پے درپے حکومتین بابل پر گذرین پھر نبوپولاسر نے ایک نئی بابلی حکومت کی بنیاد دالی یہ شخص کلدانی امرا مین سے تھا جس نے سنہ ۶۲۵ ق م مین بغاوت کی اور سقوط نینوی کے بعد مملکت اشور پر قابض ہو گیا اسکے بعد بنوخذ نصر ثانی کا زمانہ آیا جس نے سلطنت کو متحد کر کے ترقی دی مصر پر حملہ کیا بہت سی لڑائیاں لڑین اور مشہور محل بنوائے۔

بنوخذ نصر ثانی کے بعد اور چند بادشاہ ہوئے جو طاقت و شوکت مین بہت کم تھے چنانچہ سلطنت مین روز بروز ضعف پیدا ہوا سنہ ۵۳۹ ق م کے شروع ہونے سے پہلے حکومت بابل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور ملک ایران کے قبضہ مین آیا ایرانی عہد حکومت کو مؤرخین دولت اخمینیہ کے نام سے یاد کرتے ہین ایران کے قبضہ مین یہ ملک (۲۰۸) سال تک رہا اور دس بادشاہون نے حکومت کی۔

سنہ ۳۳۱ ق م مین سکندر اعظم نے بابل اور سرزمین مابین النہرین کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کیا فتح سکندر کے بعد یہ ملک یونانی حکومت مین شامل کر لیا گیا اس حکومت کو تاریخ دولت سلوقیہ کے نام سے یاد کرتی ہے یہ دور ۱۹۲ سال تک رہا اور نو بادشاہون نے حکمرانی کی جن مین سلوقس اول اور انطاقوس مشہور ہین۔ سلوقیہ کے بعد دولت بابلیہ کا آغاز ہوا اس مین ۶ بادشاہون نے ۳۶ سال تک حکومت کی سنہ ۲۲۶ مین دولت سامانیہ کا اس ملک پر قبضہ ہوا (۲۸) بادشاہون نے ۴۱۰ سال سلطنت کی جن مین اردشیر اول بانی سلطنت سامانیہ

اور یزدجرد ثالث خاص طور پر مشہور ہین بسنہ ۶۳۶ء مین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین عربون نے مابین النہرین پر حملہ کیا اور حضرت سعد وقاصؓ نے قادسیہ کی لڑائی مین ایرانیون پر فتح حاصل کی اور مابین النہرین کی تمام سرزمین عربون کے قبضہ مین آگئی۔ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے عہد مین اس ملک مین اسلامی اثر و اقتدار روز افزون ترقی کرتا گیا بنی امیہ کے بعد کئی صدی تک یہ ملک عباسی خلافت کا تخت گاہ رہا یہان تک کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو تاتاری نے سنہ ۱۲۵۸ء مین بغداد پر حملہ کر کے سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو شہید کر دیا اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

زوال خلافت عباسیہ کے بعد دولت تاتاریہ کا دورہ رہا اس کے بعد سنہ ۱۵۰۸ء مین شاہ اسمعیل اول بادشاہ ایران نے حملہ کر کے بغداد فتح کر لیا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ترک قسطنطنیہ فتح کر چکے تھے (سنہ ۱۴۵۳ء) اور انکی سلطنت بڑے عروج پر تھی سارا یورپ ان کے نام سے کانپتا تھا ترکون کی سیاسی مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ ان کے پہلو مین ایک زبردست ایرانی حکومت قائم رہے انہون نے کم از کم سرزمین مابین النہرین کو اپنے قبضہ مین رکھنا ضروری سمجھا جیسا کہ آج کل ولایت موصل کا ترکی سلطنت مین شامل رہنا اپنی بقا کے لئے ضروری خیال کرتے ہین چنانچہ سنہ ۱۵۳۴ء مین سلطان سلیمان اعظم نے بغداد پر فتح حاصل کی لیکن پوری ایک صدی بھی اس قبضہ پر نہین گذری تھی کہ سنہ ۱۶۲۰ء مین یہ ملک پھر ایرانیون کے پاس واپس چلا گیا۔ پھر شاہ عباس اول کے عہد حکومت مین سلطان مراد خان رابع نے دوبارہ بغداد اور تمام ملک عراق پر قبضہ حاصل کیا تین صدی سے زائد عرصہ تک اس ملک پر ترک قابض رہے اور موصل بغداد اور بصرہ کی ولائتین عثمانی سلطنت کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ شمار کیا جاتا تھا لیکن گذشتہ جنگ عظیم مین یہ ملک ترکی سلطنت سے علیحدہ ہو کر اس قوم کے قبضہ مین آگیا جو اہل ملک سے مذہب زبان، رسم و رواج، معاشرت، غرض کسی شعبۂ حیات مین ان سے مشابہت اور مناسبت نہین رکھتی۔ اور اسکا وطن اصلی بھی سرزمین مابین النہرین سے ہزارہا میل دور واقع ہے۔ اس نے چالیس سال تک اس ملک پر قبضہ رکھنے کا خیال ظاہر کیا ہے تاکہ اس عرصہ مین میسوپوٹیمیا کے لوگ مہذب بنجائین کیونکہ انگریز اپنے خیال مین تمام دنیا مین تہذیب پھیلا دینے کے ذمہ دار ہین اور یہ غالبًا اس لئے کہ اگر اس قسم کی تہذیب نہ پھیلائی جائے تو دنیا کے وسیع ترین ملک سے جو اسوقت برطانوی جھنڈے کے نیچے محکومانہ زندگی بسر کر رہے ہین انگلستان والون کے کھلانے کے لئے غلہ اور دوسری ضروریات زندگی کیونکر میسر آسکتی ہین اور نہ ان ممالک کے علیحدہ اور خود مختار ہونے پر لندن مین عظیم الشان مکانات سر بفلک عمارات اور تمول و ثروت کا مظاہرہ دکھائی دے سکتا ہے۔

یہ خلاصہ ان اقوام کی تاریخ کا جنھون نے عہد تاریخ سے اسوقت تک مابین النہرین پر حکمرانی کی اب ہم اس ملک کے مشہور تاریخی شہرون کا حال مختصرًا ذیل مین سپرد قلم کرتے ہین۔

اس سرزمین کے مشہور شہرون مین سے ایک اودیسا یا اورفا تھا اسکے جنوب مین شہر حاران کے کھنڈر واقع ہین حاران کا ذکر توریت مین متعدد جگہ آیا ہے اس شہر کی اہمیت اسوقت سے جاتی رہی جب سے یہ شہر تاتاریون کے قبضہ مین آیا۔

اورفا کے قریب شہر سروج ہے اس کا ذکر بھی توریت مین آیا ہے جب اس پر یونانیونکا قبضہ ہوا تو انہون نے اس شہر کا نام بتبہ رکھا لیکن آج بھی یہ شہر اپنے قدیم نام سروج سے مشہور ہے۔

دریائے فرات کے بائیں کنارے پر شہر اپامیہ ہے جسے آج کل بیرجک کہتے ہیں اور جنوب کی طرف شہر نیقافوریم ہے جو سلوقیین کے دور حکومت میں عروج پر تھا اور اس کی تجارت نے بڑی وسعت حاصل کی تھی اس شہر کو سکندر اعظم کے حکم سے بادشاہ نیقاتور سلوقی نے اپنے نام پر بنایا تھا آج کل اسکا نام الرقا ہے اور شاید شہر کرشیمش یا کرکمش جس کا ذکر توریت میں ہے اسی جگہ تھا جو آج کل قلعۃ النجم کے نام سے مشہور ہے۔

مابین النہرین کے شمالی شہروں میں نصیبین خاص طور پر مشہور ہے یونانی اسکو نصیبس کہتے ہیں تجارتی لحاظ سے بھی اس شہر نے شہرت حاصل کی تھی اور دولت اشوریہ کے عہد حکومت میں سیاسی مرکزیت بھی رکھتا تھا رومی سلطنت اور فارس کے محاربات نے اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا تھا ابتدا میں اس پر لوکلس رومانی نے قبضہ کیا پھر ایک عرصہ کے بعد رومی تسلط سے نکل گیا پھر شہنشاہ اوریانوس نے دوبارہ واپس لیا۔ اور شہنشاہ سویروس نے یہاں فوجی استحکامات بنوائے جو دیانوس رومانی کے زمانے تک اس پر رومیوں کا قبضہ رہا پھر ایرانیوں نے حملہ کر کے واپس لے لیا سیاسی نقطۂ نظر سے رومی سلطنت کے لئے اس شہر کا نکل جانا بے حد مضر تھا چنانچہ بادشاہ انسطاسیوس نے نصیبین کے جواب میں شمالی مغربی جانب ۵۰۷ء میں ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا جسے قلعۂ داراس کہتے تھے اور اب دارا کے نام سے مشہور ہے قیصران روم نے سرحد پر متعدد قلعے بنوائے جن میں انطونیوپولس سب سے زیادہ مشہور ہے اس کو بعد میں قسطنطین نے اور زیادہ مضبوط کر کے اپنے نام سے مشہور کیا اور اس قلعہ کے آثار اب تک حاران اور نصیبین کے درمیان اس جگہ کے قریب واقع ہیں جو آج کل تلار کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔

رومی حکومت کے بنوائے ہوئے قلعوں اور شہروں میں آمدؔ بھی قابل ذکر ہے اس شہر میں ایک قدرتی قلعہ ہے اور شہر ایک پہاڑ پر واقع ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے (۲۶۵۷) فٹ ہے اس کے چاروں طرف باغات ہیں اور آب و ہوا بھی معتدل ہے رومی قلعوں میں دیار بکر بھی مشہور تھا رومی قوم اسکو آمیدہ کہتی تھی اور اب بھی اسکا نام قرا آمید ہے قرہ ترکی زبان میں سیاہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہاں کے پتھر سیاہ رنگ کے ہیں اس لئے ترک اسے قرہ آمید کہتے ہیں، قسطنطین اکبر نے اس کے مستحکم کرنے میں بڑا اہتمام کیا تھا، لیکن چوتھی صدی عیسوی میں شاپور ثانی ساسانی شاہ فارس نے اس قلعہ کو رومیوں سے فتح کر لیا، پھر پانچویں صدی میں رومیوں نے واپس لے لیا، پھر ایک عرصہ کے بعد دوبارہ ایرانیوں کے قبضہ میں آیا، اسکے بعد یہ شہر انہیں کے پاس رہا یہاں تک کہ ۶۳۸ء میں اس پر عربوں نے قبضہ کیا، پھر چند انقلابات کے بعد ۱۵۱۵ء میں اس پر ترک قابض ہو گئے، اور اس وقت تک انہیں کے پاس ہے۔

مابین النہرین کے شہروں میں ایک شہر ہے جس کا قدیم نام اورفا ہے اس کا کچھ ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، سلوقس اول نے اس شہر کو وسعت دی، اور یہاں استحکامات بنوائے۔ اور اسے گرد و پیش کے ممالک کا پایہ تخت مقرر کیا، یہ شہر دولت ابجریہ کا بھی پایہ تخت رہا ہے، جو پہلے سلوقیین، پھر رومی سلطنت کے ماتحت رہی تھی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابجر اول مسیح علیہ السلام کا معاصر تھا، اور ان دونوں کے درمیان مراسلت بھی ہوئی تھی، ان خطوط کا ترجمہ اسیبوس نے یونانی زبان میں کیا ہے، لیکن تحقیق اس روایت کو غلط ثابت کرتی ہے

تیسری صدی عیسوی کی ابتدا میں رومی سلطنت نے اورفا پر قبضہ کیا، پھر یہ شہر مختلف سلطنتوں کے حصہ میں آتا رہا یہاں تک کہ اس پر عربوں کا تسلط ہو گیا، ۱۰۹۷ء میں بادشاہ بلدوین صلیبی نے اس پر قبضہ کیا اور اپنے کو امیر ادیسا کے نام سے شہرت دی، بارہویں صدی کے نصف تک یہاں پر صلیبیوں کا دور دورہ رہا، پھر ۱۱۴۴ء میں امیر زنگی عماد بادشاہ موصل نے اورفا کو صلیبیوں سے واپس چھین لیا اور ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم ثانی

کے زمانہ میں اس پر ترکون کا قبضہ ہوگیا اور اسوقت تک ہے،

مابین النہرین کے درمیانی ملک میں شہر موصل ہے، جو قدیم شہر نینوی کے پاس واقع ہے نینوا ہی دولت اشوریہ کا آخری پایہ تخت تھا ۶۰۶ق م تک یہ شہر قائم رہا پھر ویران ہوگیا، ابھی تک اُسکے قلعہ کے آثار اور کچھ حصہ اس وقت تک باقی ہے، جس کی بلندی ۴۰ اور ۵۰ فٹ تک ہے، یہ قلعہ بارہ میل کے احاطہ میں شہر کے گرد تھا،

موصل میں جامع یونس مشہور ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں یونس علیہ السلام کی قبر ہے، یونس علیہ السلام کو توریت میں یونا نبی کے نام سے یاد کیا گیا ہے، سنحاریب اشوری کا اس شہر میں ایک عالیشان قصر تھا، جس کے آثار قدیمہ اُس کی عظمت کا پتہ دے رہے ہیں، جنوب مغرب کی طرف عمارات نمرود کے آثار ہیں، جسے توریت میں کالح کہا گیا ہے (تکوین ۱۰ : ۱۱)

مابین النہرین کا مشہور ترین شہر بغداد ہے، جو دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے، جس جگہ بغداد کا شہر ہے، وہاں دجلہ کا عرض ۲۷۵ گز ہے، آجکل بغداد کی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے، جو مسلمانون، یہودیون اور عیسائیوں پر مشتمل ہے یہ شہر قدیم شہر "بغداد" کے کھنڈرون پر بنا ہے، جسکے آثار ابھی تک باقی ہیں، جن میں سے ایک شہر کا بندرگاہ ہے، جہان کشتیان ٹھہرتی ہیں، جو اینٹوں کا بنا ہوا تھا، اور اس پر بنوخذ نصر کا نام منقوش تھا،

شہر بابل جو مملکت بابل کے عہد عروج میں اسکا پایہ تخت تھا، اسکے آثار بغداد سے ۵۲ میل دور واقع ہیں، آج بابل چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈرون سے عبارت ہے، لیکن زمانہ گذشتہ میں ایشیا کا سب سے بڑا شہر تھا، یونان کے مشہور مورخ ہیرو ڈوٹس نے لکھا ہے کہ بابل بہت بڑا شہر تھا، اسکا محیط ۵۵ میل کا تھا (موجودہ لندن اور پیرس کا ملکر محیط ۵۵ میل ہوتا ہے) شہر پناہ کی بلندی ۳۳۰ فٹ اور عرض ۶۰ فٹ کے قریب تھا، وسعت کے متعلق تو اس روایت میں کوئی بات قابل تعجب اور غیر ممکن نہیں ہے، کیونکہ واقعی بابل ایشیا کا عظیم ترین شہر تھا، مگر شہر پناہ کی بلندی اور عرض ضرور مبالغہ شامل ہے، کیونکہ اس قدر بلند ٹھہر نہیں سکتی، اور شہر پناہ کے واسطے اسقدر بلندی کی ضرورت ہے،

جب سکندر اعظم اس شہر میں داخل ہوا تو اسکا محیط صرف ۱۰ میل رہ گیا تھا اسی مسافت میں اسکے موجودہ کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دریائے فرات نے بھی اس شہر کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ ڈالا ہے،

بابل کے آثار باقیہ میں ایک بڑی عمارت کے کھنڈر ہیں، جو القصر کے نام سے مشہور ہے، یہ ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کی بلندی ۵۰ فٹ ہے، جنوبی سمت میں قصر بنوخذ نصر کے آثار ہیں۔ اس محل کے موجودہ آثار میں تخت شاہی کا صحن ہے، یعنی جہان تخت شاہی رکھا جاتا تھا اس کا طول ۱۷۰ فٹ ہے، اس کا ذکر صحیفہ دانیال میں ایک قصہ کے ساتھ آیا ہے، اسکو منا تقیل کہتے ہیں،

ٹیکری کے شمالی جانب بخت نصر کے ایک دوسرے محل کے آثار ہیں، مشرقی جانب معابد اور دوسری عمارات کے آثار پائے جاتے ہیں، جن کی تفصیل اس مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی، بابل سے ایک میل سے کچھ زائد فاصلہ پر بنوخذ نصر کے اُن معلق باغات کے آثار ہیں، جن کا شمار دنیا کے مشہور عجائبات میں کیا گیا ہے، ان کو بنوخذ نصر نے اپنی بیوی سمیرامیس کے لئے بنوایا تھا، اور جنوب مغرب کی طرف بارہ میل کے فاصلہ پر برس، برسیپ یا بورسیپا کے آثار موجود ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ یہ مشہور برج بابل کا بقایا ہے،

حقیقت میں بشریت کا عہد اولین یعنی سرزمین مابین النہرین کی تاریخ اس قدر وسیع اور دلچسپ ہے کہ اسکے لئے مورخین نے صدہا جلدیں لکھی ہیں،

مسیح سے چھ ہزار سال پہلے یہان کی انسانی آبادی نے تمدن کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا اس ملک کی گذشتہ عظمت کا نشان یہان کے آثار قدیمہ سے ملتا ہے جن کو علمائے آثار نے ایک کتب سلسلہ مین کر لیا ہے اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے مزید تفصیل آئندہ فرصت پر چھوڑتے ہین۔

ابو المحاسن محمود علی خان (ماخوذ از عربی)

حسن و عشق

پردہ دار ہستی تھی ذات کے سمندر مین
حسن جب کھل کھیلا اس صفت کے منظر مین

حسن چھا گیا آکر شکل شاہ خاور مین
جو ازل مین دیکھا تھا دیکھتے ہین محشر مین

عشق محشر آرا کی طور پر گری بجلی
حسن لن ترانی کی رہ سکا نہ چادر مین

حسن عشق مین ہے یا عشق حسن مین مکنون
جوہر آئینہ مین یا آئینہ ہے جوہر مین

مجھکو کیا خبر کیا گزری گل اور بلبل مین
چشم پوش مستی تھی اس برہنہ منظر مین

چارہ گر کو وحشت ہے ارتقائے الفت سے
پاؤں مین جو چکر تھا آرہا ہے وہ سر مین

فرط سوز الفت مین دیکھکر سکون دل کا
بجلیان مچلتی ہین یا دلون کے محشر مین

رند و صوفی سب مست اسکی دھن مین ہین
جانے کتنی مینائے بھر دئے ہین کوثر مین

چرخ کیا اتر آیا آج فرش گیتی پر
رند بھی ہین چکر مین میکدہ بھی چکر مین

مے وہ ہو شربا ہے فکن اور نظر وہ صہبا پاش
مست کیوں نہ ہو کیفی ایک ہی نظر مین

کیفی (چریاکوٹی)

فریب خیال

(افسانہ)

رشید کبھی متانت لانہ قدموں کے ساتھ اور کبھی غصہ و برہمی کی تیز رفتاری سے برآمدہ کی کوئی سو مرتبہ پیمائش کر چکا ہوگا، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بدمزہ و غیر مطمئن زندگی کی تلخیوں کو برداشت کئے جائے ـــــ اُسنے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ نکالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ ٹہلنے لگا۔

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، حال کی امیدواریوں کے تجزیہ میں مصروف تھا اور اپنی مستقبل پر بھی ایک سرور آمیز نگاہ ڈالتا جا رہا تھا جس کی بیک گراونڈ (Back ground) اُس کو کیسر نقش و نگار نظر آتی تھی تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر اُسی تحریر کو دیکھا اور اب اُس کے خیال نے الفاظ کی اور جذبات نے آواز کی صورت اختیار کر لی:-

"میں کہ اس وقت علمی دنیا کی تمنائیں میرے ساتھ وابستہ ہیں میں کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ معیار ادب بنکر نکلتا ہے اور ہاں وہی میں کہ جس کے افکار دماغ اور نزائید ہائے خیال کا ایک ایک نقش لطیف مستقبل آزرکدہ سمجھا جاتا ہے (وہ اپنی اس ادبیت سے متاثر ہو کر خود ہی تن گیا) کسقدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی میں اپنی ازدواجی زندگی کے اعتبار سے اُس شعبۂ حیات کے لحاظ سے جو آج مہذب دنیا میں تمام ذہنی و دماغی ترقیوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے، اس قدر بدنصیب واقع ہوا

یہ تحریر رشید کی بیوی کی! سواد تحریر ملاحظہ ہو گویا بے اختیاری میں کچھ لکیریں کاغذ پر بن گئی ہیں حرفوں کا جوڑ دیکھئے کسقدر مسلسل ہے، جیسے کوئی ہکلا رہا ہو۔ املا تو خیر کیا درست ہوگا۔ جب کہ اُن کے باپ کو بھی اسکا سلیقہ نہیں اور نعرہ کو نارہ، منضبط کو منجبط لکھنا اور بولنا اُنکا روزمرہ ہے۔

مجھے کسقدر شرم آتی ہے جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپ کی شادی کہاں ہوئی ہے، نہ کوئی دنیاوی جاہ و ثروت، نہ کوئی علمی قابلیت و شہرت، نہ کوئی ذاتی وجاہت و اہمیت۔ یہ معمولی طبقہ کے لوگ اور معمولی انسانوں کے اندر نشو و نما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں اور دنیا مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے سال گزشتہ جب میں اُن حضرت (خسر) کو اسٹیشن پہونچانے گیا تو میں نے اسی خیال سے کہ خدا جانے کیا حماقت اُن سے سرزد ہو جائے، افضال (رشید کا دوست) کو منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں لیکن وہ نہیں مانا، پھر کیا وہ وقت میں بھول سکتا ہوں جب حضرت نے میرے اور افضال کے سامنے ہی ناول بیچنے والے کو بلایا اور اُس سے چار چار آنے میں "شہنشاہ عیاران" "میٹھی چھری" اور "بانکی سانن" خریدکر

کنکھیوں سے ہم لوگوں کی طرف بھی دیکھا گویا اپنی نزدیک بڑا زبردست سکہ اپنی قابلیت کا ہم پر جما رہے تھے - اور ادھر میرا شرم کے مارے یہ حال تھا کہ نگاہ اوپر نہ ہوتی تھی -

والد مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی فائق مرتبہ کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ نبض شناس فطرت نہ تھے اور اسلئے انہوں نے میری شادی کے مسئلہ میں اسقدر استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی حساس دماغ اسکو برداشت نہیں کر سکتا - ہر چند جسوقت اُنھوں نے میری شادی کی میں طالب علم تھا اور اُن کے ہاتھ میں ایک بندۂ بیچارہ کی حیثیت رکھتا تھا لیکن وہ یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ میری دماغی افتاد کیا ہے اور میں کیونکر ایک جاہل عورت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہوں -

ذرا طریق خطاب ملاحظہ ہو :-

"میرے سرتاج"

استغفراللہ، وہی دقیانوسیت، وہی ابتلا پیدا کرنے والی فرسودگی، ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مجھے کسی ایسے مکروہ لفظ سے مخاطب نہ کیا کرو بلکہ بغیر کسی تمہید کے مطلب کی بات شروع کر دیا کرو لیکن وہ تو دماغ کی راہیں قدرت کی طرف سے پیچیدہ بنا دی گئی ہیں سمجھ میں کیونکر آ سکتا ہے -

"یہاں ہمہ وجوح (وجوہ) خیریت ہے اور آپکی خیریت خوداوند (خداوند)
کریم سے نیک خاہاں (خواہاں)"

اللہ رے خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اُٹھالے یا مجھ کو پھر دوبارہ یہ فقرے نظر سے نہ گزر سکیں، ایسی اندازِ تحریر پہ میری خیریت چاہی جاتی ہے، نہ پھر دیگر مزاج پرسی کی جاتی ہے - بارہا کہا کہ تو خط نہ بھیجا کر لیکن اظہار محبت کی تکمیل بھلا بغیر میری جان لئے کیونکر ہو سکتی ہے -

"عرصے (عرصہ) سے آپ نے اپنی خیریت ....

پھر وہی خیریت، ہند ٹھیری نا - نامعقولی جاہلیت بدتمیز -

سے آگاہ (اطلاع) نہیں دی، دلکو بہت فکر ہے"

بجا ہے، درست ہے، یہ بیہودہ دماغ اور فکر، کمبخت اگر تجھ میں حس ہوتی تو کب کی فکر کے مارے مر چکی ہوتی لیکن ایسے بے غیرتوں اور بے شرموں کو فکر، تردد اور تاثر سے کیا واسطہ - جانور ہیں، جانور! کھا رہے ہیں جی رہے ہیں -

میں جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ میں
جاہل ہوں اور کسی طرح آپکی بیوی بننے کے قابل نہیں ہوں لیکن کچھ موئی (؟)
محبت تو کم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو میرا دین ہے ایمان ہے، خدا کے لئے

کبھی کبھی تو اپنا حال لکھ دیا کیجئے' میری خاطر نہین' سعیدہ کی خاطر سے کہ باز
(بعض) دفا (دفعہ) وہ آپ کو یاد کر کے رو دیتی ہے"

خدا جانے یہ جملہ کیونکر ایسا مربوط ہو گیا' مگر چلتے چلاتے باز اور دفا کے دو چرکے' با نوا لگا ہی گئین اِن' یہ سعیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے روکے ہوئے ہے' ورنہ خدا جانے مین کب کا آزاد ہو چکا ہوتا' غضب تو یہی ہے کہ ایک نا اہل اور جاہل ماں کی تربیت اسکے مستقبل کو بھی تباہ کر رہی ہے اور میرے لئے اس مین بھی عار ہے کہ مین اسکو اپنی بیٹی کہون ————ـ"

رشید کا غصہ دفعتہً پھر بڑھ جاتا ہے اور اس تحریر کے پرزے پرزے کر کے منتشر کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر تک پھر ٹہلتا ہے' لیکن اس مرتبہ اُسکے چہرہ سے خاص قسم کی مسرت ٹپکتی ہے' رفتار مین بھی بجائے اضطراب کے سکون ہے' اور چہرہ پر غصہ کے بھیانک نقوش کی جگہ لطف و نشاط کے خطوط نمایاں ہین ——— وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر بیٹھکر پہلے لفافہ کو دیر تک دیکھتا ہے :—

"انگریزی کا خط اور ایسا خوبصورت' اس درجہ لبریز صنعت! لفافہ کا رنگ تو دیکھئے حُسن ذوق کی آخری حد ہے۔

پھر لفافہ کے اندر سے اُسی کے ہمرنگ ایک کاغذ نکالتا ہے اور پڑھنے لگتا ہے :—

"....رشید"———

اسکو کہتے ہین ذوق کی لطافت ادبی نزاکت حسن معنی کہ صرف نقطے لگا کر کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر چند تم ہو تو "میرے" ہی لیکن مین تم کو ایسا لکھ نہین سکتی' یہی ہے وہ شاعرانہ لہجہ اور یہی ہے' وہ قیامت زا' ادا جس کو

پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین

سے تعبیر کرتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔

مین یہ کب تک لکھے جاؤن کہ زندہ ہون' بے غیرتی اور اسپر یہ اصرار!
خدا کے لئے اس احساس کو میرے اندر قوی نہ ہونے دیجئے' کیونکہ زندگی
نام ہے صرف بے حسی کا"

کیا طرز ادا ہے' کسقدر دلکش اسلوب بیان ہے۔ شوق مین جان دینے کا مفہوم نہایت پامال بات ہے لیکن یہان اسکا کہین ذکر نہین کیا گیا' حالانکہ مدعا وہی ہے۔

آپ سے بارہا عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے' لیکن آپ
نہین مانتے' کسی داغدار ہستی کی دلبری اگر نمک پاشی نہین' تو اسکی

مترادف ضرور ہے"

سبحان اللہ! نمک پاشی سے اعراض کر کے خندہ زنی کہنا جو شاعر کی زبان مین عین نمک پاشی ہے' کسقدر رلینغ انشا مترادف! ، ظالم کا مبلغ علم تو دیکھئے، عام لوگون کی طرح مرادف نہین لکھا' بلکہ مترادف لکھا جس کو خواص ہی لکھ سکتے ہین -

"آپ تفصیل دریافت فرماتے ہین ؟ اچھا تو سنئے شب گزشتہ جو میری اور سوگوار راتون سے کم تاریک نہ تھی اس تفصیل کے اجمال کو یون ظاہر کر سکی ہون :—

کیا ہو گیا نسیم کو پھر یہ خبر نہین
اک چیخ تو سنی تھی دم انتہائے شب

کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہین ؟ اگر یہی خواہش ہے تو اُس وقت کا انتظار کیجئے (جو غالباً دور نہین ہے) جب میرے لبوں پر ہمیشہ کے لئے مُہر سکوت ثبت ہو چکی ہوگی' کہ اس کے بیان کے لئے ایسے ہی سکون مطلق کی ضرورت ہے - اسی نیند مین ایک خیال اور نظم ہو گیا تھا' جس کا مفہوم اب میرے ذہن مین بھی نہین ہے :—

دامان صبح پر نظر آتا تو ہے ... مجھے
ہان' ایک داغ بے اثری دعائے شب"

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کس درجہ میر کا رنگ لئے ہوئے ہے' دوسرا شعر بالکل مومن کا معلوم ہوتا ہے آفتاب کو دامن صبح کا ایک داغ کہکر دعائے شب کی بے اثری کے اثر کو ثابت کرنا کسقدر بلیغ انداز بیان ہے - مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب ہجر کی صبح ہوئی بھی تو کیا' جب کہ ایک مہجور کا دن بھی داغدار رہتا ہے' لیکن اس کو بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائین خواہ کتنی ہی بے اثر رہی ہون لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت مین دامان صبح پر ایک دھبہ چھوڑ گئی ہین' پھر اسی کے ساتھ ضمناً التہاب عشق کا اظہار حسن حسن کے ساتھ ہو گیا' وہ ایک جداگانہ لطف ہے' -

خیر یہ باتین نہ کہنے کی ہین' نہ سننے کی' وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی ہین - چھوڑئیے ان قصون کو - اب یہ بتائیے کہ آپ کا ڈرامہ "ظلمت

ونور" مکمل ہوکر شائع ہوجائے گا۔ آپ نے بڑا ظلم کیا کہ اس کے ناقص
اجزا بھیجکر مجھے بیتاب بنا دیا، ہرچند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات
سے پورا لطف اٹھانیکی اہلیت مجھمین نہین ہے لیکن اپنی قابلیت
کے لحاظ سے جو کچھ مین آپ کی تحریر سے سمجھ لیتی ہون وہ بھی سر دھننے
کے لئے کافی ہے۔ مین نہین سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر الفاظ پر
ایسی زبردست قدرت حاصل کرسکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات
کی بارش مسلسل اور متواتر کس طرح ہوتی ہے۔ آپ نے شیطان کی
کیرکٹر پیش کرکے فی الحقیقت اُس تصویر انسانی کو پیدا کرنا چاہا
جس کے وجود کا علم بھی ابتک لوگوں کو نہین ہے۔ حیرت کرتی ہو
کہ کتنے آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو مل سکین گے۔ مگر آرٹ
ان باتون سے بے نیاز ہے، صنعت کسی اعتراف کی محتاج نہین،
گلاب کا پھول جنگل کی جھاڑیون مین بھی وہی صنعت رنگ دیتا ہے،
خواہ نگاہ انسانی اُس تک پہونچے یا نہ پہونچے۔ معاف کیجئے مین نے
بہت سمع خراشی کی اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو ختم کرون

نسیم"

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر دل پر چھوڑجاتا ہے، حیرت ہے کہ کس فضا مین اسکی تربیت ہوئی ہے اور اسقدر بلند خیالات اس کے دماغ مین پیدا ہونے کا کیا سبب ہے، پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اتنے عرصہ سے خط وکتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، آج تک ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے اختیاری کا اسکے قلم سے نہین نکلا۔

کتنی بار دبی زبان سے اُسنے یہ بھی خواہش کی مین کلکتہ جاکر اُس سے ملون، لیکن اس کمبخت کاروبار سے فرصت ہی نہین ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مین خود بھی پس وپیش کرتا ہون کہ مبادا ملنے کے بعد وہ میری طرف سے اُن خیالات وتوقعات کو واپس لے لے جو اس وقت تک تحریرون کے ذریعہ سے اسکے دل مین پیدا کرسکا ہون۔ لیکن آخر اسکا نتیجہ کیا ہوگا اس ڈرامہ کا اختتام کیا ہوسکتا ہے یا کیا ہونا چاہیئے ......"

اسکا خیال اس حدتک پہونچا تھا کہ عباس آگیا اور اُسنے آتے ہی رشید کی صورت دیکھکر سمجھ لیا کہ آج پھر حضرت پر بحران

عشق طاری ہے۔

——— "کیوں کیا کوئی اور تازہ چرکہ موصول ہوا ہے؟"

——— "میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم کسی وقت انسان بھی ہوتے ہو یا نہیں، خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ بن جایا کرو میں ہزار دفعہ کہہ چکا کہ معاملہ مذاق کی حد سے گزر گیا ہے اور اگر جلد میں نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ممکن ہے کوئی زیادہ قبیح صورت پیدا ہو جائے، لیکن تمہیں تو دوسرے کی تکلیف سے صرف لطف اٹھانا آتا ہے، تم کیوں کوئی صائب مشورہ دینے لگے"

——— "آپ ہی عقلمند ہیں بیس دفعہ کہہ چکا کہ سعیدہ کی ماں کو طلاق دو اور کلکتہ جا کر نسیم کو بیاہ لاؤ، اس سے زیادہ دل خوش کن مشورہ تمہارے لئے کیا ہو سکتا ہے؟"

——— "وہ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ کوشش کے بعد بھی تم کبھی متانت اختیار نہیں کر سکتے"

——— "اچھا یہ منظور نہیں تو نسیم سے خط و کتابت بند کرو، بیوی کو پاس بلاؤ اور وہ زندگی بسر کرو جو شریف خاندانوں کا دستور ہے۔ اور ہاں، ایک تیسری صورت اور بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ نہ ایک کو طلاق دو اور نہ دوسری سے شادی کرو لیکن اسکو مطلقہ کے حکم میں رکھو اور اس کو منکوحہ کی شان سے"

——— "اور ایک چوتھی صورت اور بھی تو ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ صفیہ کو طلاق دیئے بغیر نسیم سے نکاح کر لوں؟"

——— "یہ صورت ناقابل عمل ہے کیونکہ اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ نسیم تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر خفا نہ ہو تو یوں کہوں کہ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے یا نہیں، لیکن اگر بفرض محال وہ نکاح کے لئے راضی ہوئی بھی، تو اس کی اولین شرط یہ ہو گی کہ صفیہ کو طلاق دو"

——— "ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے، لیکن پہلے ہی سے اس پر یقین کر کے کیونکر راہ عمل مقرر کیجا سکتی ہے"

——— "کیوں دماغ خراب ہوا ہے؟ نسیم اور کسی سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے! آپ تو کیا چیز ہیں، کہ آپ کا سارا کاروبار بھی اُس کے ایک حقیر ترین ناز معشوقانہ کی قیمت نہیں ٹھہر سکتا، یہ وہ بلائے بد ہے کہ نور ٹکے کے کارخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے، میں نے اُسے دیکھا نہیں اور نہ میں اسکی حقیقت سے آگاہ ہوں، لیکن صرف اسکی تحریروں سے یہ اندازہ کیا ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی اور ہر اُس شخص سے اظہار الفت کے لئے آمادہ ہو سکتی ہے جس کے اندر کچھ بھی خون نچوڑنے کے لئے آ سے مل سکتا ہے۔

علاوہ اس کے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خود تم کو اسقدر غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہیں جن کی طرف ایک عورت کا میلان ہو سکتا ہے، اول حسن صورت، سو وہ آپ کو قدرت سے ملا نہیں، دوسرے دولت، وہ بھی تمہارے پاس نہیں اگر لفظ دولت کا صحیح مفہوم لیا جائے، رہی تیسری چیز قابلیت و شہرت، سو اس خصوصیت میں بھی بہت سے لوگ تم سے زیادہ نمایاں و ممتاز نظر آتے ہیں ——— خدا کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارو، اور ان کو لکھدو کہ اگر محض شہرت واقعتاً ہی پسند ہے تو براہ کرم مہاتما گاندھی سے شادی کی درخواست کریں"

—" اس سے زیادہ تحلیل وتجزیہ تمہارے اختیار سے باہر ہے اس لئے تم نہیں سمجھ سکتے کہ محبت ان باتوں سے بے نیاز ہے اور جس طرح

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ایک مسلم حقیقت ہے اسی طرح اس رمز سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ

عشق گاہے بے سبب ہم خیمہ در دل می کند

میں یہ نہیں کہ سکتا کہ واقعی اس کو مجھ سے محبت ہے یا اگر محبت بھی ہے تو اُسکی نوعیت کیا ہے لیکن یہ ضرور کہونگا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی زندگی کو نسیم اپنی معیت سے پرنور بنا دے اور اسی خیال کے ماتحت میری تمنا بھی یہی ہے۔ اس کی تحریروں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری طرف بہت مائل ہے جس کو میں سوائے خوش قسمتی کے اور کیا کہ سکتا ہوں ؟"

—" خیر خوش قسمتی یا بدقسمتی کا حال تو بعد کو معلوم ہوگا اور خدا نے چاہا تو وہ چیز جسے تم خوش بختی کہتے ہو کمبختی ہی نکلے گی۔ فی الحال رائے زنی بیکار ہے لیکن یہ تو بتاؤ کس خاندان کی لڑکی ہے اور اسکی تعلیم کہاں اور کس حد تک ہوئی ہے ؟"

—" یہ مجھے خود نہیں معلوم میں نے تو ایکسچینج کلب (Exchange Club) کے شعبۂ ادبیات کا ممبر ہونے کے بعد فہرست میں اس نام کو دلچسپ دیکھ کر خط بھیجدیا اور اسکے جواب میں جو اسکی تحریر آئی تھی وہ تم بھی دیکھ چکے ہو اور اُس غزل کی بے انتہا تعریف کر چکے ہو جس کا یہ شعر تمہارے نزدیک غیر فانی ہے

مرا کیا ذکر ہے تم آنکھ بھر کر دیکھ لو جس کو
وہی دنیا سے کھو جائے وہی دیوانہ ہو جائے

پھر رفتہ رفتہ نوبت اس حد تک پہونچ گئی کہ تم کو لکچر دینے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ میں نے ایک مرتبہ ۔۔۔۔۔"

رشید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈاکیہ نے لاکر چند خطوط دئے، جن میں سب سے پہلے رشید نے یہ کہتے ہوئے کہ "لیجئے ایک اور خط اُن کا آگیا" ایک بڑے لفافہ کو چاک کیا جس میں تحریر تو نہایت مختصر تھی کہ :۔

"میں میوزک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لکھنؤ آرہی ہوں"

لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی جس کے نیچے یہ تحریر درج تھی :۔

" تاکہ آپ مجھے پہچان لیں ——— نسیم "

رشید دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا اور پھر عباس کے حوالہ کرکے خود سر پکڑ کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت اس پر نازل ہوئی ہو۔

اس وقت تک رشید کی جو کچھ گرویدگی نسیم کے ساتھ تھی اس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا صحیح ذوق رکھنے والی ثابت ہوئی تھی اور شاید ایک ہلکا سا تعلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ ابتک وہ نگاہوں سے دور تھی۔ لیکن اب جو تصویر اسنے دیکھی تو اس کی گرویدگی دفعتہً محبت میں تبدیل ہوگئی اور پس وپیش کا وہ عالم کہ اسے کیا کرنا چاہئے دفعتہً دور ہوگیا اور اُس کے دیکھتے ہی

اُسنے یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر حقیقی معاذ زندگی کا ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ نسیم کو شریک زندگی بنالیا جائے۔

ایک سرو قامت زیادہ سے زیادہ ۱۸ سال کی لڑکی بنگال کی کٹیلی آنکھیں خد وخال نہایت ذہین ریشمی ساری میں نہایت خوش وضعی کے ساتھ لپٹی ہوئی ـــــ یہ تھا مجموعہ تصویر کے سیاہ وسفید خطوط کے امتزاج واختلاط کا ـــ ہرچند بہ حیثیت مجموعی اُس میں کوئی ایسی ندرت نہ پائی جاتی تھی جو صاحب تصویر کے غیر معمولی حسن کی شہادت میں پیش کیا جاسکے لیکن رشید چونکہ پہلے ہی بڑی حد تک مغلوب ہو چکا تھا اور اب تصویر کے جابجا ہلکے سایوں نے جن کو مشاق مصور کی پنسل نے پیدا کیا تھا اُس کے صنعت پسند دماغ کو اور زیادہ متأثر بنا دیا تھا اسلئے وہ دیکھتے ہی سر بسجود ہوگیا اور دفعتہً اسکے دماغ میں اسقدر کثیر خیالات اور جذبات کا ہجوم پیدا ہوا کہ اسکا سر چکرانے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ وہ اس آسمان زمین سے علیحدہ کسی اور جگہ پھینک دیا گیا ہے جہاں انسان خواب وبیداری کے درمیان ایک ٹکرکی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

ہرچند رشید تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا لیکن اپنی فطرت وذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسانی سے کسیقدر بلند واقع ہوا تھا۔ وہ ایک شریف مگر معمولی خاندان کا شخص تھا جس میں تعلیم کا رواج زیادہ نہ تھا لیکن چونکہ یہ قدرت کی طرف سے ذہین دماغ لیکر آیا تھا اس لئے اسنے خود اپنی کوشش وکاوش سے عربی فارسی کی ضروری تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ سے اُسنے اپنی قابلیت میں کافی اضافہ کرلیا۔ لوگوں کا خیال ہے اور ایک حد تک غلط بھی نہیں کہ شروع ہی سے اُسکا میلان طبع انگریزیت کی طرف زیادہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی معیشت ومعاشرت نے بالکل انگریزی اصول اختیار کرلئے اور وہ یورپ کی ہر ادا کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھنے لگا۔ اسکی شادی خاندان ہی میں چچا کی لڑکی سے ابتداء عمر میں ہوگئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد بھی عرصہ تک اسکے ذوق میں کوئی خاص انقلاب پیدا نہ ہوا تھا اس لئے وہ بھی اس زمانہ تک اس تعلق سے مطمئن رہا لیکن جب رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اسکے دماغ پر قابو حاصل کرلیا تو اُس کو صفیہ سے نفرت ہونے لگی اور اسکے بعد اُسنے شاعری ادب نگاری اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں ملک کے اندر کچھ شہرت حاصل کرلی تو اس نفرت میں اور اضافہ ہوگیا کیونکہ اگر پہلے اس کو صفیہ سے اس لئے بیزاری تھی کہ اُسے جدید طرز سے خوشنما ساری باندھنا نہیں آتا دوپٹہ اور بالوں کو مختلف انداز سے سنوارنا نہیں جانتی وہ زینت اور آرائش کے جدید اصول سے ناواقف ہے اس کی رفتار اور گفتار میں کوئی لوچ نہیں ہے پردہ کی شدت سے پابند ہے تو اب اس میں ان الزامات کا اضافہ ہوگیا تھا کہ وہ اس کے مضامین نہیں سمجھ سکتی وہ اس کی ادبی شہرت کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکتی اور اس کے کہے ہوئے شعروں میں سے کسی معمولی شعر تک بھی اس کے ذہن کی رسائی نہیں ہے۔

صفیہ قدرتاً ذہین تھی اور اس میں کلام نہیں کہ اگر اسکی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا تو آسانی سے رشید اسکو اپنے ذوق کا بنا سکتا تھا لیکن چونکہ وہ حد درجہ سرعت پسند تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی دن میں اسکے اندر انقلاب پیدا ہو جائے اس لئے مہینہ دو مہینہ تک یہ کوشش کرنے کے بعد مایوس ہوگیا اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی بیکار صرف دماغ سے کہیں یہ اچھا ہے کہ صفیہ کو اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ اسکی بیگانگی نے نفرت وبیزاری کی صورت اختیار کرلی۔ ہفتوں ہو جاتے تھے اور وہ مردانہ

نشست سے اٹھکر گھر کے اندر نہیں جاتا تھا اور اگر کبھی وطن سے باہر چلا گیا تو مہینوں اُس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ صفیہ مرتی ہے یا جیتی ہے ـــــ
چونکہ رشید کی ماں زندہ تھی اس لئے وہ اپنی بہو اور پوتی کو سنبھالے ہوئے بیٹھی تھی ورنہ رشید نے اپنے طرز عمل سے کوئی دقیقہ اپنے آپ کو بداخلاق ثابت کرنے میں نہ اٹھا رکھا تھا۔ اسی طرح اُسنے کئی سال وطن میں بسر کئے لیکن اتفاق سے کاروبار کی ضرورتوں نے اُسے کسی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا اور وہ سب کو خیرباد کہکر اور اپنے خیال میں ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے لکھنؤ چلا آیا۔

رشید اس قدر معمولی شکل وصورت کا انسان تھا کہ زیادہ سے زیادہ اسے صرف "بے عیب" کہ سکتے تھے لیکن نطرت نے اس کمی کو اس طرح پورا کر دیا کہ دماغ غیر معمولی دیدیا اور زبان وقلم میں خاص قوت ودلیعت کر دی۔ یہی اصل راز اس کامیابی کا تھا اور اسی نے اس کی بہت سی اخلاقی برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

چونکہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے وہ اپنے آپ کو بدنصیب جانتا تھا، اس لئے قدرتاً بہت سی آرزوئں کے جن کی تکمیل کے لئے وہ ہر وقت بیتاب رہا کرتا تھا' اُس کی ایک آرزو یہ بھی تھی کہ کوئی نہایت شائستہ وتعلیم یافتہ عورت اس کو مل جائے لیکن وہ ہنوز اس میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ اب نسیم کے ساتھ خط وکتابت کرنے اور اسکی تصویر دیکھ لینے کے بعد البتہ اس کو یقین ہو گیا کہ شاید تکمیل آرزو کی ساعت آ گئی ہے اور اس لئے یہ معلوم کر کے کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہے، اُس نے اپنی نئی زندگی کی ساری اسکیم بھی مرتب کر لی اور نسیم کی پزیرائی کے لئے طیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ (باقی)

(ماخوذ از مرقع لکھنؤ) نیاز فتحپوری

واردات قلب

آغاز ہوا ہے الفت کا اب دیکھئے کیا کیا ہونا ہے
یا ساری عمر کی راحت ہے یا ساری عمر کا رونا ہے

شاید تھا بیاض شب میں کہیں اکسیر کا نسخہ بھی کوئی
ای صبح یہ تیری جھولی ہی یا دنیا بھر کا سونا ہے

تم پھول سمجھتے ہو جنکو وہ میری یاد کی ساتھی ہیں
تم دوب بتاتی ہو جسکو وہ میرا نرم بچھونا ہے

تدبیر کے ہاتھوں سے گویا تقدیر کا پردہ اٹھتا ہے
یا کچھ بھی نہیں یا سب کچھ ہی یا مٹی ہی یا سونا ہے

ٹوٹے جو یہ بند حیات کہیں اس شور وشر سے بچ جائے
مانا کہ وہ دنیا ای افسر صرف ایک لحد کا کونا ہے

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

علی گڈہ جبلی

تانگے والون، شوفرون، سپاہیون، بے فکرون، لوہارون، نجارون، سمارون، بلکہ مہاجنون اور تاریک خیال مولویون کی آبادی کو اگر "اسلامی ہند" کہتے ہین تو ہمین کوئی اعتراض نہین، لیکن اگر اسلامی ہند سے مراد وہ مسلمان آبادی ہے جس مین، علمائ، فلاسفہ، وصلحا، مصنفین ومولفین، محققین ومورخین، ارباب سیاست واصحاب فکر وفراست داخل ہین تو ہم آپ سے کہتے ہین کہ ان سب کے نزدیک "مسلم یونیورسٹی علی گڈہ" کا وقار اوس کی عظمت وعزت نہایت رفیع ہے، لیکن اس سربرآوردہ جماعت مین یونیورسٹی یا علی گڈہ کالج کی تمام تر توقیر وسربلندی سرسید علیہ الرحمۃ کے اس اعلان کی بنا پر ہے جس مین انہون نے کہا تھا کہ

"یہان کے فارغین علم وحکمت کے اکتساب کے ساتھ ہی قومیت ومذہبیت
کے زندہ کرنے والے ہون گے"

مرحوم کا یہ وہ اعلان تھا جو دنیا کے متمدن سے متمدن ممالک اپنی تعلیم گاہون کے متعلق کیا کرتے ہین، اور یہ امر واقعہ ہے کہ متمدن ممالک کی ایسی ہی تعلیم گاہون کی تاثیر ہین جنہین آج انگریزون سے لیکر وہ بدوی افراد بھی شامل ہین جو کسی ایسی ہی قومی درس گاہ سے استفادہ کرکے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کے لئے وجہ افتخار وعزت بنے، اور یہی وہ تصور ہوسکتا ہے جس کے ساتھ ہندوستان کا ہر صاحب علم وبصیرت علی گڈہ کو دیکھنا چاہتا ہے،

لہٰذا ہم جو آج سارے ہندوستان مین سب سے زیادہ، قابل لائق، ایم اے، مولوی، فاضل، روشن خیال، بیدار مغز، اور مفلس واقع ہوئے ہین کچھ ایسے ہی تصورات کے عملی نمونے دیکھنے کے لئے علی گڈہ جانے کے لئے تیار ہوئے، گو پچاس سال کے عملی نمونے خوب خوب دیکھ لینے کے بعد اس مرتبہ پھر علی گڈہ جانا "آزمودہ را آزمودن" کا بقیہ حصہ ضرور تھا، لیکن جس طرح ایک اردو شاعر کسی جگہ "مشاعرہ" کی خبر سنکر بلا اذن بھی طرح مین غزل کہنے پر مجبور رہے ٹھیک اسی طرح ایک علمی آدمی خصوصًا اخبار نویس کے لئے کسی جگہ بھیڑ اور ہجوم کی اطلاع بس ہے، خاص کر ایسے وقت مین علی گڈہ نہ جانا جبکہ کارکنون نے "ذوق نظر" کے بھی تمام اسباب فراہم کرنے کا اعلان کر دیا تھا، نہ کفران تماشہ ؟

پس آل انڈیا نیشنل کانگریس کانپور کے قل سے فراغت ہوئی تو وطن واپس ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور چشم تماشہ طلب کو کسی نئے مجمع کی تلاش مین جب جمائیان آنے لگین تو کانپوری میزبان کی اجازت کے بعد پوری آن بان سے بستر کو ایک لکڑی مین لٹکا کر کاندھے پر رکھ سالس چھوڑ کا تو کانپور کے بڑے اسٹیشن پر جا پہونچے اور پوری عجلت سے بستر فرسٹ کلاس ویٹنگ روم کے سامنے رکھدیا تاکہ رخصت کرنے والے احباب اور اجلا بیات سمجھین کہ ہم فرسٹ کلاس مین سفر کرنے والے ہین، اتفاق سے آج مسافرون کی بڑی کثرت جب ہم نے "بابوجی" سے فرسٹ کلاس ٹکٹ مانگا تو انہون نے کہا کہ آپ دیر مین آئے اس لئے فرسٹ اور سیکنڈ کے ٹکٹ تو فروخت ہو گئے البتہ تھرڈ کلاس کے کچھ ٹکٹ البتہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن مین ہے

میرے پاس ہین اُن مین سے ایک دی سکتا ہون وہ بہی آپکی لیڈرانہ پوزیشن کے اثر سے، لہذا ہم نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا جو ہماری عادت کے قطعًا خلاف تھا، لیکن ۱۹۲۳ء مین ایک علی گڈہی بیرسٹر صاحب کے ساتھ فیض آباد سے پٹنہ تک کا سفر کیا تھا جس مین انہون نے ہمین یہہ سکھا دیا تھا کہ

صرف انگریزی لباس پہن لو، اور تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیکر فرسٹ مین

بیٹھ جاؤ، جب منزل مقصود بقدر دو اسٹیشن رہ جائے تو اس ٹکٹ کو

فرسٹ کے ٹکٹ سے بدلوالو،

پس اس حساب سے جب ہم اسٹیشن "ہاترس" پر پہونچے تو اسٹیشن ماسٹر سے وہی سبق دہرادیا لیکن اسکو کیا کہئیے کہ اسٹیشن ماسٹر ہاترس بہی تھے ہمارے ہی بھائی فورًا تاڑ گئے مگر پورے ضبط کے ساتھ مسکراکر فرمایا کہ جہان آپ اتنی دور تھرڈ کلاس مین آئے ہین وہان علی گڈہ تک درتھرڈ ہی مین چلے جائیے" اس وقت مارے خوشی کے ہمارے چہرہ کا جو رنگ تھا اُسے تو دیکھا صرف خدا نے لیکن ہم نے بھی ارادہ کرلیا کہ اب فرسٹ کلاس ہی مین جائینگے لہذا اس حالت مین کہ بستر تو تھرڈ مین اور ہم فرسٹ مین جون ہی علی گڈہ کے پلیٹ فارم پر قدم رکھا کیا دیکھتے ہین کہ ڈپٹی کلکٹر کے چپراسی کلکٹر سلام کر رہے ہین ہم جواب سلام بھی نہ دینے پائے تھے کہ ٹکٹ کا مطالبہ ہوگیا، ہرچند اسوقت سوائے خدا کے ہمین دنیا مین کچھ دکھائی نہین دے رہا تھا پھر بہی ہم نے خود کو سنبھال کر یہ ترکیب اختیار کی کہ زنانٹے سے انگریزی بولنا شروع کردیا جسکا ایک حرف بھی وہ نہ سمجھ لیکن جب اُس پر بھی ٹ کلکٹر ہی بنے رہے تو اردو زبان مین صاف صاف کہدیا کہ

اودھ کے شاہی خاندان کے مٹے ہوئے رکن ہین "گورنمنٹ نے وثیقہ تک ضبط

کرلیا ہے ہمین" کیا خبر کس رنگ مین رہتے ہین ؟

تھا کوئی بھلا مانس خاموش رہ گیا اور ہم مع بستر پلیٹ فارم کے دروازہ سے جالگے ۔ مولوی ۔۔۔۔ ایم، اے، ایل ایل، بی اور مسٹر ۔۔۔۔ ، ایس، سی، حیدرآبادی، علی گڈہ مین ہماری تاریخ ولادت سے باخبر تھے دیکھا تو سامنے کھڑے ہانپ رہے ہین، ہمین دیکھتے ہی مارے خوشی کے فٹ بال ہ گئے، ادھر ہم نے بھی بستر برداری کی خفت یون دور کی کہ غصہ کا چہرہ بناکر بستر دے مارا اور کہا لاحول ولا کوئی قلی تک نہین ؛ اب جو نظر اٹھاکر دیکھا تو رضا ردن کا ٹھٹھر ہو رہا تھا، ایک لیڈر صاحب سے دس بارہ رضا کار جھومے جا رہے تھے کوئی بستر چھینتا تھا تو کوئی صندوق وہ تو لیڈر صاحب نے ۔ لباس مبسوط پہن رکھا تھا ورنہ رضا کارون کا جذبۂ فدویت اُسے بھی بستر بنادیتا، معلوم ایسا ہو رہا تھا کہ اسوقت وفد حجاز بندرگاہ رابغ پر اترا ہے اور سلطان ابن سعود نیلی وردی والی فوجین اُسے اپنی حفاظت مین مکہ معظمہ تک پہونچانے کیلئے گھیر رہی ہین،

آج بڑے سویرے مسلم لیگ کا اجلاس ہے، خدا علی گڈہ کے تانگے والون کو نمونیہ کے مرض سے بچائے رکھے صبح کی اذان ہی کے وقت "تانگہ حاضر ہے" کی عدالتی آواز آگئی، گو اسوقت ہم کا نپوری سفر کی تھکن اور سردی کے پیاپے حملون سے شکست کھاکر لحاف سے دلچسپی بیچسپی اور راحت پاؤن چسپی فرمارہے تھے لیکن وہ تو آئے اسی غرض سے تھے، وضو کے ایمان آزما امتحان سے فارغ ہوکر ساتھیون کو اوٹھایا مگر سردی یہہ عالم تھا کہ آج صبح کی نماز مین دو سنتین اور دو فرض ہی پڑھ کر رہ گئے تانگہ نہایت خوش گلو تھا جسکے ہر عضو سے ترنم اور موسیقی کے نغمے بلند ہو رہے تھے

چونکہ تانگہ مین ہم کبھی پیچھے نہین بیٹھتے اس لئے کہ اس حساب سے آدمی الٹا چلتا ہے جو صریح حماقت ہے لہذا تانگہ والے کے پاس بیٹھ گئے، اتفاق سے تانگہ "کلاک ٹاور" کے پاس سے گزرا اور چونکہ اس سے قبل ہم یہان کے جغرافیہ سے واقف نہین تھے لہذا یہ سمجھکر کہ "کلاک ٹاور" کسی بڑے بزرگ کا مزار ہے گئے فاتحہ پڑھنے، تانگہ والے کو جو دیکھا تو مسکرا رہا تھا بس اس کی اس مسکراہٹ پر ہمین اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور معاملہ اس سے آگے نہ بڑھنے پایا ۔

بڑی فکر یہ تھی کہ جبلی کے میدانِ حشر مین خدا دو جماعتون سے پالا نہ ڈالے، ایک وہ جس مین ہمارے وطن کے بڑے لفظی دوست، بڑے لفظی ہمدرد، اور بڑے لفظی قدردان" شامل ہین، دوسری وہ جماعت جس مین ایسے ایڈیٹرون کا خطرہ تھا جن کے ساتھ ہمنے کام کیا، روٹیان کھائین اور بازارون مین گھومے، مگر ہم نے ترکیب یہ کی کہ ایک چادر اوڑھلی تھی جہان کوئی شناسا ملا فوراً "زیر نقاب" والا معاملہ کر لیا، پھر بھی سلطان جہان منزل مین وطن کے تین آدمیون اور "ایڈیٹرس کانفرس" مین پانچ ایڈیٹرون نے پہچان ہی لیا، اب ہم مع اہل وعیال یعنی ہمراہیون سمیت اس میدانِ جنگ مین داخل ہوئے جہان جبلی کے فلک بوس اور خیمے تنے ہوئے تھے، جس وقت اس کے دروازہ پر پہونچے تو وہ سائنٹیفک تختہ نظر آیا جس کے حروف مین زنگا رنگ پانی دوڑا کر "ویل کم" کے الفاظ کو روشن کیا جاتا تھا، اس انگریزی زبان کے "ویل کم" کے سوا جب ہم نے اس کے قریب، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، پنجابی، گجراتی، غرض کسی ایک ہندوستانی زبان مین بھی "خوش آمدید" کا تختہ نہ پایا تو ہم کسی قدر جھجک گئے اور خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ تمام میدان "صرف انگریزون کی آمد" کے لئے ہے مگر وہ تو مسٹر "بی، ایس، سی" نے کڑک کر کہدیا کہ

یہ پہلا نمونہ ہے یہان کی تربیت کا کہ ہم اپنی مادری زبان کی محبت اور
عظمت سے بیگانہ ہو گئے،

آگے جو بڑھے تو معاملہ اس سے بھی زیادہ خطرناک نظر آیا یعنی ایک بورڈ پر لکھا تھا "جہل مرکب" ہم نے فوراً ہی قدم روک لئے اور گھبرا کر بی، ایس، سی، سے کہا کہ "بھاگو" "بھاگو" انھون نے کہا خیر تو ہے ہم نے کہا دیکھتے نہین، جاہل گھوڑا اس طرف بندھا ہوا ہے انھون نے کہا کہ یہ "مرکب" نہین "مُرکبّ" ہے یعنی کسی تعلیم یافتہ نے مسلمانون کی اقتصادی پستی دور کرنے کے لئے رسالہ "سود مند" کے ساتھ رسالہ "جہل مُرکبّ" جاری کیا ہے اور اردو ادبیات مین مسلمانون کی اس حالت کو نمایان کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی نام بھی نہین تھا، اور جو آگے بڑھے تو جبلی کے محکمات انتظامی کے دفاتر نظر آئے جہان دفتر تنظیم کانفرنس کے دروازہ پر ڈاکٹر کچلو صاحب کے سودیشی پرائیویٹ سیکرٹری منشی حسین میر ایڈیٹر اخبار "لاحول" کھڑے مسواک کر رہے تھے، انھین دیکھکر اور ان کے اخبار کا نام یاد کر کے بی، ایس، سی، فوراً ہی بولے "سمجھئے یہ تیسرا نمونہ،

غرض اب مناسب یہی سمجھا کہ جلد پنڈال مین پہونچ جائین، ہمارا داخلہ چونکہ غیر سرکاری تھا اس لئے کوئی سلامی نہین اتاری گئی، پنڈال یون تو نہایت سائنٹیفک اصول سے بنایا گیا تھا مثلاً پولس کے چہرون کو نیلے اور سفید رنگ کے کپڑون سے الیاس ملتوں تو منشوی کر دیا تھا کہ ایک تختہ عمارت اور اس مین فرق محسوس نہین ہوتا تھا، اسٹیج پر سرسید، حالی، اور محسن الملک، کی تصاویر تھین، چونکہ ہماری تصویر نمبر مین پہونچی تھی اس لئے آویزان نہین کی گئی، البتہ اخبار نویسون اور رپورٹرون کی نشست اس جگہ بنائی گئی تھی جہان کسی تھیٹریکل کمپنی آف انڈیا مین ہارمونیم ماسٹر بیٹھتا ہے یعنی اسٹیج کے نیچے، اور اسی لئے ہم نے اس نشست مین بیٹھنا توہین سمجھا، حاضرین

کی تعداد اس لئے کم تھی کہ مسلمانوں میں صرف نا اتفاقی کافی پھیل گئی ہے جو کوئی نقصان کی بات نہیں، جب حاضرین شور و غوغا سے فارغ ہوئے تو ناظم اعزازی مسلم لیگ نے رپورٹ سنانا شروع کی جو خدا ہی کے فضل سے ختم ہوئی اور سر عبدالرحیم صاحب نے اپنا خطبۂ صدارت شروع فرمایا جو خالص انگریزی زبان میں تھا گویا ہم سب حاضرین آئرلینڈ کے رہنے والے تھے، جلسہ میں تہذیب صرف اسقدر باقی تھی کہ لوگ خطبۂ صدارت کی کاپیاں لیکر باہر چلے جا رہے تھے البتہ خطبۂ صدارت کی عربیوں پر کہیں کہیں صاحب صدر خود اکڑ لیا کرتے تھے، اور حاضرین تالیاں بجا دیتے تھے گویا صدر صاحب کوئی تماشہ ہیں، اب اگر مسلم لیگ کی اس حالت پر کوئی شخص جل رہا ہوگا تو وہ محمد علی شوکت علی ہونگے جو چار و ناچار کی شطرنج کی طرح اپنی اپنی کرسیوں پر اس لئے پیدل بنے بیٹھے تھے کہ آج مسلم لیگ کے بادشاہ کو مات ہی دیکر اٹھیں گے، چنانچہ دوسرے دن اونھوں نے فرمایا کہ مسلم لیگ کو چاہیے کہ وہ گورنمنٹ سے صاف اور زوردار الفاظ میں کہہ دے کہ اگر مسئلہ موصل میں مسلمانوں کی مایۂ صد نازش قوم ترکی پر کوئی زیادتی کی گئی تو ہم یہ کرین گے وہ کرین گے مگر وہ تو خدا کا شکر ہے کہ سر علی امام صاحب کا مذہبی جوش کام آگیا اور اُنہوں نے اس تجویز کو رد کر کے معاملہ ختم کر دیا ورنہ مسلم لیگ محمد علی کے ورغلانے سے ایسا ریزولیوشن پاس کر دیتی تو ہم سب لوگ پنڈال کے اندر ہی گرفتار ہو جاتے اور ہمارے اہل و عیال ہمیں حوض کوثر پر ہی دیکھتے ہاں اگر محمد علی نے دوسرے اجلاس میں تقریر کر کے ہمارا دل ہلا دیا لیکن اس سے ہوتا ہی کیا ہے بس یہی ہوا کہ ہم تمام حالات کو چھوڑ کر ایک خیمہ میں جا پڑے اور تاثیر کا یہ عالم رہا کہ مسٹر بی، ایس، سی، بول اُٹھے کہ لیجئے یہ چوتھا نمونہ،

غرض ان حالات کے ساتھ جب ہم لیگ کے اجلاس سے فارغ ہوئے تو مولوی، ایم، اے، ایل، ایل، بی، فرمانے لگے کہ چلو جبلی کے میدان کا تماشہ دیکھ لو، یہاں سے چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ علی گڈھ اولڈ بوائیز کی ایک نہایت نمازی پرہیزگار جماعت آتی ہوئی دکھائی دی، اعلیٰ درجہ کے کشمیرے کے سوٹ، خدام ہات باندھے پیچھے پیچھے اور دہن مبارک سے سیگریٹ اور سگار کے لکہ ہائے ابر بلند ہو رہے تھے سنا ہے کہ یہ لوگ یہاں اس لئے آئے تھے کہ اپنے قومی بھائیوں کو دکھا دیں کہ دیکھو ہم اس چندہ کے کالج سے تعلیم پاکر غریب اور بے کس مسلمانوں پر اس طرح حکومت کرتے ہیں، اب یہ اور بات ہے کہ اس حالت میں ان حضرات سے قومی، معاشرت، آداب مذہبی، قومی زبان، اور خدا ترسی کے اوصاف مٹ گئے ہوں جو کسی صحیح تعلیم کے صحیح نتائج ہو سکتے ہیں لیکن ابھی ہم ان لوگوں کی ان قومی خصوصیات کو مٹا ہوا پاکر افسوس کے گنبد ہی میں تھے کہ آنکھیں ایک اور تماشہ سے دوچار ہوئیں یعنی یہ کہ یہ اولڈ بوائیز تو وہ تھے جو ۹۵ فیصدی کے حساب سے نپولین اور گلیڈسٹون بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن یہاں کے وہ ۵ فیصدی طلبہ جو آج علم و اصول اور سائینس و فلسفہ کی رو سے صحیح طالب علم، فارغ التحصیل اور وطن پرست اور مذہب پسند کہے جاتے ہیں ان کا حال اپنی جگہ پر کچھ کم نہ تھا مثلاً مولانا شوکت علی جب آپ مسلم لیگ سے نکلے تو اولڈ بوائیز کی کافی تعداد نے آپ کو گھیر لیا اب جو مولانا کو ان لوگوں نے گھیرا تو مولانا لگے معانقہ کرنے اور طریق معانقہ یہ اختیار کیا کہ عربوں کے رسم و رواج کے موافق آپ ہر ملنے والے کی پیشانی اور اسکے قریب کے اُن دونوں حصوں کو بوسہ دیتے تھے جہاں "خال ہند" واقع ہوتا ہے، کیوں صاحب اگر علیگڈھ کے اولڈ بوائیز نے اپنی قومی زبان، لباس، تہذیب، عمل، اور مذہبی آداب کو بھلا کر انگریزی تہذیب اختیار کر لی ہے تو آپ نے یہ رسم کس ہندوستانی معاشرت سے اخذ فرمائی ہے ؟ اور کیا اس طرح اگر اولڈ بوائیز انگریزی کے لحاظ سے نیم انگریز خطۂ ہندوستان ہو گئے ہیں تو کیا آپ اس عربی رسم سے نیم عرب خطۂ عربستان نہیں ہو گئے پھر بتلائیے کہ علی گڈھ کے طلبہ سے عالم اسلام رہا نہ گھبراتے ہیں ؟

فی الجملہ مولانا کا انداز معانقہ تبلا رہا تھا کہ انھیں اپنے ان قومی و مذہبی بھائیون سے کس درجہ لگن ہے خدا مولانا کو اپنی اصول پر توفیق استقامت دے کہ وہ اس جذبہ سے متاثر نہین ہوئے اور یہی کہتے رہو کہ جبتک آپ سب اصول عمل کو نہ بدلین گے ہم آپ سے غیر ہی رہین گے ۔

یہان سے بڑہے تو شبلی کیمپ، حالی کیمپ، وغیرہ کے پاس گئے خیال تھا کہ شبلی کیمپ مین مرحوم کی تصویر ہوگی جس کے دائین طرف سید سلیمان اور بائین طرف عبد السلام بیٹھے ہونگے اور بیچ مین شعر العجم کی جلدین رکھی ہونگی، اسطرح حالی کیمپ مین تصویر کے ساتھ انکا مسدس بھی ہوگا لیکن جب قریب پہونچے تو دیکھا کہ ان مین بڑے خوفناک مسافر ٹھیری ہوئی ہین جنکی ہراداے غریب مسلمان ڈرکر الگ ہو جاتے تھے یہان سے بی، ایس، سی، اس طرف لیگئے جہان کچھ بک ایجنسیان تھین ان مین "پیالہ بک ایجنسی" بھی تھی یہان چونکہ مجمع کافی تہا اس لئے کچھ دیر ٹھہر گئے اور اس ایجنسی پر آنے والے حضرات کے نقرے سنتے رہے پھر جو نظر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہین کہ غائبانہ دوست مولوی سید سجاد حیدر یلدرم ترکی زبان مین چلے جارہے ہین یعنی تیز، اور ان کے عقب مین وطن کے چند ملاقاتی آرہے تھے اس لئے ہم یہان سے آگے بڑھے یہان سے بی، ایس، سی، اوس تعلیمی نمائش مین لیگئے جہان "عملی تعلیم" کو بہاڑ کرکے دکھلایا گیا تھا مثلاً اگر کسی طالب علم کو" ہاتی کے متعلق کچھ تبلانا ہے یا اونٹ کے اعضا کی تشریح درکار ہے تو ان دونون نحیف دلاغر جانورون کو لاکر کلاس مین باندہ دیا جائیگا اور پھر تبلائین گے کہ یہ ہین وہ جانور جنکا قصہ کتاب مین تم پڑھ رہے ہو" اسیطرح الف اور ب کے حروف تہجی سمجھانے کیلئے کلاس مین ایک بڑا بانس کھڑا کر دینگے جو الف کی طرح سیدھا ہوگا، غرض جو کام ایک منٹ مین پرانی وضع کے "میان جی" کرتے تھے اب "عملی تعلیم" کے ذریعہ سے وہ تین منٹ مین ہوا کریگا اور نتیجہ دونون کا یکسان یعنی سمجھانا ۔

آج اردو اخبارات کے ایڈیٹرون کی کانفرنس تھی پہونچے تو دیکھا خان بہادر مولوی شبیر الدین صاحب خطبۂ صدارت پڑھ رہے ہین اور کوئی سو سوا سو مسلمان سامنے بیٹھے ہوئے اونگھ رہے ہین خطبۂ صدارت ختم فرماکر خان بہادر صاحب بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ نہ معلوم کس اذیت کی وجہ سے پھر اوٹھ کھڑے ہوئے اور سینہ تان کر بولے کہ" بس دیکھ لیا مسلم لیگ کے لیڈرون کو" اور بس دیکھ لیا خلافت کانفرنس کے لیڈرون کو" اور بس دیکھ لیا ان کو" اور اُن کو" اور بس دیکھ لیا تمکو اور ہمکو کہ اتنی بڑی ایڈیٹر کانفرنس مین ایک بھی شریک نہ ہوا ۔

غرض خدا خدا کرکے خان بہادر صاحب کو بٹھلایا تو کھڑے ہوگئے سید جالب صاحب دہلوی اور کھانستے ہوئے فرمایا کہ ہے کوئی جو اردو اخبارات کی شکایت کرے؟ ممدوح کا یہ فرمانا تھا کہ تمام حاضرین لحاف پھینککر کھڑے ہوگئے اور لگے شکایتین کرنے، جن مین سے ایک شکایت بھی صدر صاحب نے نہ سنی کہ آپ قدرتاً ضعف کیوجہ سے اونچا سنتے ہین خیال ہے کہ بدرالحسن صاحب جلالی ایڈیٹر مدینہ تھے جنھون نے اس ہنگامہ کو رفع کرکے اصل کارروائی شروع کی یعنی تجاویز، جب تجاویز کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمنے بستر باندھ لیا اور یہ وظیفہ پڑھتے ہوئے اٹھ آئے کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو مین دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

ملا رموزی

جو صاحب

مارچ سنہ ۲۳ء، نومبر سنہ ۲۳ء، دسمبر سنہ ۲۳ء اور جنوری سنہ ۲۵ء کا نگار فروخت کرنا چاہین، براہ کرم مولوی محمد شہسود صاحب عیدگاہ روڈ دھنباد سے خط و کتابت کرین۔ انھین ان پرچون کی سخت ضرورت ہی۔

اور میراث حقیقی بھی نہ پا سکے، خوب زار و زار روئے حضرت محمود نے سمجھایا۔ کہ جو ہونا تھا ہو گیا، رونے سے کیا ہوتا ہے، اب اپنے دل کی طلب کو پوری کرو، کامیابی تمہارا ساتھ دے گی، اور انشا اللہ بامراد واپس ہو جاؤ گے۔ آپ نے آنسو پونچھ لئے، اور یہ کہتے ہوئے کہ؎

زمن بہر چہ کنی باد را ضمیم حقا　　کہ ہر چہ از تو رسد حبز عطا نمی بینم

اپنے تئیں شیخ کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے خاص لطف و محبت سے تربیت کی، اور چند ہی دنوں میں یہ نظر آگیا کہ حالت میں نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے، اور سحاب کرم کے چھینٹوں نے مزرع قلب کو شاداب کر دیا ہے۔ حضرت محمود نے پہلے ہی ان احوال کے طاری ہونے سے مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے صبر و سکون سے تمام مدارج طے کر لئے تو ارشاد و ہدایت کی اجازت ملی، اور خلافت محمود کا تاج پہنکر احمد آباد کو روانہ ہوئے۔ نعمانی نے لکھا ہے:۔

"ازان روز ہر کسے کہ او را دید مست بادۂ وحدت می گردید"

قاضی کمال الدین کو اس طرح آپ کے دہلی جانے اور حضرت نصیر الدین سے بیعت ہونے سے انکار ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"بہ ربزرگوار ہنگام رحلت او را در خلوت طلب داشتہ از انعام اولین و آخرین نوازش فرمود"

لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ کا انتقال دہلی میں ہوا ہے، اور آپ اسوقت احمد آباد میں تھے۔

احمد آباد واپس پہنچے تو یہاں مولانا نظام الدین صاحب کو سخت بیمار پایا، آپ باوجود سفر کی تکان کے تیمار داری میں مصروف ہو گئے، لیکن کاسۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا، والد کے انتقال کی ٹھیس لگتے ہی چھلک پڑا۔

والدہ کیلئے یہ دوسرا صدمہ تھا جس سے انکا ساغر حیات بھی چکنا چور ہو گیا۔ شوہر عزیز کی موت کے جانگداز آنسو بھی خشک نہ ہوئے تھے کہ یہ رونا رونا پڑا، ضبط تو کر سکیں قلب کی حرکت بند ہوئی اور چل بسیں۔

ایک ہی تاریخ ایک ہی وقت میں دو جنازے اٹھے، ایک ماں کا، دوسرا بھائی کا۔ تمام عزیز و اقارب جمع تھے، گھر مجلس عزا بن رہا تھا، سب کی آنکھیں نمناک تھیں۔ لیکن آپکی آنکھیں بالکل خشک، اور آپکا چہرہ رنج و اندوہ سے بے اثر تھا۔

اسی اثنا میں ایک جگر گوشہ، اور اسکے بعد رفیقۂ زندگی سے جدا ہونا پڑا، مگر آپکی رضا پیشگی اب بھی متزلزل نہ ہوئی۔ ان باتوں سے عشق اور گیان دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ لوگ آتے، مصیبتوں پر مصیبتیں ٹوٹ پڑتیں، لیکن آپ کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ایکدفعہ آستین میں سانپ چڑھ گیا۔ مگر آپکو پتہ نہ چلا، خادموں نے جسم سے اترتے دیکھا تو مارا۔ ایکدفعہ حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے کسی کونے سے نکلکر بچھو نے ڈنک مارا، اور آپ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ بیماری میں طبیب کو بلانے کی ممانعت تھی۔ کہ جس نے بیمار ڈالا ہے، وہی شفا دینے والا ہے، روحانیت اسقدر ترقی کر گئی تھی، اور قیود بشریت سے اتنے بلند ہو گئے تھے کہ دنوں بے آب و دانہ رہتے تھے، اور کوئی پہچان بھی نہ سکتا کہ بھوکے ہیں یا شکم سیر۔

اخبار الاولیا کے ایک راوی کا بیان ہے کہ بیعت ثانی کے بعد سے آپکی غذا صرف چار تولہ رہ گئی تھی، گیہوں کے بجائے جو کی روٹی کھاتے، اور گوشت کے سالن کی جگہ ساگ کی بھجیا ہوتی تھی۔

ریاضت اور مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ رات رات بھر نماز میں کھڑے رہتے، اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ دن کو اکثر جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور بازار میں بیچکر معذوروں کو دیدیتے۔ جس زمانہ میں طبیعت ناساز ہوتی تو پیان بنتے تھے۔

سمنانی کو جذب و سرمستی سے محبت ہے، وہ آپ کو مجذوب کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا کہنا دراصل آپکے کمال عرفان کی توہین کرنا ہے، یہ سچ ہے کہ آپ پر جذب طاری تھا، اور اکثر کیفیت سکر میں مدہوش رہتے تھے، لیکن ہر مدہوش مجذوب نہیں ہوتا۔ کیا خبر کہ وہ بظاہر مدہوش اور بہ باطن ہوشیار ہو جاننے والے جانتے ہیں کہ مستی و ہشیاری کے درمیان بھی ایک کیفیت ہوتی ہے اور بے خودی و سرشاری میں فراست و دانائی کا بھی ایک مقام ہوتا ہے دریا میں آب شور و شیریں کی لہریں ایک ساتھ بہتی ہیں، انسانی قلب میں بھی سکر و صحو، مستی و ہشیاری کی کیفیتیں بھی ایک ساتھ پیدا ہو کر قائم رہ سکتی ہیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جذب و سرمستی عقل و خرد کی متحمل نہیں ہو سکتی، اور ہوش و خرد جذب و وارفتگی کے ساتھ ساز نہیں کھا سکتے۔

صوفی جب تجلی ذات کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اسپر علی قدر استعداد سکر و صحو کی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ وہ اپنے حال کی سرشاری و مقام کی وارفتگی میں ہر تعلق و معاملت سے بالکل بیگانہ ہو جاتا ہے، محبوبات و مالوفات کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ لوگ اس کیفیت کو جذب سمجھتے ہیں، لیکن یہ عین ہوشمندی ہے کیونکہ یہ جو کچھ کیا جاتا ہے جان بوجھ کر کیا جاتا ہے ؎

گر بدانم کہ وصال تو بدین دست دہد　　دل و دین را ہمہ دربازم و توقیر کنم

مگر اسکے مدارج مختلف ہیں صحو کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جسپر سکر کا غلبہ ہوتا ہے اس میں فرائض و واجبات بالکل ساقط ہو جاتے ہیں اور سکر میں ایک درجہ ایسا آتا ہے کہ ہوشیاریاں بھی اسکے آگے بیہوشیاں نظر آتی ہیں۔ اس کیفیت کو منزل صحو کا مقدمۃ الجیش سمجھنا چاہیئے۔ جو رہروان طریق اس رنگ میں ترقی کرتے ہیں وہ اپنی ذات سے گذر کر دوسرون کیلئے بھی مفید ہوتے ہیں، ان کا فیضان بعد موت بھی جاری رہتا ہے، وہ ترقی کرتے ہوئے اقطاب و اوتاد کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، دنیا کیلئے ان کا وجود بمنزلہ آفتاب کے ہوتا ہے۔ لیکن جن پر سکر صحو آمیز کا غلبہ ہوتا ہے ان کی حالت درمیانی ہوتی ہے وہ نہ بالکل بیہوش ہو جاتے ہیں، اور نہ بالکل ہوشیار ہی رہتے ہیں۔ وہ زندگی ایک مستمر تلون ہوتی ہے۔ وہ کبھی شہر و آبادی میں آجاتے ہیں اور کبھی جنگل و ویرانہ میں جا بیٹھتے ہیں،

بہرحال اصل خیر ان دونوں کا ایک خاص تناسب سے باہم اجتماع ہے، یعنی مخلوق کی طرف سے مدہوشی اور خالق کی طرف ہوشیاری۔ یہ اجتماع ابتدا ہوتا ہے، شیخ پر یہ کیفیت۔ صحو سکر آمیز سے شروع ہوئی تھی۔ کچھ دنوں تو سکر کا غلبہ رہا، لیکن اسکے ساتھ صحو بھی عناں گیر تھا، فرائض و واجبات کیطرف سے غافل نہ ہوئے۔ جب مزاج اعتدال پر آیا تو صحو نے فتح پائی اور دونوں کے درمیان ایک مساویانہ عہدنامہ ہوا۔ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کی، سکر کی سرشاری نے دامن گلنار ہو رہا تھا، صحو کے پانی سے اسکو دھویا، درس و ہدایت کیلئے طیار ہوئے، پند و مواعظ کی مجلسیں مرتب کیں، خانقاہ میں امر بالمعروف مناد کی تربیت ہونے لگی، گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم کی طرف بلایا، اور ہر شخص کو کعبۂ حقیقت کی طرف صدائے عام دی۔ سلسلۂ نظامیہ میں لکھا ہے،

"شیخ در کیفیت سکر مدہوش و بے حال بود، لاکن در قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر از صحو و ہوشیاری لبیار مغلوب" (صفحہ ۸۷)

یوں سمجھو کہ بیخودی عشق میں لذت خموشی سے لطف اندوز بھی تھے، اور خالق کی جانب عقلمندی و ہوشیاری کی شراب سے سرشار بھی، روضۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ آپ عشق الٰہی میں ایسے فنا ہو گئے تھے کہ جو قدم حدود اللہ سے باہر پڑتا، بزور قوت اسے مجبور کر دیتے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف ہٹ آئے۔ رہروان طریق کی اعانت و دستگیری کیلئے آپنے اپنی زندگی بالکل وقف کر دی تھی۔

آپ کے چار فرزند تھے، جن میں ایک عہد شیرخواری میں اور دوسرے آغاز شباب میں فوت ہو گئے۔ تیسرے کیفیت جذب میں گھر سے نکلکر لاپتہ ہو گئے تھے،

جو تھے جو سب سے بڑے تھے آپ کے جانشین ہوئے، کہ کمالات ظاہری و باطنی مین وہی کامل تھے۔
تین دن بیمار رہ کر ۲۱ جمادی الاول کو رات کے دو بجے انتقال کیا، خانقاہ مین نماز جنازہ ادا کیگئی، اور وہین ایک گوشہ مین دفن کر دیے گئے۔

ناظر دہلوی

غزل

چشم را کاوش مژگان تو دیدن ندہم دل ہمہ خون کنم از دیدہ چکیدن ندہم

غنچہ بو بیست چو بیرون داد تو دلتنگ مباش من زدل بوئے وفائے تو رمیدن ندہم

نگذارم کہ تو با خود ہمہ تنہا باشی من تراہم بحریم تو رسیدن ندہم

ذوق بے بال و پری تا پر پرواز شکست چشم را گر ہوسے ہست پریدن ندہم

ننمایم بتو حال دلِ صد پارۂ خویش من ترا زحمت صد نالہ کشیدن ندہم

جان من، جامہ تراتنگ در آغوش کشد جامۂ ہستی عشاق دریدن ندہم

تا گزیدہ است لب لعل شکر خائے ترا من ترا نیز لب خویش گزیدن ندہم

کیست آن کو برسد تا بحریم نازت کہ خود ترا بخیال تو رسیدن ندہم

بیخود اکنون کہ بدستم سر زلفش دادند
از قیامت برسد صبح دمیدن ندہم
بیخود موہانی (ام۔ اے)

ماجرا

شب کہ بزم عالم کا ذرہ ذرہ اپنا تھا — کیا بتائیں ای ہمدم! ہائے کیا نظارہ تھا

آشنائے مسلم تھا ساقی مئے عرفان — میکشی ہماری تھی، میکدہ ہمارا تھا

برق طورِ سینا تھی اور تھا دلِ مسلم — جلوہ گاہِ راز و ناز آئینہ ہمارا تھا

کیا جمالِ رنگین ہے، کیا خیالِ تمکین ہے — دلربائی کیا شے ہے، دلربا ہمارا تھا

عالمِ دنی کیا ہے، ہم خدا کے طالب تھے — ہمتیں ہماری تھیں، حوصلہ ہمارا تھا

بادۂ حقیقت کا دو کچھ بڑی شے ہے — یہ تو ایک ادنیٰ سا مشغلہ ہمارا تھا

جستجو نے پہونچایا منزلِ حقیقت تک — وادیٔ طلب میں شوق رہنما ہمارا تھا

علم سے محبت اور اسقدر محبت تھی — علم جسکو کہتے ہیں، دلربا ہمارا تھا

مژدۂ حقیقت ہے عالمان یورپ کو — فلسفہ تمہارا کیا، فلسفہ ہمارا تھا

عارفِ الٰہیات اہلِ دل ہمارے تھے — فلسفہ حقیقت میں حق نما ہمارا تھا

بوعلی و فارابی، ابن رشد و غزالی — اہلِ علم و دانش کا قافلہ ہمارا تھا

دانشِ ارسطو نے سو سبق لئے جس میں — علم جانتا ہے وہ مدرسہ ہمارا تھا

خاک چھانی دنیا کی جستجوئے علمی میں — علم اور حقیقی علم مدعا ہمارا تھا

یہ تلاشِ علمی تھی، سیکڑوں ہزاروں کوس — پاپیادہ پھرتے تھے، ڈھونڈھنا ہمارا تھا

شاہدِ حقیقت ہیں اندلس کے ویرانے — جن میں اک بڑا بھاری مدرسہ ہمارا تھا

یہ تو ہم نہیں کہتے، ہم خدائے عالم تھے — ہاں خدا کے بندے تھے اور خدا ہمارا تھا

اِس طویل قصے کا، اسقدر خلاصہ ہے — سب خدائی تھی اپنی، جب خدا ہمارا تھا

حیف سرگذشت اپنی آج اک فسانہ ہے

ہم بھی کیا کہیں گویا! یہ بھی اک زمانہ ہے

آج ہم کہیں کس سے بیکسی کا افسانہ — یہ زمین بیگانی، آسمان بیگانہ

بادۂ حقیقت کی اب کہاں خریداری — اب کہاں وہ بادہ کش، اب کہاں وہ میخانہ

علم و فن کے چرچے اب کہیں نہیں ہوتے — اٹھ گیا زمانے سے وہ سمجھنا، سمجھانا

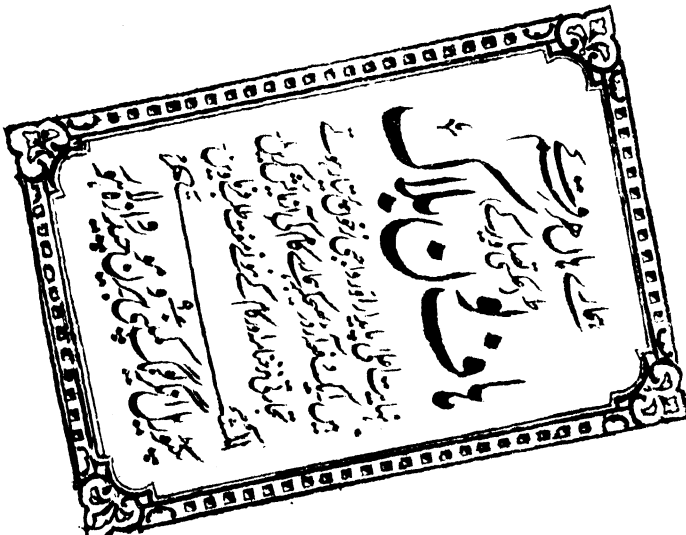
غیر کی شکایت کیا اپنی ہی جہالت ہے — علم کو مرض سمجھے، جہل کو دوا جانا
اپنی خود پرستی ہی انتہائے پستی تھی — غیر کو خدا سمجھے، غیر کو خدا جانا
زندگی کے مقصد کو بھول ہی گئے ہم تو — اپنی سر تمنا کو اصل مدعا جانا
علم سے عداوت کی، جہل سے محبت کی — فکر نارسا ٹھہری، آہ کو رسا جانا
وقت کی یہ ناقدری عمر بھر رلائیگی — عمر جیسی نعمت کو ہم نے بیہودہ جانا

ای فنائے سرشاری زندگی ہو بیداری
زیست کو اگر مسلم! چاہیئے ہی ہشیاری

پھر تو ای دلِ مسلم! راز آشنا ہو جا — چھوڑ دی خودی اپنی بندۂ خدا ہو جا
رازِ سرفرازی کا بندگی میں پنہاں ہی — بندۂ خدا! پھر تو بندۂ خدا ہو جا
چھوڑ دی تنگ ظرفی، قلزمِ حقیقت بن — قطرۂ حبابِ دل! آپ میں فنا ہو جا
غیر سے بھی الفت کر دامنِ نظر پھیلا — پھر تو ای دلِ مسلم! مثلِ آئینہ ہو جا
ذرے سے دلِ مسلم! نیرِ درخشاں بن — نیرِ درخشاں سے عالمِ ضیا ہو جا

پھر وہی زمانہ ہو، پھر وہی ترانہ ہو
ای خرد! تو ہمرازِ رازِ ارتقا ہو جا

گویا جہان آبادی



(استفسارات)

نیوپلاٹنزم

(جناب سید اصغر حسین صاحب بلاری)

فلسفہ Neo-Platonism سے کیا مراد ہے؟ اسکی ابتدا کب ہوئی اور اس کی مختصر تاریخ کیا ہے؟ اس کے ساتھ اگر ممکن ہو تو اسلام کی تاریخ فلسفہ پر بھی کچھ روشنی ڈالئے۔

(نگار) آپنے ناحق اس سوال کے دو ٹکڑے کر دئے، کیونکہ تاریخِ فلسفۂ اسلامیہ کے ضمن میں فلسفۂ Neo-Platonism (افلاطونیت جدیدہ) کا ذکر یوں بھی ضروری تھا۔

آپ کا استفسار ایک بسیط مقالہ چاہتا ہے گر چونکہ آپ صرف "کچھ روشنی" پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ معلوم ہوتے ہیں، اس لئے بسیط مضمون کو کسی دوسرے وقت پر منحصر رکھ کر مختصراً یہاں عرض کرتا ہوں :-

جس وقت ہم اسلام کے متعلق کسی مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو لازمۃً ہمارے سامنے سرزمین عرب کا نقشہ آجاتا ہے اور ہر بحث کا مبدا وہیں کی تاریخ قرار پاتی ہے۔ چنانچہ فلسفۂ اسلامیہ کی تاریخ پر تبصرہ کرتے وقت بھی بے اختیار ہمکو رجوع کرنا پڑتا ہے اسی ملک کی تاریخ کی طرف اور نیز اس امر کی جانب کہ قبل اسلام وہاں کی حالت اس مخصوص نقطۂ نظر سے کیا تھی۔ لیکن عرب قبل اسلام میں ہمیں کسی فلسفی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ شعراء اور حکماء ضرور تھے جن کے اقوال ملک میں بہت مقبول تھے۔ طبیعی اسباب کی بنا پر انہوں نے محض ستاروں کے ضرور کچھ نام رکھ لئے تھے (کیونکہ رات دن کھلے ہوئے آسمان کے نیچے رہنے سے انھیں ستاروں کے مشاہدہ کا اکثر موقعہ ملتا تھا) لیکن اس میں کوئی علمی رنگ پیدا نہ ہوا تھا۔

جب ظہور اسلام ہوا تو اس وقت بھی فلسفہ کی نشو ونما کا کوئی موقعہ نہ تھا، کیونکہ اس وقت سارے ملک کے امیال وعواطف کا مرکز صرف حیات مذہبی اور سیاست دینی تھا۔ خلفاء راشدین اور امویین کے عہد میں بھی سنہ ۱۳۲ھ تک فضا کی حالت قریب قریب یہی رہی، اور مسائل دینی کی اہمیت نے لوگوں کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں بیشک بعض ایسے علماء کا ذکر پایا جاتا ہے جو طب میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اور ابن خلکان نے خالد بن یزید اور جعفر الصادق کے حالات میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ علم الکیمیا اور طب میں انہوں نے بعض رسائل بھی مرتب کئے تھے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس زمانہ کا ذوق عام علم و فلسفہ تھا۔

جب دولت امویین کے زوال کا زمانہ آیا تو اس وقت دینی مسائل کے متعلق جو بحث ہوتی تھی اس کا تعلق علم کلام یا مابعد الطبیعۃ سے تھا یعنی یہ کہ انسان مجبور ہے یا مختار، کبائر کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے یا نہیں، قرآن مخلوقات میں شامل ہے یا نہیں؟ لیکن یہ تمام مباحث حقیقتاً

سیاسی تھے جن کو مذہبی رنگ مین پیش کیا جاتا تھا اور اس لئے علم و فلسفہ کا اطلاق ان پر بھی نہین ہو سکتا۔

جب دولت عباسیہ کے عہد مین فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا اور حضارت اسلام عروج پر پہونچی تو علوم کی طرف بھی توجہ ہوئی اور منصور، رشید، مامون کے زمانہ مین علوم یونانی عربی زبان مین منتقل ہوئے۔ ان علوم مین نہ صرف طب، ہندسہ، ہیئت شامل تھے بلکہ فلسفہ: طبیعیات، الٰہیات، منطق، نفسیات، اور سیاست و اخلاق کی کتابین بھی ترجمہ کی گئین۔ اور اس طرح دوسری تیسری صدی ہجری مین افلاطون، ارسطو، اقلیدس، بطلیموس اور جالینوس وغیرہم کی کتابین عربی مین آگئین، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم اس عہد کو بھی اسلام کا عہد فلسفہ نہین کہہ سکتے کیونکہ سوائے ترجمہ کرنے کے انھون نے اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ نہین کیا اور نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ ہنوز دور تراجم سے نہ گزر چکے تھے اور دور ابداع و اختراع ہمیشہ اس دور کے بعد آتا ہے۔ علم الکیمیا، طب، عضویات اور معدنیات مین بیشک انھون نے بعض ایسے قوانین کا اضافہ کیا جو علوم یونانی مین نہ پائے جاتے تھے، لیکن دیگر علوم مین (مثلاً منطق، نفسیات، اور اخلاق) مین وہ بالکل فلسفہ ارسطو اور افلاطونیہ جدیدہ (Neo-Platonism) کے متبع تھے

سب سے پہلے مسلمانون کو جس فلسفہ کی طرف توجہ ہوئی وہ یہی افلاطونیہ جدیدہ کا فلسفہ تھا یہ فلسفہ کی وہ شاخ یا قسم تھی جس مین مذہب و فلسفہ کو ملانے کی کوشش کی گئی تھی اور دوسری صدی عیسوی مین بمقام اسکندریہ ظاہر ہوا تھا۔ اس فلسفہ کے بانیون کا مقصد یہ تھا کہ دین مسیحی کے ساتھ مذاہب شرقیہ، مذاہب یونان علے الخصوص افلاطون کے مسلک کو ملا دیا جائے۔ اور اس کی یہی وہ خصوصیت تھی جس نے مسلمانون کو اپنی طرف مانوس کیا کیونکہ ان مین مذہبیت زیادہ قوی تھی اور وہ اسی فلسفہ کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے جس مین مذہب کا بھی کچھ رنگ پایا جائے۔ مسلمانون نے جب افلاطونیہ جدیدہ کا مطالعہ کیا تو وہ اس سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ بعد کو جب افلاطون و ارسطو کے فلسفہ کا مطالعہ کیا تو اسی تاثر کے ساتھ جو پہلے سے ان کے دماغ مین پایا جاتا تھا۔

مسلمانون مین سب سے پہلے جس نے اس لحاظ سے شہرت حاصل کی یعقوب الکندی تھا جو فیلسوف عرب کے نام سے مشہور رہا۔ اسنے ترجمہ و نقل کے ذریعہ سے عربی زبان کو فلسفہ کی بہت سی کتابون سے الامال بنا دیا چنانچہ اخبار الحکماء اور فہرست ابن ندیم مین ۲۵۶ کتابین اس کی طرف منسوب کی گئی ہین۔

اس کے بعد ابو نصر فارابی رونما ہوا جو سیف الدولہ بن حمدان کے زمانہ مین پایا جاتا تھا۔ یہ کثیر زبانون کا ماہر تھا اور علاوہ لغت و فلسفہ کے موسیقی و ریاضی کا بھی ماہر تھا۔ یہ تعلیمات ارسطو کا اتنا شائق تھا کہ اسنے اسکی کتاب النفس کا سو مرتبہ مطالعہ کیا۔ چونکہ ارسطو کو معلم اول کہتے تھے اس لئے فارابی کو (اس لحاظ سے کہ وہ ارسطو کا بڑا مداح تھا) معلم ثانی کہنے لگے۔

فلسفہ اسلامیہ مین جماعت اخوان الصفا کے تحریرات کا بھی خاص مرتبہ ہے یہ چند لوگون کی ایک جماعت تھی جنھون نے اپنے آپ کو اخوان الصفا کے نام سے ظاہر کیا۔ اس جماعت کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کو بالکل فلسفہ کے لباس مین پیش کیا جائے ان کا قول تھا کہ "جب تک فلسفہ یونانیہ اور شرعیہ عربیہ کا آمیزہ نہ ہو جائے تکمیل حاصل نہین ہو سکتی" اس جماعت نے ۵۱ رسالے لکھے جن مین تصوف اور افلاطونیہ جدیدہ کو مخلوط کر کے پیش کیا گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جماعت باطنی اسماعیلی طبقہ سے متعلق تھی۔ ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا وسط تھا۔

ان کے بعد ہی بو علی سینا پیدا ہوا جس نے ایک فلسفی کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ نہ صرف طب کا ماہر تھا بلکہ الٰہیات و منطق کا بھی بڑا فاضل شمار کیا جاتا تھا الغرض تیسری، چوتھی، پانچویں صدی ہجری میں یونانی فلسفہ اسی طرح مسلمانوں میں پھیلتا رہا حتےٰ کہ ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی جس نے الٰہیات کے متعلق ارسطو، افلاطون اور افلاطونیہ جدیدہ کی تعلیمات کا رد شروع کیا۔ یہ گویا علم کلام کی بنیاد تھی۔ اس سلسلہ میں علت و معلول، زمان و مکان، حرکت و سکون اور دور و تسلسل وغیرہ کی بحثیں شروع ہوگئیں اور متکلمین نے نہ صرف فلاسفہ بلکہ معتزلہ، زنادقہ اور حنابلہ وغیرہ کا بھی رد کیا۔ اس جماعت میں ابو الحسن اشعری، امام الحرمین اور باقلانی نے خاص شہرت حاصل کی۔ ان کے بعد غزالیؒ آئے اور انھوں نے فلسفۂ یونانی کا نہایت غائر مطالعہ کرکے اس کے رد میں تہافت الفلاسفہ لکھی جس نے لوگوں کو خالص تعلیم دینی اور تصوف کی طرف مائل کیا غزالیؒ کے بعد پھر جتنے لوگ آئے انھوں نے غزالی ہی کا تتبع کیا۔

اندلس اور شمالی افریقہ میں بہ نسبت مشرق کے فلسفہ کو زیادہ ترقی ہوئی اور حکم ثانی کے زمانہ (نصف چوتھی صدی ہجری میں) علوم طبیعی نجوم، طب، کتب فارابی، رسائل اخوان الصفا کا بڑا سرمایہ اندلس منتقل ہوگیا۔ یہاں کے فلاسفہ میں ابن باجہ، ابو بکر بن طفیل اور ابن رشد کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ابن رشد نے غزالیؒ کے رد میں تہافت التہافت لکھکر پھر ایک مرتبہ لوگوں کا رخ پھیر دیا اور فلسفہ کی گرم بازاری ہر جگہ نظر آنے لگی جب چھٹی صدی ہجری آئی تو فلسفیانہ بحثوں کا مدار صرف اسلاف کے اقوال رہگئے اور تحقیق و ابداع کی جگہ تقلید نے لے لی۔ بعد کو ابن خلدون نے ضرور اس داغ کو مٹایا اور فلسفہ تاریخ و علم الاجتماع میں مجتہدانہ درجہ حاصل کیا۔ لیکن اس کے علاوہ پھر کوئی شخص نمودار نہ ہوا جو حقیقی معنی میں محقق کہلایا جاتا۔

بیدل کے بعض اشعار

(جناب مرزا رحیم بیگ صاحب۔ حصار)

بیدل کی شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور اشعار ذیل کا کیا مطلب ہے :-

ہنوز ہستی بے اثر چہ نقاب شوکتم از حیا ۔۔۔ تو مگر بہ نظرے کنی کہ دمے عرق کنم از حیا

اگر م بخط امتحان ہوس کتاب نہ آسمان ۔۔۔ مژہ برہم آرم ازیں دو آنچہ یک ورق کنم از حیا

نیست خرابات جنوں عرصۂ جولان فسوں ۔۔۔ لغزش مستانہ خوش ست آبلہ پا نہ برا

کف پائے حجلہ نشین بالخیال کردکمیں ما ۔۔۔ پئے آرزوئے جبیں ما بچراغ رنگ حنا طلب

چو حباب غیر لباس تو چہ توقع و چہ ہراس تو ۔ نہ توانی و نہ قیاس تو چو کشند جامۂ پیکرت

زلبند و پست بساط رنگ اثری نزد در آگہی ۔ کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سرو چہ بست خندۂ دوگلی
بخیال غنچہ نشستہ ام بخیال آئینہ بستہ ام ۔ ز دل شکستہ کجا روم چو بہار آبلہ پائے گل
تو بدستگاہ چہ آبرو ز طرب دفا کنی آرزو ۔ کہ شکستہ کاسۂ رنگ و بو بمزاج خندہ گدائی گل

بجاست آنقدرم بقا کہ تلے کنم دفا ۔ عرق خجالت زحمتم نم انفعال زمانیم
نفس دنم ہمہ تن الم بہ بردہ آبلہ در قدم ۔ چو غبار داغ نشستنم چہ شریک تنگ دامنیم

(نگار) بیدل کے متعلق ملک میں دو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ہاں زبان کا کوئی لطف نہیں ہے خیالات میں ضرورت سے زیادہ آورد و تصنع ہے اور تخیل کی بلندی غیر مناسب حد تک بڑھکر معما ہو کر رہگئی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بیدل کی شاعری زبان کی شاعری نہیں ہے بلکہ صرف تخیل کی شاعری ہے اور چونکہ وہ بہت بلند ہے اس لئے ترکیب الفاظ اور اسلوب بیان میں پیچیدگی کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ مضامین کی رفعت مستلزم ہے الفاظ و ترکیب کی ندرت کو اور چونکہ ابداع و اختراع کو ہر معمولی دماغ پسند نہیں کر سکتا اور نہ کچھ سمجھ سکتا ہے اسلئے اکثر لوگوں نے اسکے کلام کو مہمل کہدیا۔ میرا میلان طبع بھی یہی ہے کہ میں اس دوسری رائے کو پسند کروں بات یہ ہے کہ بیدل نے اپنی تمام تصنیفات میں خواہ وہ نظم کی ہوں یا نثر کی صرف ایک فلسفہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ ذات باری کی کنہ تک پہونچنا امر محال ہے اور انسان اس باب میں بالکل عاجز ہے اس سلسلہ میں اُسنے وحدت الوجود کو بھی اکثر جگہ بیان کیا ہے اور صرف اسی ایک خیال کے ماتحت اُسنے ایسے ایسے بلند مضامین اور اسدرجہ نازک و پاکیزہ جذبات سے کام لیا ہے کہ اُن تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ یقیناً زبان کا لطف بیدل کے کلام میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی شاعری کسی معمولی عاشق کی غزل سرائی نہیں ہے جس میں پیش پا افتادہ جذبات ہجر و وصال کا اظہار ہو بلکہ وہ بیان ہے اُن کیفیات کا جن کا تعلق اس مادی دنیا سے بالکل نہیں ہے اور اسکی شاعری ایک آواز ہے جو صرف اعماق روح سے پیدا ہوتی ہے اور جن کے قبول کرنے کے لئے وسیع ترین الفاظ کا ملبوس بھی تنگ نظر آتا ہے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک، کیفیات غیر معمولی اور واردات قلب نادر ہونگے تو اُن کے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں کبھی کارآمد ثابت نہ ہونگی اور لا محالہ ان کے لئے کوئی جدید اسلوب بیان، کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے پڑیں گے، اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ:۔

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لئے

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور نہ اُن کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

کہ وہ ہر نئی بات کو بغیر "استاد" کے قبول کرلین اس لئے بیدل کے کلام کو مہمل کہنے والے زیادہ نظر آتے ہین ۔ اسی کشمکش مین غریب اقبال مبتلا ہے، جب تک اُردو مین اُس نے اظہار خیال کیا دہلی لکھنو کی لسانیات بلائے جان بنی رہی، اور اب جبکہ فارسی ملبوس اختیار کیا تو زبان دان حضرات اس مین جھول بتاتے ہین، حالانکہ جو کچھ وہ کہتا ہے نہ اس سے قبل لکھنو کا روزمرہ اُسے پیش کرسکا اور نہ ایرانی زباندانی مین اسکی کوئی مثال نظر آتی ہے ۔ لیکن جو نگاہین صرف سطح تک پہونچکر رہجاتی ہین، یا جنکے نزدیک صرف ظاہری آب و رنگ ہی اصل چیز ہے وہ بطون و حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہین اور اسی لئے قابل عفو ۔

ادبیات کا مسلمہ اصول ہے کہ خیال کی نوعیت کے ساتھ طرز ادا کا بدلجانا ضروری ہے، اور اگر کوئی شخص اس کا اہل نہین ہے تو اسکو صحیح معنی مین ادیب نہین کہ سکتے ۔ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا ترجمۂ قران اسی لئے پسند نہین کیا جاتا کہ انھون نے اسکو توبۃ النصوح بنانے کی کوشش کی اور شبلی کوئی فسانہ نہ لکھ سکے کیونکہ مراۃ العروس کی زبان پر اُن کو قدرت حاصل نہ تھی ۔

جس طرح مذہب و سیاست دو علیحدہ چیزین ہین، جس طرح تاریخ و فسانہ ایک دوسرے سے مختلف ہین اسیطرح اُن کے لئے طرز ادا بھی علیحدہ ہونا چاہیئے، ورنہ اگر اصل چیز صرف زباندانی ہو تو باقر علی داستان گو سے زیادہ سیرۃ نبوی لکھنے کا اہل اور انسائیکلو پیڈیا لکھنے کا مستحق لکھنو کے قمر دجاہ سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے ۔

رنگ بیدل کو جو لوگ ناپسند کرتے ہین، وہ وہی حضرات ہین جو اس اصول سے ناواقف ہین اور ہر خیال کو ایک ہی ملبوس مین دیکھنا چاہتے ہین پس یہ یقیناً تنقید کی بے اعتدالی قیام معیار کی نامناسبت اور ذہن کی نارسائی ہے جس کو کوئی ذی فہم دماغ جو ہر چیز کو اسکی اصلی جگہ دیکھنے کا عادی ہے ہفوات سے زیادہ اور کچھ نہین سمجھ سکتا ۔

بیدل جس آسانی کے ساتھ اپنے مدعائے دشوار کو بیان کرجاتا ہے اسکا حال اسوقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اسکے تتبع کی کوشش کرے غالب سے زیادہ سخن گو و سخن سنج کون ہوسکتا تھا لیکن "طرز بیدل مین ریختہ لکھنا" اسکو بھی قیامت ہوگیا ۔ البتہ چونکہ غالب کی ذہانت بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس مین اکثر جگہ بیدل ہی کے چراغ سے کسب ضیا کیا گیا اور بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی ۔

بیدل کا کلام اپنے معنی کے لحاظ سے جس بلند مرتبہ کا ہے اسی طرح لفظی خصوصیات کے اعتبار سے وہ ایک خاص چیز ہے ۔ ایک معمولی مضمون کو بھی وہ اپنے الفاظ و ندرت ترکیب سے آسمان پر پہونچا دیتا ہے ۔ مثلاً قناعت کے پامال مضمون کو لیجئے کہ ہر شخص نے اُسپر خامہ فرسائی کی ہے لیکن بیدل محض انداز بیان سے اس مین ایسی ندرت پیدا کردیتا ہے کہ مضمون کی فرسودگی کی طرف خیال ہی منتقل نہین ہوتا ۔ جب فرمانروائے حیدرآباد کی طرف سے نامۂ طلب پہونچا تو بیدل نے اپنی قناعت کا اظہار کرکے وہان جانے سے ان الفاظ مین انکار کیا :-

دنیا اگر دہند نہ جنبم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

پہلے مصرعہ کا مضمون نہایت معمولی تھا لیکن دوسرے مصرعہ سے جو اسکی توجیہہ کی گئی تو شعر عام سطح سے نہایت بلند ہوگیا ۔ دوسری چیز جو بیدل کے لئے مخصوص ہے اسکے کلام کا توازن ہے، آپ مشکل سے کوئی شعر ایسا پائین گے جس مین عدم توازن کا نقص پایا جائے

توازن سے میری مراد یہ ہے کہ الفاظ کا اسقدر حسن کے ساتھ استعمال کیا جائے کہ سارا شعر موتی کی لڑی معلوم ہو اور اس مین کوئی لفظ ایسا نہ ہو جو ما قبل یا ما بعد کے لحاظ سے غیر مناسب سمجھا جائے۔

تیسری خصوصیت بیدل کی یہ ہے کہ وہ دفتر کا دفتر چند الفاظ مین بیان کر دیتا ہے اور چونکہ اکثر اوقات شعر کا تنگ میدان اسکو مجبور کر دیتا ہے کہ بہت سی درمیانی کڑیون کو ترک کر دے لیکن وہ بحیثیت مجموعی اپنے وسیع خیال کو ایسے رنگ مین پیش کرتا ہے کہ ذہن سامع از خود اُن تمام متروک کڑیون کو مربوط کر کے مدعا تک پہونچ جاتا ہے، اور پھر اسکی لذت مین غرق ہو جاتا ہے۔

"ذاتِ باری کے مظاہر کا تنوع اور باوجود خفا کے اسکا ذرہ ذرہ سے ظہور"۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو قریب قریب تمام صوفی شعرا نے بیان کیا ہے لیکن بیدل کی قدرت شاعرانہ ملاحظہ ہو لکھتا ہے:-

تجدید ناز آشفتۂ رنگ لباس آرائیت
بے پردگی دیوانۂ طرح نقاب افگندنت

وہ یون بھی کہ سکتا تھا کہ تیری لباس آرائی کے انداز کا وہ عالم ہے کہ ہر وقت اس سے نیا ناز پیدا ہوتا رہتا ہے اور تیری نقاب افگنی کی ادا کا وہ رنگ ہے کہ اس سے زیادہ بے پردگی اور کوئی نہین ہو سکتی، لیکن اُسنے پہلے مصرع مین لفظ آشفتہ اور دوسرے مین دیوانہ کہکے شعر کو اس حد تک پہونچا دیا کہ اس سے زیادہ ترقی نا ممکن تھی۔ تجدید ناز کے متعلق یون کہنا کہ وہ رنگ لباس آرائی کی فریفتہ ہے اور بے پردگی کو "طرح نقاب افگنی" کا دیوانہ کہنا، مضمون کو جسقدر بلند کر دیتا ہے، ارباب ذوق سے مخفی نہین۔

اسی زمین مین اسی مفہوم کو دوسرے شعر سے یون ظاہر کیا ہے:-

هر جا بردن جوشیدۂ خود را بخود پوشیدۂ — در نور شمعت مضمحل فانوس پیراهنت

"شمع کے فانوس کا مضمحل ہو کر شمع کے چھپانے مین کامیاب نہ ہونا" ایسی زیادہ بلند بات نہ تھی لیکن "خود را بخود پوشیدہ" کہکر یہ ثابت کرنا کہ وہ فانوس بھی خود تیری ہی ذات ہے اور ذات بھی وہ جسکا حال یہ ہے کہ "هر جا بردن جوشیدہ است" ذہن کو خیال کی اس حد تک پہونچا دیتا ہے کہ اسکے آگے پرواز محال معلوم ہوتی ہے۔

اسی غزل کا ایک اور شعر ہے:-

در نو بہار لم یزل جوشید از باغ ازل — نہ آسمان گل در بغل یک برگ سبز گلشنت

معترض سے کہیئے کہ "نہ آسمان گل" کی ترکیب کو یہان سے علیحدہ کر کے کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ استعمال کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ لفظ جوشید کے ثبوت کو تکمیل تک پہونچانے والا ہو۔ کیا اس مین کامیابی ممکن ہے؟ ہرگز نہین۔

بیدل کی قدرت شعر گوئی کا ثبوت مشکل زمینون مین زیادہ ملتا ہے۔ بعض بعض ایسے پیچیدہ ردیف و قافیے کی غزلین ہین کہ اُن مین کسی اچھے شعر کا نکلنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن بیدل وہان بھی اسی طرح خلاق معانی نظر آتا ہے اور اسکی چست ترکیبون کا وہی عالم ہے۔

ایسی ہی ایک مشکل زمین کا مطلع ہے:-

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل بڑہ کہ نیخر مد جگر بداغ کہ می نشیند نفس بآہ کہ بیخرامد؟

فلسفہ وہی ہے اور خیال وہی کہ کنہِ حقیقت باری کا علم حاصل نہین ہو سکتا لیکن اندازبیان ملاحظہ ہو اور اسکے ساتھ زمین کی دشواری پر نگاہ کرکے ردیف وقافیہ کا صرف دیکھو کہ کتنا مربوط و دلنشین ہے۔

اپنے آپ کو پرتو نور ربانی کا ایک مظہر قرار دیکر دوسرا شعر لکھتا ہے:-

اگرنہ رنگ از گل تو دارد بہار ہستی ما بپردہ چاکِ این کتانہا فروغِ ماہ کہ میخرامد

مقطع دیکھئے' اسی کو سحر حلال' شاعرانہ اعجاز اور ملہمات ربانی کہتے ہین:-

گر ز چشمش غلط نگاہے رسد بفریاد ناں بیدل دگر نہ آن برق بے نیازی پئے گیاہ کہ میخرامد

سچ ہے اُس مشتِ خاشاک سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جس کو وہ برق بے نیازی اپنا نشیمن بنانا پسند کرے۔ بیدل سمجھتا ہے کہ کب اُس برق کی بے نیازیان متوجہ ہوسکتی ہین اور اسلئے ایک عالم یاس مین کہتا ہے کہ اگر کوئی صورت اسکے حصول کی ہے تو صرف یہ کہ شاید کوئی نگاہ غلط انداز میسر آجائے۔

اس شعر مین ایک ایک لفظ کو دیکھئے' یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے نہایت احتیاط سے نگینے جڑ دئے ہین اور اگر ایک لفظ بھی علیحدہ کرکے دوسرا لفظ رکھدیا گیا تو وہ رنگ جاتا رہیگا جو بہ حیثیت مجموعی ان تمام نگینوں کی آب و تاب سے پیدا ہو رہا ہے۔

کہان تک عرض کرون' بیدل کا تو سارا کلام نظم ہو یا نثر اس لحاظ سے منتخب ہے اور ساری عمر صرف کرنے کے بعد بھی ایک شخص یہ نہین کہہ سکتا کہ وہ اسکی لذتون سے سیر ہو چکا ہے۔

شاید چہار عناصر کی ابتدا مین بسلسلۂ حمد وہ اس خیال کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی حقیقت تک کون پہونچ سکتا ہے اور ہمارا یا کسی اور انسان کا اسکے بابت کچھ لکھنا یا اسکی حد مین کسی خیال کا اظہار کرنا کیا وقعت رکھتا ہے۔

اسی خیال کو لکھتے لکھتے وہ ایک جگہ جوش مین آکر کہتا ہے کہ:-

"غبار سطر آشفتگی بر ہوا نگاشت' بنداشت مصنف کتاب آسمانم پر کاہے بنیاد نطق بر باد گذاشت' دانست منشی طومارِ کہکشانم"۔

یہ عالم اسکی نثر نگاری کا ہے۔ الغرض بیدل میرے نزدیک ایک ایسا شاعر تھا جس کی مخالفت ملک مین ہونی ضروری تھی' ورنہ آج لوگ اسکے کمال کی کوئی یقینی دلیل پیش نہ کرسکتے۔

معاف کیجئے حکایت لذیذ تھی اسلئے درازی بیجا حد تک پہونچ گئی۔ اب آپ کے مرسلہ اشعار کی طرف متوجہ ہوتا ہون۔

(۱) بنمود ہستی بے اثر چہ نقاب شوق کنم از حیا تو مگر بمن نظری کنی کہ دے عرق کنم از حیا

مطلب یہ ہے کہ مین اپنی بے اثر ناکارہ و فانی ہستی کو ظاہر کرنے کے لئے کیا نقاب اٹھاؤن کہ مجھے ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے یعنی مین کیا ہون جو پردہ اُٹھنے کے بعد کوئی مجھے دیکھے گا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی صورت مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی ہوسکتی ہے تو صرف اسطرح

کہ تو ایک نگاہ مجھ پر ڈالے اور میں ایک لمحہ کے لئے عرق انفعال بنکر نظر آجاؤں مقصود یہ کہ یوں تو میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اگر تو کوئی نگاہ ڈالدے تو شاید تھوڑی دیر کے لئے ندامت کا سا پسینہ بنکر ظاہر ہو سکوں۔

(۲) اگرم دہد خط امتحان ہوس کتاب نہ آسمان　　　مژہ برہم آرم ازین و آن ہمہ یک ورق کنم انحیا

اس شعر میں بیدل نے دیگر مخلوقات عالم کے مقابلہ میں انسانی شرف کو نہایت خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کتاب نہ آسماں جرائت کر کے مجھکو امتحان کی اجازت دے دے تو میں بغیر کسی پس و پیش کے سب کو ایک ورق حیا بنا کر رکھدوں یعنی میرے وسعت خیال اور رفعت فطرت کو دیکھ کر وہ شرما جائے۔ مقصود یہ ہے کہ کائنات کی کوئی وسعت انسانی قوت مطالعہ کی وسعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) نیست خرابات جنون عرصۂ جولان فسون　　　لغزش مستانہ خوش ست آبلہ پیمانہ برآ

اس شعر میں بظاہر اشکال صرف "آبلہ پیمانہ برآ" کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کو یوں پڑھا جائے: "آبلہ پیما، نہ برآ" تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ اس میں "نہ برآ" فعل نہی ہے اور آبلہ پیما نہ کی ترکیب ویسی ہی ہے جیسے بادیہ پیما نہ بادپیما وغیرہ۔ اس لئے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ خرابات جنون میں اگر آنا ہے تو لغزش مستانہ کے ساتھ آؤ، اس طرح نہ آؤ کہ معلوم ہو آبلہ پیمائی ہو رہی ہے۔ یعنی پھونک پھونک کر قدم نہ رکھو آنا ہے تو بیدھڑک آؤ اور مستانہ وار آؤ۔

(۴) کف پائے حجلہ نشین ما بخیال کرد کمین ما　　　پئے آرزوئے جبین ما بچراغ رنگ حنا طلب

یہ شعر نازک ضرور ہے لیکن بلند نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ "اس وقت تو ایک معشوق حجلہ نشین کے کف پا کی یاد نے ہمارے خیال پر غلبہ پالیا ہے، اس لئے ایسی صورت میں ہماری آرزوئے جبین اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو اسے چراغ رنگ حنا کی مدد سے تلاش کرو" چراغ رنگ حنا صرف "کف پا" کی رعایت سے کہا گیا۔ مدعا صرف اتنا ہے کہ اس وقت ہماری جبین سائی کا مقصود اگر کوئی ہے تو صرف پائے حنائی کا خیال۔

(۵) چو حباب غیر لباس تو چہ توقع و چہ ہراس تو　　　نہ تو مانی نہ قیاس تو چو کشند جامہ پیکرت

مدعا یہ ہے کہ اے انسان تو جو اپنی زندگی کو امید و بیم میں بسر کر رہا ہے یہ سب فضول ہے کیونکہ خوف و امید جو کچھ ہے اسکا تعلق حباب کی طرح صرف ظاہری ملبوس سے ہے پھر جسطرح حباب کا ملبوس اتر جانے کے بعد کچھ نہیں رہتا اسی طرح تیرا تعلق جب جسم سے نہ رہیگا (جو اسکا ملبوس ہے) تو نہ تو رہیگا اور نہ تیرے قیاسات و اوہام۔

(۶) ز بلند و پست بساط رنگ اثری نبرد ورد آگہی　　　کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سرو چہ دوخت خندہ قبائے گل

بساط رنگ کے بلند و پست مناظر سے اثر پذیر ہونے کے بعد اتنا علم بھی حاصل نہ ہو سکا کہ سبزہ کلاہ سرو بنانے سے اور خندہ قبائے گل سینے سے عاری ہے۔ ظاہر ہے کہ سبزہ جو بہت پست ہے ترقی کر کے کلاہ سرو نہیں بن سکتا، اور نہ خندۂ گل ہی گل کی چاک قبا کو سی سکتا ہے لیکن بساط رنگ کی کارگاہ اسقدر بیکار چیز ہے کہ وہاں رہکر ہمیں اتنا بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۷) بخیال غنچہ نشستہ ام بخیال آئینہ بستہ ام　　　ز دل شکستہ کجا روم چہ بہارم آبلہ پائے گل

یعنی مین ایک غنچہ کے دھیان مین بیٹھا ہوا ہون اور ایک آئینہ کے خیال سے وابستہ ہون۔ اور وہ غنچہ یا آئینہ میرا دل شکستہ ہے پھر اب مین اسکو چھوڑ کر کہان جا سکتا ہون کیونکہ میری حالت تو ایسی ہے جیسے بہار کہ جس طرح پھول اُسکے پاؤں کا آبلہ ہے اسی طرح یہ میرا دل میرے پاؤں کا چھالا بنا ہوا ہے۔ نہ پھول بہار سے جدا ہو سکتا ہے اور نہ میرا دل شکستہ مجھ سے۔

(۸) تو بہ ننگاہ چہ آبرو ز طرب دفاکنی آرزو کہ نشناخت کاسہ رنگ و بو بمزاج خندۂ گدائے گل

تو کس اقتدار پر یہ آرزو کرتا ہے کہ مسرت و طرب تیرے ساتھ دفا کرے۔ گدائے گل یہ تو چاہتا ہے کہ خندہ حاصل کرے لیکن اپنے کاسۂ رنگ و بو کو اس قابل نہین بناتا۔ مدعا یہ ہے کہ ہم خود اسکے اہل نہین ہین کہ مورد لطف و کرم ہون شکایت کس کی؟

(۹) کجاست آنقدر م بقا کہ تامل کنندم وفا عرق خجالت فرصتم نم انفعال زمانیم

مجھ مین اسقدر بقا کہان ہے کہ کوئی غیور تامل کر سکون میری ہستی تو گویا شرمندگی فرصت کا پسینہ اور انفعال زمانہ کا نم ہے۔ یعنی میرا وجود تو ایسا ہے کہ اگر لفظ فرصت اسکے آگے استعمال کیا جائے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جائے۔

(۱۰) بفسردگیم ہمہ تن الم بہ تردد آبلہ در قدم چو غبار داغ نشستنم چو سرشک ننگ روانیم

فسردگی کے لحاظ سے یکسر درد و الم ہون اور چلنے مین بالکل آبلہ پا اسلئے کیا میرا بیٹھنا اور کیا میرا چلنا کہ اگر بیٹھون بھی تو غبار کیطرح جو حقیقتاً بیٹھنے کے لئے عار ہے اور چلون بھی تو آنسو کے مانند جو فی الحقیقت ننگ روانی ہے۔ اپنے آپکو آبلہ در قدم کہکے سرشک سے تشبیہ دینا نہایت خوب ہے۔

مطبوعات جدیدہ

روح نشاط یہ مجموعہ ہے جناب اصغر گونڈوی کی غزلون کا جو بہترین طباعت وکتابت کے ساتھ چھوٹے سائز پر شائع ہوا ہے - جناب اصغر اسوقت ملک کے اُن شعرا مین سے ہین، جن کی شاعری کو متفقہ طور پر پسند کیا جاتا ہے، اور جن کے افکار کو یقیناً عہد حاضر کی بہترین دماغی پیداوار کہی جاسکتی ہے -

اس مجموعہ مین جناب سُہیل اور احسان علی صاحب بی اے کا دیباچہ ومقدمہ بھی شامل ہے جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت اصغر کی شاعری پر بحث کی گئی ہے اور اس کے تمام محاسن پر ایک نقادانہ تبصرہ کیا گیا ہے -

حضرت اصغر کی شاعری چونکہ زبان کی شاعری نہین ہے بلکہ تخیل کی ترجمانی ہے - اس لئے اس مین تمام وہ باتین موجود ہین جو ایک بلند خیال شاعر کے کلام مین ہونی چاہیئے - اس لئے اگر کہین کہین زبان کی غلطی پائی جائے تو قابل لحاظ نہین - اس وقت ہم اسپر تفصیلی تبصرہ کرنے کے لئے تیار نہین ہین اور نہ اسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اول تو اصغر کوئی غیر معروف شاعر نہین ہین اور دوسرے سہیل کے مقدمہ کے ہوتے ہوئے اسپر کچھ اور لکھنا بیکار سی بات ہے - قیمت اسکی دو روپیہ ہے جو مجموعہ کے مختصر حجم کو دیکھتے ہوئے شاید زیادہ کہی جائے لیکن اسکے محاسن کے لحاظ سے کم ہے -

ملنے کا پتہ " بلگرامی بک ایجنسی لکھنؤ" ہے -

تعلیمی مسایل خطبۂ صدارت ہے جناب مولوی سمیع اللہ بیگ صاحب (مرزا یار جنگ بہادر) کا جو حیدر آباد کے جلسۂ تعلیمی مین سنایا گیا تھا اور جو کتاب کی صورت مین پیش کیا گیا ہے - مرزا یار جنگ بہادر ملک کے اُن منتخب نفوس مین سے ہین، جو اپنی صحت فکر اور اصابت رائے کے لحاظ سے "سند" کا درجہ حاصل کر چکے ہین اور جنکا ایک ایک لفظ ملک وقوم کیلئے "سبیل راہ" کا حکم رکھتا ہے -

فاضل صدر نے اس خطبہ مین تعلیم کے مسائل حاضرہ پر نہایت بسط وجامعیت کے ساتھ اپنے خیالات وتجربات کا اظہار کر کے ایک ایسا لایحۂ عمل پیش کیا ہے کہ اگر رہنمایان تعلیم اسپر عمل کرین تو قوم کا مستقبل نہایت شاندار بن سکتا ہے - بحث کے سلسلہ مین دینی تعلیم اور مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ایسی حقیقتون پر مبنی ہین کہ اُن سے کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا، اسی طرح مسئلہ دار الاقامہ کے متعلق جو کچھ فاضل صدر نے ارشاد فرمایا ہے وہ بھی ملک کی خاص توجہ کا مستحق ہے - ضرورت ہے کہ ہر وہ شخص جس کو مسئلہ تعلیم سے ذرا بھی دلچسپی ہے اسکا مطالعہ کرے اور مرزا یار جنگ بہادر کے قیمتی مشورون پر غور کر کے فیصلہ کرے کہ ملک کے مستقبل کی اصلاح کسقدر جلد اس پر منحصر ہے -

ضخامت ۵ جزو، طباعت کتابت صاف - ملنے کا پتہ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن

بادۂ ناب مجموعہ ہے مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے - ال ال بی وکیل ایبٹ آباد کی فارسی رباعیات کا جو خوبصورت سائز پر نفیس طباعت وکتابت کے ساتھ دس جزو پر شائع کیا گیا ہے -

---

میر صاحب موصوف کا فارسی کلام ملک کے اکثر مشہور رسایل و جرائد مین شائع ہوتا رہتا ہے اور چونکہ آپ کا مقصود شاعری بلند ہے اس لئے ارباب ذوق اس کو بہت پسند کرتے ہین۔

میر صاحب کی شاعری کا مدعا، افراد قوم مین صحیح آزادی کی روح پیدا کرنا ہے۔ اور اسی مطمح نظر کو سامنے رکھکر آپنے رباعیان بھی لکھی ہین، آپ کا مشن یہ ہے کہ مسلمانون مین اسلام کی عملی روح پیدا ہو اور پستی سے نکلنے کی کوشش کرین چنانچہ آپ اس خیال کو ان الفاظ مین ظاہر کرتے ہین:۔

عین اسلام کوشش پیہم   عین کفر ست زشتی و پستی

حساب عمر نے از ماہ و سال ست   نہ از مستقبل و ماضی و حال ست
بود از کارہا اندازۂ عمر   کہ عمر بے عمل خواب و خیال ست

اے آنکہ بخانقاہ نشینی بے کار   برخیز و بیا کارے کن و تخم بکار
مطلوب تو در زاویۂ عزلت نیست   موجود بہر جاست بدشت و کہسار

الغرض آپکے خیالات نہایت پاکیزہ ہین اور چونکہ خلوص نیت کے ساتھ انکا اظہار کیا گیا ہے اس لئے پڑھنے والے کے دل پر انکا خاص اثر ہوتا ہے۔ قیمت اس مجموعہ کی ایک روپیہ ہے اور میر صاحب موصوف سے ایبٹ آباد کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

گلشن حیات ملک کے مشہور سخنور حضرت شاد عظیم آبادی کے سوانح حیات کا دوسرا اڈیشن ہے جسے ملا معین الدین احمد صاحب قیس رضوی نے مرتب کیا ہے۔ ابتدائی چار صفحات رسمی طور پر عرض حال کیلئے وقف کئے گئے ہین، اسکے بعد تین صفحات کی تمہید ہے جس مین ملک کی ناقدری کی شکایت کی گئی ہے اور پھر صفحہ ۱۵ سے ۵۲ تک حضرت شاد کا تذکرہ اور مرثیونکا انتخاب درج کیا گیا ہے۔

کتاب کا بڑا حصہ (صفحہ ۶۶ – ۱۴۳) تذکرۂ تلامذہ اور اُن کے نمونۂ کلام کے نذر کیا گیا ہے۔ اسکے بعد ۱۴۴ سے ۱۶۰ تک حضرت شاد کے کلام کا انتخاب پیش کرکے کتاب کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

شاد کی شاعری زیادہ تعارف کی محتاج نہین، آپ اُن شعرا مین سے ہین جنہون نے قدامت پرستی کی زنجیرین توڑکر اردو شاعری مین اصلاح کی کوشش کی، اس سے قبل ہم آپ کے کلام کا نمونہ بھی درج نگار کرچکے ہین کتاب ہمدم مین جناب قیس رضوی سے انیال منزل لودی کٹرہ پٹنہ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

قیل وقال اتحاد مذہب و فلسفہ" کے سلسلہ کی پہلی کتاب جسے محمد فاروق صاحب ام۔ اس۔ سی (علیگ) نے مرتب کیا ہے۔ مضامین سے مصنف کی روشن خیالی اور وسعت نظر پر کافی روشنی پڑتی ہے اور خاص خاص عنوانات مثلاً مسئلۂ ارتقا

ارتقائے شعور، ارتقائے مذہب، توحید والوہیت، الہام ونبوت، کفر واسلام، دعوتِ عمل وغیرہ پر نہایت سلجھے ہوئے انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔
ہرچند یہ کتاب ان لوگون کے نزدیک جنھون نے مذہب کے دائرہ کو نہایت محدود وتنگ سمجھ رکھا ہے، اپنے اندر کافی سامان تکفیر رکھتی ہے، لیکن اب تکفیر کی ارزانی نے اس کی اہمیت کو بھی اسقدر ضعیف کر دیا ہے کہ اس سے کسی کارگر حربہ کا کام نہین لیا جا سکتا۔
امید ہے کہ محمد فاروق صاحب اس کے باقی حصے بھی جلد شائع کرینگے جنکا وعدہ فاضل مصنف نے کیا ہے۔ یہ رسالہ مجلد شائع ہوا ہے اور علاوہ محصول ایک روپیہ مین منیجر نگار سے مل سکتا ہے۔

بہشتی جھومر | نسوانی تعلیم وتربیت کے متعلق محمد مرزا خانصاحب دہلوی نے چند اسباق کا مجموعہ اس نام سے شائع کیا ہے جو زبان کے لحاظ سے بہت سلیس، اور درس کی حیثیت سے نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہین۔ ضرورت ہے کہ مسلمان گھرانون مین لڑکیون کے سامنے ایسی ہی کتابین پیش کیجائین، تاکہ وہ ان کے مطالعہ سے اپنے مستقبل کو درست کرسکین۔ ضخامت تقریبًا پانچ جزو، کتابت طباعت پاکیزہ، قیمت ۱ر ملنے کا پتہ مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن۔

نقادی کے نکتے | فن نقاشی کے متعلق محمد علی صاحب ردولوی کا مختصر سا رسالہ ہے، لیکن چونکہ ہماری زبان مین فنون لطیفہ کے متعلق بہت کم مواد نظر آتا ہے، اس لئے محمد علی صاحب کی یہ کوشش یقینًا قابل ستائش ہے اور فن تصویر کشی سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے مفید اطلاعات کی حامل ہے۔ ۸ر مین تعلقدار پریس لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

قریۂ ویران | جناب سید راحت حسین صاحب بی۔ اے نے انگریزی کے مشہور شاعر گولڈ اسمتھ کی مقبول نظم ڈزرٹڈ ولج (Deserted Village) کا منظوم ترجمہ اس نام سے شائع کیا ہے۔ اس رسالہ مین پہلے ایک مقدمہ ہے جسکو اردو شاعری کی تاریخ پر ایک مختصر تبصرہ کہنا چاہئیے، اس مین قابل مترجم نے نہایت جامعیت کے ساتھ اردو شاعری کے عروج وزوال سے بحث کرکے اس کے مختلف ادوار قائم کئے ہین اور ہر دور کے شعرا کا مختصر ذکر کرکے شاعری کے محاسن ومعایب کو دکھایا ہے اور اخیر مین شاعری کے جدید دور سے بحث کرکے مقدمہ کو ختم کر دیا ہے۔
مقدمہ کے بعد روداد کے عنوان سے اصلی نظم کے متعلق اظہار خیال کیا ہے اور پھر گولڈ اسمتھ کے حالات زندگی لکھکر نظم کا ترجمہ پیش کیا ہے۔
گولڈ اسمتھ کی یہ نظم اپنے جذبات کے لحاظ سے عجیب وغریب سمجھی جاتی ہے اور اس مین شک نہین کہ غیر زبان کے جذبات کو منتقل کرنا اور وہ بھی نظم مین نہایت دشوار امر ہے، لیکن سید راحت حسین اس مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین ہرچند یہ ترجمہ ممکن ہے اور نہ ہوسکتا تھا، لیکن مفہوم پر پوری طرح حاوی ہے۔ چونکہ یہ نظم انگریزی انٹرمیڈیٹ اور اف۔ اے کورس مین شامل رہتی ہے اس لئے امید ہے کہ راحت حسین صاحب کا یہ ترجمہ طلبہ مین بھی مقبول ہوگا۔
ضخامت ۱۵۰ صفحات ہر تقطیع چھوٹی، کتابت وطباعت دلکش قیمت ۸ر ملنے کا پتہ مرغوب ایجنسی لاہور۔

تیغ اور مسلم | تیشتر صاحب جالندھری کی ایک دلآویز نظم ہے جسے مرغوب ایجنسی لاہور نے اپنے مخصوص سائز پر شائع کیا ہے۔

پہلے حصہ مین مسلم کا تیغ سے شکوہ ہے اور دوسرے حصہ مین اس شکوہ کا جواب ہے ۔ضخامت ایک جزو ہے اور قیمت ۲ر

خطاب بہ اقبال سید شوکت حسین صاحب (علیگ) کی ایک مختصر فارسی نظم چار جزو ہے جسے بشیر بک ڈپو کمالیہ (مانٹگمری) نے شائع کیا ہے۔ اس مین ڈاکٹر اقبال کی اشک ریزی کا شکوہ کیا گیا ہے اور عمل کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ خاک شریف جابجا خود داعی کے بھی آنسو ٹپک گئے ہین۔ قیمت ۲ر

پردۂ غفلت یہ ڈرامہ نتیجہ ہے سید عابد حسین صاحب پی۔ اچ۔ ڈی۔ کی جنبش قلم کا جس مین مسلمان رئیسون کی معاشرت پر روشنی ڈالتے ہوئے نسائیات کے بعض اہم مسایل (تعلیم، پردہ، شادی وغیرہ) پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اس وقت اردو مین ڈرامہ کی متعدد کتابین نظر آتی ہین، لیکن غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حقیقتاً پردۂ غفلت ہی ایک ایسا ڈرامہ ہے جسکو ہم صحیح معنی مین اس لفظ سے موسوم کر سکتے ہین۔

جس طبقہ کے حالات فاضل مصنف نے پیش کئے ہین، اسکے تمام خصوصیات اور خصوصیات کی تمام جزئیات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ڈرامہ کا مطالعہ کرنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ تمام باتین واقعی اسکے سامنے ہو رہی ہین۔ اسی کے ساتھ جہان جہان مسایل معاشرت پر اصولی گفتگو کی گئی ہے وہان ایسے عمیق خیالات پیش کئے گئے ہین کہ ان سے زیادہ نفسی تجزیہ ممکن نہین اس مین ایک مزاحی کیرکٹر بھی ہے اور وہ بھی کم دلچسپ نہین۔

یہ کتاب برلن مین ٹائپ کے حروف مین طبع کرائی گئی ہے اور نہایت خوبصورت نمونہ ٹائپ کی طباعت کا ہے ضخامت ۱۴۶ صفحات۔ قیمت عہ ملنے کا پتہ شرکت اردوبیہ علیگڈھ۔

چند جدید رسائل اس زمانہ مین جو چند جدید رسائل جاری ہوئے ہین ان مین سے قابل ذکر اکبر، نورجہان تجلی اور پریم مین

اکبر ماہواری رسالہ ہے جسے الہ آباد کی انجمن دار الادب نے ۲۰×۲۶ سائز کے ۶۰ صفحات پر اکبر مرحوم کی یادگار مین جاری کیا ہے اس مین وقتاً فوقتاً اکبر مرحوم کے غیر مطبوعہ خطوط شائع ہوتے رہتے ہین اور افسانون، علمی مقالات اور ڈرامون کے علاوہ ایکناولی کا ترجمہ بھی مسلسل شائع ہوتا ہے طباعت وکتابت پاکیزہ ہے اور کاغذ بھی اچھا استعمال کیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ للعہ ہے۔

نورجہان، زنانہ رسالہ ہے جو ایک خاتون سعادت سلطانہ کی اڈیٹری مین امرت سر سے جاری ہوا ہے، بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے اور قسم اول کی قیمت پانچ روپیہ اور قسم دوم کی قیمت تین روپیہ مقرر ہے۔

تجلی، مولوی سید ظہور احمد صاحب دہشتی کا ماہوار رسالہ ہے جو ۲۰×۲۶ سائز کے ۴۲ صفحات پر دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ جنھون نے دین ودنیا کا مطالعہ کیا ہے انھین معلوم ہے کہ آپکے مضامین مین کسقدر تنوع اور ادبیت ہوتی ہے۔ اس رسالہ کا مقصود مسلمانون کی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح ہے سالانہ چندہ دو روپیہ مقرر ہے اور دفتر تجلی فراشخانہ دہلی سے

پریم، بچون کا ہفتہ وار اخبار ہے جو جنوری ۱۹۲۲ء سے جناب تاجور نجیب آبادی کی اڈیٹری مین لاہور سے جاری ہوا ہے۔ اسکے مضامین نہایت صاف وسلیس زبان مین ہوتے ہین اور متعدد تصاویر بھی بچون کی دلچسپی کیلئے دیجاتی ہین۔

اقتباسات و معلومات

ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ ۲۹۱۴۰ فٹ ہے اور یہاں تک پہونچنے کیلئے ہر سال جانوں کی قربانی کیجاتی ہے۔ اس وقت تک ہوائی جہاز کے ذریعہ سے وہاں پہونچنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی، کیونکہ کوئی شخص اسوقت تک جہاز کو اسقدر بلند نہیں لیجا سکا تھا۔ لیکن اب مسٹر کالینز وجس نے ۳۹۰۰۰ فٹ کی بلندی تک اڑکر تمام گزشتہ رکارڈ کو توڑ دیا ہے، اس امر کیلئے آمادہ ہوئے ہیں کہ وہ ایک سبک لیکن نہایت بلند پرواز والے جہاز کو وہاں تک لیجائیں۔ انکے ساتھ امریکہ کا ایک مصور بھی ہوگا جو سماں کی تصویریں بناتا ہے

اس چوٹی پر اسکی بلندی کی وجہ سے آکسیجن کی بہت کمی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں کی ہوا بڑے بڑے پتھروں کو دور تک اڑا لیجاتی ہے۔ اس لئے اہتمام کیا گیا ہے کہ آکسیجن کی ایک خاص مقدار اپنے ساتھ لیجائیں اور پتھروں کی پرواز سے بلند رہکر اس چوٹی کے مناظر کی تصویریں حاصل کریں۔

فرانس کے ایک پروفیسر ڈارسنوآل نے دنیا کو اس عجیب وغریب تجربہ سے آگاہ کیا ہے کہ برقی آلات سے خواہ وہ کتنی ہی قوت کے ہوں کوئی جاندار مر نہیں سکتا۔ بلکہ وہ صرف ایک وقتی غفلت ہوتی ہے جو بعد کو دور ہوسکتی ہے۔

اسنے متعدد حیوانات پر نہایت شدید برقی قوت کا تجربہ کیا یہاں تک کہ موت کی تمام علامتیں نمودار ہوگئیں، لیکن بعد کو اسنے پھر ان کو زندہ کر دیا۔

ٹرامبے اور ٹیلیفون وغیرہ کے تاروں اور ستونوں سے لپٹ کر موت کے حوادث اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن اب اس تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اسوقت تک جتنے آدمی اس طرح مردہ سمجھے گئے وہ حقیقتاً زندہ تھے اور صرف جہل کی وجہ سے زبردستی مردہ بنادئے گئے لیکن جبتک پروفیسر مذکور کی تدبیر عام ہوگی اس وقت تک خدا جانے کتنی جانیں اور بجلی کی نذر ہوجائیں گی

امریکہ ایک مہندس آرمسٹرانگ نے فولاد اور سمنٹ کے مصنوعی جزیرے بنائے ہیں جن کا طول ۱۲۰۰ گز اور عرض ۴۰۰ گز ہے یہ جزیرے سمندر میں لنگروں کے ذریعہ سے قائم کئے جارہے ہیں تاکہ وسیع سمندروں پر اڑنے والے جہازوں کیلئے اسٹیشن کا کام دے سکیں

فرانس کے ایک موجد نے حال ہی میں ایک تصویر متحرک کو لاسلکی امواج کے ذریعہ سے منتقل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اسکا بیان ہے کہ سنہ ۱۹۲۶ء ختم ہونے سے قبل نہ صرف ایک مقرر کی تصویر بلکہ اسکے تمام حرکات وسکنات دنیا کے ہر گوشہ میں لاسلکی کے ذریعہ سے منتقل ہوسکیں گے، یعنی لاسلکی کے ذریعہ سے سننا اور دیکھنا دونوں ساتھ ہو سکیگا اور بالکل ممکن ہے کہ چند سال بعد چھونا اور

اور سنو گفتا بھی اسی طور پر ہو سکے -

بعض محققین کا خیال ہے کہ جب انسان کسی امر کا خیال کرتا ہے تو اسکے دماغ سے ایک سلسلہ امواج کا پیدا ہوکر فضا مین پھیلتا ہے اور جنگہ ہر وہ شخص جس کا دماغ ان امواج کے قبول کرنے کا اہل ہے آسانی سے سمجھ سکتا ہے -

اطالیہ کے پروفیسر کازاماکی نے اسکا تجربہ بعض دماغی امراض مین مبتلا ہونے والے لوگون پر کیا اور کامیابی ہوئی - اس نے ایک مرد اور ایک عورت کو کوٹھری مین بند کرکے مسمریزم کا معمول بنایا اور اُن کی دماغی امواج مین تحریک پیدا کی اور ایک لاسلکی آلۂ سامعہ کے ذریعہ سے اُن کے دماغ کے امواج کو سنا -

---

گذشتہ جنگ عظیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک اسکے نقصانات کا پورا علم بھی لوگون کو حاصل نہین ہوا اور ابتک ماہرین فن اسکا صحیح علم حاصل کرنے کیلئے کوشش کر رہے ہین -

حال ہی مین رسالہ کرنٹ ہسٹری کے ایک فاضل مضمون نگار نے اس بحث پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس جنگ عظیم مین ۸۴۶۱۵۹۵ جانین ضائع ہوئین اور ۲۱۰۹۹۳۵ آدمی زخمی ہوئے گویا کل ۶۵۰۰۰۰۰۰ افواج مین سے ۳۰۰۰۰۰۰۰ ہلاک و مجروح ہوئے - لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بیماری کی وجہ سے بہت کم موتین وقوع مین آئین اور یہ غالباً پہلا تجربہ ہے ورنہ اس سے قبل افواج کا نقصان جنگ سے اتنا نہین ہوتا تھا جتنا بیماری سے تاہم امرکیہ کی افواج کو نسبتاً بیماری سے زیادہ نقصان پہونچا - رُوس کے نقصانات ہرچند جرمنی سے کم ہوئے لیکن رُوس نے جنگ بھی پہلے ہی ختم کردی تھی، جرمنی کا نقصان ۱۷۷۳۰۰۰ جانون کا ہوا - لیکن رومانیا سب سے زیادہ خسارہ مین رہا کیونکہ اسکی ۷۵۰۰۰۰ آدمیون مین سے ۳۳۵۷۰۶ ضائع ہوئے -

---

اہل نیویارک کی راحت پسندی اور عیش پرستی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ وہان ۱۹۲ باضابطہ تھیٹر قائم ہین اور ۵۸۴۸ عکاسخانے (سنما) ہین - تھیٹرون کے اسٹیج مین ۳۰۹۷۱۶ آدمی آسکتے ہین اور عکاسخانون مین ۴۳۴۴۹۵ آدمیون کی گنجائش ہے پھر ہجوم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ہمیشہ ذرا دیر مین پہونچنے والون کو باہر یہی اعلان نظر آتا ہے کہ "صرف کھڑے ہونے کی جگہ باقی ہے"

ریڈیو کو گزشتہ دو تین سال کے اندر وہان اسقدر درجۂ قبول حاصل ہوا ہے کہ صرف سال حال مین وہان کے باشندون نے اسپر ۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ صرف کئے ہین - اس وقت امرکیہ مین ۱۲۰۰ کارخانے ہین جہان ریڈیو کے آلات بنائے جاتے ہین ان تمام کارخانون مین تین لاکھ آدمی کام کرتے ہین اور ۴۰۰۰۰ دوکانین اسکا سامان فروخت کرتی ہین -

---

آفتاب کی شعاعون مین ایک غیر مرئی رنگ ہے جسے "فوق البنفشی" (Ultra - Violet) کہتے ہین

اب اس شعاع سے بہت سے امراض دور کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ولایت کے تمام اسپتالوں مین ایسے آلات موجود رہتے ہین جن کے ذریعے یہ شعاع مریض پر ڈالی جاتی ہے۔

اب امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے ان شعاعون کے محفوظ رکھنے کا ایک خاص طریقہ اور ایجاد کیا ہے یعنی مچھلی کے تیل پر وہ ان شعاعون کو ڈالتا ہے اور یہ تیل قدرتًا ان شعاعون کو جذب کر کے محفوظ کر لیتا ہے یہ تیل بچون کو غذا کے بعد دیا جاتا ہے اور اس سے بالکل وہی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جو اصل شعاع سے حاصل ہوتا ہے۔

یورپ کے بعض علمار نے نہایت محنت و کاوش سے بندرون کی زبان سمجھنے مین کچھ کامیابی حاصل کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ بندر اپنے خاص اغراض کیلئے خاص الفاظ استعمال کرتے ہین، چنانچہ لفظ غاک غذا طلب کرنے کیلئے اور کاہ کاہا ہنسی کیلئے اور ہُو آدہ خوف کے وقت نکالتے ہین۔

انھون نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ چمپنزی بندر کے منہ مین بجنسہ ویسے ہی اعضا نطق پائے جاتے ہین جیسے انسان کے منہ مین اور اس مین انسان کی طرح ذہانت بھی پائی جاتی ہے جس سے وہ ایسے الفاظ استعمال کرسکتا ہے جو معانی پر دلالت کرین۔

جرمنی مین ٹیلیفون کی ترقی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ ڈاک گاڑی کے بیٹھنے والے جب کہ وہ نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہی ہو اپنے گھرون سے ذریعہ ٹیلیفون گفتگو کرسکتے اور سن سکتے ہین۔

تین منٹ گفتگو کرنے کیلئے ۵ مارک لئے جاتے ہین۔

یورپ مین آج کل گھوڑون اور بیلون کے بجائے زراعتی موٹرون سے کام لیا جاتا ہے یہ موٹرین حالت حرکت مین زمین کو کھودتی اور برابر کرتی جاتی ہین، اونچے حصہ کی مٹی کھود کر اپنے ساتھ لیجاتی ہین اور جہان نشیب ہوتا ہے وہان ڈال دیتی ہین۔ یہ مخصوص گاڑیان ہین جو صرف زمین کو ہموار کرنے کی غرض سے بنائی گئی ہین۔ یورپ سے زیادہ ایسی موٹرون کی ضرورت ان ممالک کو ہے جہان آب پاشی سے کاشت کیجاتی ہے، تاکہ زمین کی سطح برابر کر کے ہر جگہ پانی آسانی سے پہونچ سکے۔ کیا ہندوستان کے کاشتکارون کا تمول اس حد تک پہونچ سکتا ہے کہ وہ ایسے آلات سے کام لین۔

بڈھے جوان بنانے کا اکسیر

صرف خوردنی خضاب کھائیے — سارٹیفکٹ ملاحظہ ہو

یہ وہی خضاب خوردنی ہے جسکے صرف بیس یوم کے متواتر کھانے سے چالیس دن کے ہی اندر سفید بال ہمیشہ کے لئے سیاہ دائم ہو جاتے ہین چہرہ کا رنگ سرخ روغن بھی جوان کیطرح دمکنے لگتا ہے نزلہ کو ہمیشہ کے لئے کھوتا ہے آنکھوں مین قوت طاقت دماغ مین تراوت ہو جاتی ہے بال کیسے ہی وقت سے پہلے یا وقت پر سفید ہو گئے ہون وہ سب اور سر نوشل قدرتی بالون کے سیاہ ہو جاوینگے۔ جنابی کا سقدر تیز کرتی ہے کہ زائد سے زائد چالیس عمر کے اندر عینک لگانے کی عادت جاتی رہتی ہے۔ قوت حافظ کو بڑھاتا ہے اور معدہ کی اصلاح ہوتی ہے کہ ہر کھانا ہضم ہونے لگے قوت باہ اسقدر بڑھاتا ہے اگر اسکا کھانا برابر استعمال ہے تو قابل فخر جوانوں مین شمار کرنے لگتا ہے غرض اسکے کھانے سے حقیقی معنون مین شباب قربان ہوتا ہوا نظر آنے لگتا ہے اسلئے آپ اپنے کھچڑی خضابوں کی شیشیان توڑ کر پھینک دیجئے اور اسے استعمال کیجئے بڑے بڑے سند یافتہ حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ کثیر تعداد مین منگا منگا کر شہرت حاصل کرتے اور صدہا روپیہ پیدا کرتے رہتے ہین۔ مثل قصبہ یا گاؤن مین اس کا ایک پاسل پہونچ جاتا ہے اسکے حیرت انگیز فوائد کو دیکھکر بالکل ہی ضرورت ہوتی کی وجہ سے معمولی معمولی کا ڈن وغیرہ دھونے آتے ہین لطف یہ ہے کہ ہر عمر ہر حالت کا آدمی ہر جگہ حتی کہ سفر تک مین بھی استعمال کرسکتا ہے ترکیب استعمال ہمراہ پارسل ملیگا قیمت مکمل بکس خوردنی خضاب کی صرف سات روپیہ آٹھ آنہ۔ دو بکس ... تین بکس ... محصول ڈاک۔

المشتہر

منیجر کارخانہ خوردنی خضاب حکیمی شفا لکھنؤ

نوٹ: ... روپیہ ... بھی ملیگا۔

عالیجناب رفیع احمد صاحب سکریٹری کانفرنس ... تحریر فرماتے ہین کہ آپکا مرسلہ خضاب خوردنی کا استعمال کیا گیا میرے کچھ بال جو بوجہ نزلہ عالم شباب ہی مین سفید ہو گئے تھے بفضلہ اسکے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے براہ مہربانی دوستون کے لئے دو بکس اور بھیجد یجئے

مقامی اخبار شیعہ کالج نیوز نے ۲۲ جون سنہ کے پرچہ مین ریویو کیا ہے کہ ہم نے خضاب خوردنی کا تجربہ کیا تو وہ اپنی سفید بالون کے سیاہ کرنے مین بیحد مجرب ثابت ہوا اسکے علاوہ دافع نزلہ مقوی باہ مقوی جگر اور باصرہ وغیرہ کے حق مین تو اکسیر ہے

عالیجناب میرزا حبیب الرحمان خانصاحب آنریری مجسٹریٹ ... مقام ... ضلع ... تحریر فرماتے ہین کہ ابتک پانچوین حصہ کے قریب سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہین چار بکس اور جلد بھیجد یجئے۔

عالیجناب منیجر صاحب کارخانہ فقیری پھول پور ... ضلع ... تحریر فرماتے ہین کہ آپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اس اطراف مین اسکی دھوم مچگئی ہے لہذا جلد سے جلد ... بکس بذریعہ وی پی۔ اور بھیجد یجئے۔

سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ ہمدم نے ۲۹ جون سنہ کے پرچہ ہمدم مین خضاب ہذا کے اجزا کے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اسکے اجزا نظام انسانی خصوصاً اعصاب پر نہایت اثر کرتے ہین معدہ کو تقویت دیتے ہین۔ غذا خود بدن بنجاتی ہے اعصاب قوی ہو جاتے ہین اور جن امیر کا ... ہو جاتا ہے۔ اچھی چیز ہے علاوہ اسکے آپکے اطمینان کیلئے صدہا مین سے چند حکما متقدمین کی رائین درج کرتا ہون جنکی نقالی ہوتی شمار ہوتی ہے ایک ... رہا ہماری یا دوہ اسکے اجزا متعلق مصنف ... مصنف المفردات و مصنف ... وغیرہ کو کا ... مصنف خزانۃ الادویہ دیکھیے انکی خواص اور ... فائدہ

اصلی کوک شاستر یا بہار عیش

المعروف لذت النسا باتصویر ۶۴ آسن والا

یہ وہ کوک شاستر ہے جو آجکل ہر ایک کتب فروش سے مل سکتی ہے بلکہ یہ وزیر کشمیر گنگا صاحب کے خاص الخاص بیاض سے پرانی کوک شاستر کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے جس کو اتبک عام لوگون کو تو کیا بڑے بڑے روساء کو بھی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی اسمین وہ تمام باتین درج ہین جن کے جاننے کے لئے آپ سیکڑون روپیہ برباد کرچکے ہین اور پھر بھی مطلب حاصل نہین ہوا یہ کتاب سوائے ہمارے دوسری جگہ ہرگز نہین مل سکتی اس کتاب مین صدہا مفید اور ٹھوس مطلب کی باتین درج ہین عورت مرد کے متعلق ہزارہا سینہ بسینہ راز اور خاص حالتون کی عورت و مرد کی انچھی برہنہ تصویرین ..... ۶۴ بہترین آسن کا مفصل بیان طبی۔ مذہبی اور علمی اصول درج بھی ہین۔ بعد مین شکایت نہ کرین خفیہ دھڑا دھڑ بک رہی ہین آج منگا کر حسرت پوری کیجئے ورنہ ممکن ہے کہ پھر اسکی ایک جلد بھی باقی نہ رہے اور سوائے افسوس کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ خبردار دیکھئے غفلت مین نہ رہیگا۔ قیمت فی جلد دو روپیہ محصول ۴ر علاوہ۔

ملنے کا پتہ:۔ مینیجر جنرل بک سپلائی کمپنی لکھنؤ۔

دیوان جان صاحب چھپ گیا

پچاس برس کے بعد دوبارہ زیارت کیجئے

لکھنؤ کے مشہور ریختی گو شاعر میر یار علی صاحب جان مرحوم کا مایہ ناز دلشگفتہ دیوان جان صاحب چھپ گیا اگر آپکو لکھنؤ کی بیگماتی اور ٹکسالی زبان اور واجد علی شاہ کے زمانہ کی معاشرت کا فوٹو دیکھنا ہو تو اسے منگا کر پڑھئے اور لطف اٹھایئے ادبی دنیا مین اس دیوان کی سخت ضرورت ہے

قیمت ایک روپیہ

کلیات جان صاحب قیمت ۲ر

ہنسی کا پٹارا

یعنی ہنسنے ہنسانے کا زبردست ٹھیکہ دار

اقلیم مذاق کا بےمثل تاجدار ہنسی دل لگی کا قافلہ سالار پڑھنے والون کو بات بات مین لوٹن کبوتر بنا دینے والا جسکے چٹ پٹے مضامین تمام کھایا پیا ہضم کر دینگے۔ صرف ایک کارڈ دھر گھسیٹئے تاکہ جلد سے جلد اور فورا سے پیشتر حاضر ہوکر آپکے اضمحلال کی دم کاٹ دے بیشک اگر اس کتاب کو بارہ مصالحہ کی چاٹ کہا جائے تو بیجا نہوگا اول سے آخر تک دیکھ جایئے ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملیگا جسکو پڑھکر سو مرتبہ ہنسی نہ آوے یون سمجھئے کہ یہ کتاب ایک بزم عشرت ہے قیمت صرف ۸ر ظرافت جان ۸ر لطائف بیربل مکمل ۱ر حسینون کا مذاق ۴ر شہنشاہ ظرافت ۴ر بزم خیال ۸ر

پتہ:۔ مینیجر عظمت بک ڈپو۔ لکھنؤ

ماہوار رسالہ دنیا۔ لکھنؤ جو بہترین علمی۔ ادبی رسالہ ہے۔ نمونہ مفت منگایئے۔

عالیجناب شیخ عظمت الٰہی صاحب المتخلص بہ عامل سلوبوی مشہور افسانہ نویس و بیمثل افسانہ نگار کی بہترین اور قابل دید تصانیف

فریبی عاشق

مسمریزم وہ مسمریزم جسکی مافوق العادت طاقتون نے ایک دنیا کے کانون کے پردون کو بھر دیا ہے جسکی عجیب و غریب کارروائیان دیکھکر آنکھین آئینہ حیرت ہوگئی ہین اگر آپکو اسکے اعلیٰ راز دیکھنے ہین تو اس کتاب کو پڑھکر دیکھئے ایک بھولی بھالی شریف لڑکی پر ایک مسمریزم عاشق ہوتا ہے اور اسکا باپ خود اس لڑکی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے بلکہ بجبر اسکو بیوی بنایا جاتا ہے ایک بزرگ جسکا سینہ نور اسلام سے معمور تھا جن کے رگ و پے مین حقانیت کا جوش تھا اور اس جادوگر مسمریزم کو شکست فاش دیتا ہے اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ روحانیت پر کبھی مادیت غالب نہین ہوسکتی قیمت ۸؍

ناول

بدنصیب لڑکی

خونی لڑکا ۸؍

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہوشیار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسمین بے پردگی کے نقصانات تعلیم غیر ضروری کی خرابیان دکھائی گئی ہین ایک شریف لڑکی کا پڑھ لکھکر ماں باپ کے تحت حکومت سے نکلکر اپنی عصمت سے تنگ آکر گھر کو چھوڑنا در بدر مصیبتین اٹھانا ۸؍

ناول بیگناہ قاتل ۸؍

ہنسی کا پٹارا ۸؍

نواب ۲۱ سنہ

نوابی دربار کے نوابی ٹھاٹ خوشامدی مفت خورون کے جوم بھوسے نواب کی اکڑفون اور کچھ مزیدار نصیحت کی صدائے بے ہنگام دل کا ایک معشوق حسینون کے چاہ مین اسیر ستم ہوکر صرف اپنی ہلکہ ادا بروا اکی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑی کمائی کو تھوڑا یومین اڑا کر بے باق ہو جاتے ہین اور بالکل اسکے مصداق بنتے ہین

ڈاڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے
فارغ البال اسکو کہتے ہین

یہ ناول نہین بلکہ ناول گر ہے ہندوستان کے بہترین ظرافت نگار سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور عالمگیر کے مشہور مسخرے وقائع نویس نعمت خان عالی کا رنگ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے جو لوگ جو شر اور دکو دیکھنا اور سیکھنا چاہین ان کی لائبریری مین رکھنے کے قابل ہے جسے ایک مرتبہ پڑھکر مع مبالغہ ایکہزار مرتبہ ہنسے تو ۶؍ قیمت کے مع نفع دعوہ واپس کئے جاینگے۔

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا دلنگار دلچسپ عبرت آمیز حیرت انگیز مرقع ماہر کی زندگی کے حیرتناک رازون کا انکشاف زنان بازاری کے فریب و دغا کے کارنامے بزرگ و در دیسی۔ یا جسے کو تماشا۔ ماہر کے عاشق زار کی بیجا مغل دانشیاس عیاریان ماہر کی ہمت حرفت شکست ہو کا ایک سنسنی خیز منظر دکھا کر ثابت کیا گیا کہ ایک بدتمام کا روپ کی نزدیا ہی ہین ہماتی ہے ہم یقین کے ساتھ کرسکتے ہین کہ ایسے دلچسپ ناول بہت

کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸؍

رسالہ قوت باہ عظمتی

آئین کدہ ہین آج قدردان کمال کے
کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

دنیا سرگردان ہے کہ نسخہ دارد دستیاب ہون وہ دوائین ملین جن سے مایوسان قوت باہ کے دبے ہوئے حوصلے نکلین ایکے لئے بہت زور ساتھ یہ کتاب پیش کرتے ہین جسمین مشرق و مغرب کے جدید و قدیم حکیمون ویدون ڈاکٹرون وغیرہ کے ان تمام تجربات معلومات و مشاہدات کا نچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا ہے جو عورت مرد کی مواصلت سے تعلق رکھتی ہین ساتھ ہی قواعد جماع ممنوعات جماع لذت اسباب امساک اولاد نرینہ و تندرست اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر فلسفہ عشق فلسفہ ازدواج انتخاب بیوی تعلقات زن مین لطف مباشرت اور صحبت کے طریقون وغیرہ کی اعلیٰ تر علمی تعلیم دی گئی ہے ضعف باہ کمزوری سستی نامردی جریان سرعت انزال وغیرہ کا مفصل بیان مرضون کی تشخیص اور پیدا ہونیکے اسباب و علاج اور عضو خاص علاج اقلام وغیرہ کی تمام پیدا شدہ خرابیون دور کرنیکے بیشمار مجربہ نسخے آزمائے ہوئے نسخے جات اجمل کے موجودہ اطبا و مسند امراء پیری سے بھی اب اعتباری لینے نہین بیچتے ہر فن ناواقف عام رسے کرسکتے ہین آپ بھی اگر منگا کر اپنی صحت درست کرنا پسند کیجئے تو کی نعمت قیمت فی جلد صرف آٹھ آنہ ۸؍

مینیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

مفت۔ ماہوار رسالہ دنیا۔ لکھنؤ کا چندہ سالانہ عہ ۔ نمونہ مفت۔

نگار بک ایجنسی

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان - مذہبی دعالمانہ تقریرون کا بےمثل مجموعہ خواتین ہند کے لئے عجیب و غریب نعمت ہے۔	عاہ/ ۴/
سیرت مصطفےؐ - سیرت رسولؐ کے متعلق بےمثل کتاب نہایت مستند روایات پر۔	عہ/
عفت المسلمات - پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شایع نہین ہوئی جسمین مشرق و مغرب کے تمام علما اسکے آرا کا نچوڑ ہے۔	۸ عہ/
اخلاقی سلسلہ - اسمین اکابرو بزرگان اسلام کے تاریخی واقعات یکجا کرکے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچون عورتون اور مردون کے مطالعہ کے لئے بےمثل مجموعہ قیمت چارون حصون کی حسب ترتیب :- ۸ / ۱۲/	۱۲/
مہذب زندگی - اخلاقی سلسلہ کا پانچوان حصہ	عہ/
ترتیب اطفال - عورتون کے لئے بےمثل کتاب	۸/
مقصد ازدواج - نکاح کے پُر تمدن و معاشرت نقطۂ نظر سے بےمثل محاکمہ۔	۸/
حفظ صحت - خواتین کو اسکا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔	۱۳/
تندرستی - اس کتاب کا بھی ہر گھر مین ہونا ضروری ہے۔	عہ
درس حیات - اخلاق و آداب کے پیرایہ مین فرنیالوجی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر - دوم	ہے/ ۴/
اسلام اور عورت - اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون پر فرض ہے	۴/

نام کتاب	قیمت
معیشت و معاشرت - یہ دونو کتابین اس پایہ کی ہین کہ اگر عورتین ان کا مطالعہ کرلین تو پھر انکو خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگزاشت نہین ہوسکتی بےمثل کتاب ہے اور ہر گھر کے لئے ضروری ہے	عہ/ ۱۲/
تہذیب نسوان - یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔	عہ/
بچون کی پرورش - اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمین ۱۱ مضامین ہین بچون کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو و نما تک کے حالات امراض و علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیے گئے ہین	عہ/
ہندستانی گھرون مین تیمارداری جسمین ۲۰ نقشہ شامل ہین	عہ/
فرائض باغبانی، ہدایات باغبانی - یہ دونون ہر متمدن خاندان کے لئے ضروری ہین۔	۴/
باغ عجیب - تین حصون مین مع تصاویر بچون کے لئے اخلاقی سبق و دلچسپ قصون کی صورت مین نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ ۸/ ۹/	عہ ۵/
ہدیۃ الزوجین - نکاح کے پہلے اور اُس کے بعد ہر مرد اور عورت کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔	۸/

مطبوعہ مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ | منیجر نگار بھوپال | باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی

نگار

ایک علمی و ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتحپوری

نگار

اڈیٹر:۔ نیاز فتحپوری

فہرست مضامین اپریل سنہ ۲۶ع

حشمت علی عباسی [illegible] تحریر نمود

تاریخ اشاعت بسم اللہ ہر ماہ کی پندرہ

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

قیمت سالانہ ہندوستان مین پانچ روپیہ ہندوستان سے باہر علاوہ محصول چھ روپیہ

جلد (۹)	اپریل سنہ ۱۹۲۶ء	شمار (۴)

ملاحظات

گزشتہ ماہ کا اہم ترین واقعہ، جس کا تعلق "نگار" سے نہ ہو لیکن مدیر محرر نگار سے ضرور ہے، علیا حضرت فرمانروای بھوپال کے چھوٹے شاہزادہ نواب محمد حمید اللہ خان بہادر بالقابہ کے مسئلۂ جانشینی کا طے ہونا ہے۔ ولیعہد بہادر مرحوم کے بعد اس مسئلہ نے جسقدر پیچیدگی وطوالت اختیار کر لی تھی، وہ متوسلین ریاست کیلئے بہت پریشان کن اور تکلیف دہ تھی اور ہرچند اصحاب فہم وادراک جانتے تھے کہ حکومت ہند کبھی شرع والضاف اور معاہدہ وقرارداد کے خلاف کوئی فیصلہ نہین کریگی، لیکن چونکہ دنیائے سیاسیات کے حدود ماورائے عمل وصداقت واقع ہوئے ہین، اس لئے کون کہ سکتا تھا کہ وہان کی فضاء کا اقتضا کیا قرار پائے گا اور نتیجہ کی نوعیت کیا ہو گی۔

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر واقعہ علیا حضرت فرمانروائے بھوپال کا وہ عزم ملوکانہ ہے جو یقیناً انسانی صداقت سن کی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔ علیا حضرت بالقابہا نے باایںہمہ کبرسنی وپیرانہ سری جس ہمت واستقلال جس جرات ودلیری کا ثبوت دیا ہے، وہ نہ صرف عالم نسوان بلکہ دنیائے رجال مین بھی قابل تقلید وتتبع ہے۔

اس دوران مین ملک کے اخبارات دو مختلف رائین رکھتے تھے، بعض ہز ہائنس کو مشورہ دیتے تھے کہ وہ اپنے پوتے کے حق کو پامال کرنے کی کوشش نہ کرین اور بعض پرنس حمید اللہ خان بہادر کے طرفدار تھے، لیکن ان مین سے کسی نے حقیقت کو نہ سمجھا تھا اور ان کی رائین صرف ذاتی اغراض وتوقعات کا نتیجہ تھین

واقعہ یہ ہے کہ ہز ہائنس نہ پرنس کی طرفدار رہی تھین اور نہ اپنے پوتے کی مخالف جہانتک محبت کا واسطہ ہے، انکی نگاہ

مین دونون ایک درجہ رکھتے ہین اور ان کے قلب مین دونون کی جگہ برابر ہے، لیکن چونکہ ولیعہدی یا جانشینی کا فیصلہ محض قلبی تعلقات یا ذاتی بنا پر نہین بلکہ اس قانون وراثت سے وابستہ تہا جسپر باہین حکومت برطانیہ و ریاست بھوپال توثیق معاہدہ ہوچکی تھی، اسلئے ہر ہائنس کا پرنس حمیداللہ خان بہادر کیلئے سعی فرمانا اپنے فرزند کیلئے کوشش کرنا نہ تہا بلکہ حق وصداقت اور شرع وانصاف کی حمایت کرنا تہا عوام کی نظر اس مسئلہ مین صرف بیٹے اور پوتے کی تفریق تک تھی، لیکن ہر ہائنس کے سامنے اصول کا سوال تہا اور اگر اسوقت وہ خاموش بیٹھ جاتین تو صداقت اصول پر ہمیشہ کیلئے پردہ پڑجاتا اور مسلمان ریاستون کے مسئلۂ جانشینی مین شرع اسلامی کی اہمیت حکومت ہند کے نزدیک بالکل محو ہوجاتی۔

اسلئے اسوقت سوال صرف بھوپال اور وہان کی جانشینی کا نہ تہا بلکہ سوال اصول وحق کا تہا اہمیت شرع وانصاف کا تہا اور یقیناً ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستون کو ممنون ہونا چاہیئے، ہر ہائنس کی ان مساعی کا جنہون نے آئندہ کیلئے اس مسئلہ کو بالکل صاف کردیا یہانتک تو اصولی گفتگو تھی، لیکن اگر ذاتی حیثیت سے نگاہ ڈالی جائے تو بھی پرنس حمیداللہ خان بہادر کی اہلیت سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا اور آپکے عہد وزارت وممبری کے کارنامے کافی شہادتین اس امر کی فراہم کرسکتے ہین کہ آپکا عہد حکومت ہر لحاظ سے "عہد سلطانی" کی بہترین یادگار ثابت ہوگا۔

خدا کرے علیاحضرت ام اقبالہا کا ظل عاطفت تادیر قائم رہے اور پرنس کو اپنی والدہ محترمہ کی خدمت کرنیکا فخر عرصہ تک حاصل ہو کہ اس سے زیادہ سعادت ایک انسان کیلئے اور کوئی نہین ہوسکتی۔

گزشتہ چند ماہ سے مین جن افکار وآلام کا شکار رہا ہوا ہون، ہرچند انکا تعلق بالکل میری ذات سے ہے اور مین اسکو پسند نہین کرتا کہ خواہ مخواہ ذاتی معاملات کو پبلک مین لایا جائے، لیکن چونکہ وہ تردات ایسے نہین ہین جن سے میری موجودہ مشاغل بالکل غیر متاثرانہ گزرجائین اس لئے اسکا اظہار ضروری ہو نہ اس لئے کہ مین ناظرین نگار سے دعا کی درخواست کرون کہ "شرمندۂ معنی" ہونیکے لحاظ سے یہ بھی لفظ "دعا" سے کچھ کم نہین ہے، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اگر کوئی فروگزاشت میری طرف سے محسوس ہو تو اسکو میری مجبوری پر محمول کیا جائے۔

گزشتہ ماہ کے رسالہ مین نظم "حسن وعشق" مولانا کیفی چڑیاکوٹی کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ حالانکہ وہ جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی ہے، مین دونون حضرات سے معافی کا طالب ہون۔

مارچ کے رسالہ مین جو تصویر رقاصہ کی شائع ہوئی ہے، اس پر عنوان درج ہونے سے رہگیا جس کی وجہ سے لوگون کے خیال مین اضطراب غیر صحیح پیدا کردیا۔ اس تصویر کا عنوان "رقص نا جائز" ہے اور مین بعض ان ذوق نقاشی رکھنے والون سے معافی چاہتا ہون جنہون نے اسکو پسند کرکے مجھ جواز کیطرف انکی کرنیکی کوشش کی، متعلقہ مضمون مین رقص نا جائز کا جہانکہ ذکر آیا ہے، اسکے ساتھ اس تصویر کو متعلق سمجھا جائے۔

فن رقص تاریخ اسلام کی روشنی مین

(بسلسلہ ماسبق)

عرب کی شاعری مین رقاصونکا وصف

ناظرین کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ ہمنے اس سلسلہ مین کثرت سے شعراء عرب کے اشعار نقل کئے ہین۔ اسلیئے کہ اس موضوع کیلئے شاعرون سے بہتر کوئی شاہد پیش نہین کیا جاسکتا۔ شعراء عرب نے راقصین اور راقصات کے وصف مین بڑے تفنن سے کام لیا ہے ابن رومی ایک رقاصہ کی تعریف مین کہتا ہے۔ جو ایک باریک کپڑا پہنتی تھی،

اذا هی قامت فی الشفوف أضاءها	جب وہ باریک کپڑے پہنکر کھڑی ہوتی ہے تو وہ کپڑے
سناها فشفت عن سبيكة سابك	اسکے نور حسن سے منور ہوجاتے ہین اور اسکا جسم گھلی ہوئی چاندی کیطرح نظر آتا ہے

ایک دوسرا شاعر حرکات رقص کے متعلق کہتا ہے کہ رقاص کے حرکات کو دیکھنے والا بسبب انکی تیزی کے سکون سمجھتا ہے اور حالت رقص مین اسکی حرکت آفتاب کی طرح ہے جو نظر دن کو محسوس نہین ہوتی۔

ترى الحركات منه بلا سكون	تو اس رقاص کے حرکات سریع کو جن مین سکون ہے دیکھے گا
فتحسبها لخفتها سكونا	تو بسبب غایت سرعت کے حرکت کو سکون سمجھے گا
كسير الشمس ليس بمستقر	اور یہ مثل حرکت آفتاب کے ہے جو ساکن نہین ہے،
وليس بممكن أن يستبينا	لیکن یہ ممکن نہین کہ اسکی حرکت ظاہر ہو۔

ایک دوسرا شاعر رقص کے کمال فن کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا زمین ایک بڑے جابر و قاہر بادشاہ کا سر ہے رقص کرنے والیان جس کے چھونے سے ڈرتی ہین۔

يحاذرن وطء الارض حتى كأنما	وہ زمین پر قدم رکھنے سے حذر کرتی ہین۔
يطأن بظهر الارض هامة أصيد	گویا وہ زمین پر نہین بلکہ کسی جابر و قاہر بادشاہ کے سر پر پاؤن رکھتی ہین۔

صفی الدین حلی اوزان شعر اور نغمات موسیقی کے ساتھ رقاص کے ہاتھ اور پاؤن کی حرکت اور اسکے تناسب کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

والراقصات وقد شدت مآزرها	رقص کرنے والیون نے پٹکے باندھے ہین،
على خصور كأوساط الزنابير	ایسی کمرون پر جو اپنی باریکی مین زنبورون کے مثل ہین۔
ترعى الضروب بكفيها وارجلها	ان کے ہاتھ پاؤن کی حرکت اوزان شعر کی مناسبت سے ہوتی ہے
تحفظ الاصل من نقص وتغيير	وہ شعر کی اصل کو نقص اور تغیر سے محفوظ رکھتی ہین

ابن محاسن نے ایک پرلطف قصیدہ ایک رقاصہ کی تعریف میں لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

اذا ہزت معاطفھا لرقص ۔	جب وہ اپنی کمر کو رقص کیلئے حرکت دیتی ہے ،
وحرکت الانامل والنھود ا ۔	اور انگلیوں اور سینہ کو بھی جنبش دیتی ہے ،
ومالت والتوت دلاً وظرفاً ۔	جھکتی ہے ، بل کھاتی ہے ، ناز و انداز سے
ورنحت الشمائل والقدود ا ۔	اور اپنے اعضا اور قد کو بھی حرکت میں لاتی ہے ،
رمت بقسیّ حاجبھا الینا ۔	اور اپنے کمان ابرو سے ہماری طرف تیر چلاتی ہے
بنالاَفتتت منا الکبودا ۔	تو ہمارے کلیجہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے

جمال الدین بن حسن بن علی بن داؤد فاروقی حرکات رقص کی سبکی اور سرعت انتقال کو اس طرح بیان کرتا ہے

للہ راقصۃ تمیل کانھا	کیا خوب ہے وہ رقاصہ جب وہ جھکتی ہے
ظل القضیب اذا تمایل مزہرا	تو گویا وہ سایہ ہے ایک ایسی شاخ کا جو اپنے پھولوں کو لئے ہوئے لچکتی ہو ۔
تزہو وترجع کالخیال فلاتری	ظاہر ہوتی ہے اور واپس ہوتی ہے سرعت خیال کی طرح اسلئے اسکے حرکات دکھائی نہیں دیتے
حرکاتھا الالطارقۃ الکرٰی	مگر اس طرح جیسے خواب شیریں کا خیال آجائے ۔
لانت معاطفھا فکیف تلفتت	اُسکے جوڑ نرم ہیں ۔ اسلئے وہ اس سرعت سے مڑ سکتی ہے ۔
وتقلبت لایستطاع بان ترٰی	اور مڑتی ہے اس طرح کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا ۔

ابوالحسن علی بن ابوالسیر اور عزالدین موصلی وغیرہ علی الخصوص شعراے اندلس نے رقاصہ عورتوں اور رقاص مردوں کے اوصاف میں بہت کچھ اشعار لکھے ہیں جو اس مختصر مضمون میں درج نہیں کئے جاسکتے ۔

فن تصویر و رقص

جس طرح فن رقص نے عراق اور اندلس میں ترقی کی تھی اسی طرح جب اسلامی تمدن عراق سے مصر میں عہد فاطمیین میں منتقل ہوا ، تو اس فن کو وہاں بھی عروج ہوا ۔ مقریزی نے " خطط " میں اس امر کی تصریح کی ہے ، کہ خلیفہ ظاہر بن الحاکم بامراللہ کے عہد میں رقص کو کمال ہوا ۔ رقاصہ عورتیں ناچتی تھیں ۔ اور اس میں بڑی دلچسپی لیجاتی تھی ۔ رقص ہی پر منحصر نہیں بلکہ تمام تر روحانی لذتیں اس زمانہ میں تکمیل کو پہونچ گئی تھیں ، جس طرح رقص مصر میں شعرا کی طبع آزمائی اور مضمون آفرینی کا موضوع تھا ، اسی طرح مصوریں کے واسطے بھی ایک خاص موضوع کا حکم رکھتا تھا ، خلافت فاطمیہ کے زمانہ میں ، مصور ، اور نقاش رقص کے تمام اصناف کی بہترین تصویر کھینچتے تھے ۔ قاہرہ اس وقت فنون جمیلہ کا مرکز تھا ۔ مشہور مصور قصیر ، اور ابن عزیز استاد کا مناظرہ مصر میں بڑے زور و شور سے ہوا تھا جس کا موضوع رقاصہ عورتوں کا رقص تھا ۔ یہ مناظرہ قاضی القضاۃ وزیر یازوری کے سامنے ہوا تھا ۔ وزیر مذکور نے قصیر کے مقابلہ کیلئے ابن عزیز کو عراق سے مصر میں بلایا تھا ۔ کیونکہ قصیر تصویر کی اجرت بہت زیادہ لیتا تھا اور اُسے اپنے کمال پر بڑا ناز تھا ۔ اس مناظرہ میں قصیر نے ایک رقاصہ کی تصویر سیاہ لباس میں کھینچی ۔ رقاصہ جنبیہ کی صورت پر تھی ، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوار کے اندر داخل ہورہی ہے ؛

اور ابن عزیز نے سرخ لباس میں ایک رقاصہ کی تصویر بنائی یہ بھی جنبیہ کی صورت پر تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوار سے نکل رہی ہے

مصر کا تمدن جب عروج پر پہونچا ہوا تھا - تو اس فن سے مصریون کی دلچسپی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ رقص کی تعلیم کیلئے خاص معلم ہوتے تھے، جیسا کہ آج کل ہمارے زمانہ مین ہوتے ہین - اور رقص ایک باقاعدہ پیشہ ہو گیا تھا جس کے متعلق ابن خلدون کہتا ہے کہ "مصر مین بعض ذرایع معاش کو اس درجہ ترقی ہو گئی ہے، کہ بمقابلہ دوسرے پیشون کے اُن سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے، کیونکہ ایسے پیشے تمدن کی زیادتی اور زخم کی فراوانی سے پیدا ہو جایا کرتے ہین، ان کی مثال مین - غنا اور رقص کے معلمین کو پیش کیا جا سکتا ہے، اور جب تمدن معمولی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے (تو اس قسم کے مکاسب کی اور بھی کثرت ہوتی ہے) جیسا کہ ہمکو مصر کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہان پرندون اور گدھون کو تعلیم دیکر سدھایا جاتا ہے، اور ماتم اور رقص کی باضابطہ تعلیم ہوتی ہے،

امرا اور خواص کا رقص تمدن اسلام کے دور ترقی مین رقص صرف عورتون، اور عام مردون مین منحصر نہ تھا بلکہ خاص لوگون مین بھی پایا جاتا تھا - مصر مین شاہانِ ممالیک کے زمانہ مین بادشاہ کی مجالس اور تقریبات مین امرا رقص کرتے تھے، چنانچہ بادشاہ اشرف خلیل بن قلادون نے جب سنہ ۶۹۲ھ مین اپنے مشہور محل "الاشرفی" کی عمارت مکمل کی، تو نئے محل مین ایک عظیم الشان جشن کیا اسکے متعلق مقریزی لکھتا ہے، "جب امرا رقص کیلئے کھڑے ہوئے تو شاہی خزانچی نے اپنر اشرفیان برسائین"[۵۱] بلکہ عراق، مصر، اندلس اور فارس وغیرہ مین جب عربی تمدن انتہائے عروج پر تھا تو بڑے طبقہ کے لوگ بھی رقص سے نفرت نہین کرتے تھے - رقص و سرود، غنا اور آلات موسیقی سے خود بھی اُنھون نے مشغلہ کیا ہے، فقیہ، محدث، طبیب اور بڑے صاحبِ وقار قاضی اور صوبون کے گورنرون نے اس مین عملی حصہ لیا ہے چنانچہ وزیر مہلبی کی مجلس مین بہت سے قاضی اور دیگر اکابر قوم جن مین قاضی التنوخی بھی ہوتے تھے ہفتہ وار جمع ہوتے تھے ان مین سے کوئی ایسا نہین تھا جو سفید ریش بزرگ نہ ہو - اسی طرح وزیر مہلبی بھی ایک معمر اور باوقار شخص تھا - اس اجتماع کی مسرت اس طرح تکمیل کو پہونچائی جاتی تھی کہ ہر ایک شراب سے لبریز پیالہ اپنے ہاتھ مین لیتا تھا اور داڑھی کو اسمین غوطہ دیکر ایک دوسرے پر چھڑکتا تھا اس شراب پاشی کے بعد سب کے سب رقص کرنے لگتے تھے رقص کے ساتھ آلاتِ طرب اور گانا بھی ہوتا تھا -

خلفا اور شاہانِ اسلام کی سب سے زیادہ عجیب مجلس رقص جس مین بڑے بڑے اربابِ دولت اور خاص عہدہ دار باری باری سے رقص کرتے تھے منصور بن ابی عامر کی مجلس اندلس مین تھی جس کے متعلق صاحب نفح الطیب لکھتا ہے "منصور بن عامر کی مجلس مین کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے اور باری باری رقص کرتے تھے جب ابن شہید کی نوبت آتی تھی تو وہ رقص کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھتا تھا -

ہاک شیخاً قادہ السکر لکا -	اس بڈھے کو دیکھو جیسے سُکر نے بدمست کر دیا ہے
قام فی رقصتہ مستہلکا -	وہ اپنے رقص مین جاہ و مال پر دریغ نہین کرتا
لم یطق یرقصہا مستثبتاً -	وہ حالت رقص مین اپنی مسرت کے اضطراب سے ٹھہر نہین سکتا -
فانثنی یرقصہا مستمسکا	وہ جھک جاتا ہے - اور کسی شئے کو پکڑ کر رقص کرتا ہے

---

[۵۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ مصر [۵۲] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

من وزیر فہیم رقاصتہ — اور ایک وزیر بھی اس جماعت مین رقص کرنے والا ہے
قام للسکر ینا غی الملکا — جو بدمست ہو کر کھڑا ہے اور بادشاہ سے ہمسری کرتا ہے

خلاصہ یہ تمام روایات عرب کے حسن ذوق اور لطافت طبع پر دلالت کرتی ہین تاریخی واقعات جو اوپر ذکر کیے گئے عرب اور دوسری اسلامی سلطنتون کی حالت پر روشنی ڈالنے کیلئے بالکل کافی ہین - ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہان کسقدر جبہ فن رقص سے دلچسپی لیجاتی تھی - رقص، غنا اور موسیقی سے اُنکی حیات اجتماعی کی مسرت مکمل ہوتی تھی (جیسا کہ آج کل یورپ اور امریکہ مین ہوتا ہے) یہ طبعی اور فطری مسرتین ہین جو وقار و متانت کے ہرگز منافی نہین، بلکہ اسباب ظرافت اور مسرت مین شمار کیجاتی ہین - اس مین شک نہین کہ یہ مسرتین اسوقت تک اُن مین پائی گئین جب تک کہ اُن کا تمدن عروج پر رہا - اور اُن کے وہ اخلاف اس سے محروم رہے جو اپنے تاریک عہد مین ان فنون جمیلہ کی طرف حقارت و عداوت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کو نہایت ذلیل بلکہ اقسام کفر سے شمار کرتے تھے -

---

اکبر الہ آبادی و شاد عظیم آبادی

گمان مبر کہ بہ پایان رسید کار مغان
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک ست
(اقبال)

نفسیات کا ایک عالمگیر کلیہ ہے کہ تائید ایزدی و توفیق الٰہی تمام عرصۂ کائنات پر یکسان جاری و ساری ہے، کمال اور ترقی کسی عہد اور کسی ملک کیلئے مخصوص نہین ہے۔ آفتاب کی شعاعین کائنات کے ذرہ ذرہ پر یکسان پڑتی ہین، البتہ اکتساب نور صلاحیت و استعداد پر منحصر ہے۔ کمال شاعری کا بھی یہی حال ہے کہ کسی عہد یا کسی ملک کا حصہ نہین ہے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین شعرا پیدا ہو سکتے ہین، ہر عہد مین پیدا ہوئے اور جب تک اردو کا وجود ہے اسی طرح پیدا ہوتے رہینگے۔ ولی دکنی کے عہد سے لیکر امیر و داغ تک سیکڑون شعرائے گرامی پیدا ہوئے جنھون نے ہر دور مین عروس سخن کی زلفون کو اپنے مذاق طبیعت کے موافق سنوارا۔ ان شعرا مین میر و درد، راسخ و میر حسن، آتش و انیس، مومن و غالب بزم اردو کو نئے نئے سر و سامان سے سجانے مین امتیاز رکھتے ہین۔ مگر بعض نقادون کی راے ہے کہ اردو شاعری ترقی کی حد کو پہونچ گئی، یہان تک کہ پروفیسر آزاد نے آب حیات مین انیس و دبیر کو خاتم الشعرا قرار دیا ہے۔ بعض سخن فہمون کی راے مین امیر و داغ اردو شاعری کی آخری یادگار ہین۔ ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ شعرا نے شاعری کی حد بندی کر دی، اب قدیم طرز کے شعرا پیدا ہی نہ ہون گے اور قدیم شاعری کا وجود ہی نہ رہیگا۔ یہ خیال صریحًا اصول نفسیات کے خلاف ہے ؎

ہنوز آن ابر رحمت در فشان ست — خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

قدرت ہمیشہ فیض رسان ہے، شاعری کسی خاص ملک کی ملکیت نہین ہے۔ ہر دور مین باکمال شعرا پیدا ہوتے آئے اور پیدا ہوتے رہینگے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ ایک رنگ جو ایک زمانہ مین مقبول خاص و عام سمجھا جاتا ہے دوسرے دور مین کہنگی و فرسودگی کی بنا پر اسکی وقعت کم ہو جاتی ہے اور اسکی جگہ دوسرا رنگ چھا جاتا ہے۔ یہ قانون فطرت کا اقتضا ہے کہ جدید چیزین قدیم چیزون پر غالب آجاتی ہین۔ ہر دور مین طبائع و خصائل انسانی کچھ نہ کچھ تغیر پذیر ضرور ہوتے ہین اور طرز معاشرت و انداز تمدن مین بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسی فطری ماحول کے زیر اثر شاعری کا نشو و نما ہوتا ہے۔

اس آخری دور مین لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور سید الشعرا مولانا شاد عظیم آبادی کی ذات گرامی اردو شاعری کے ارتقائے حیات کیلئے نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت اکبر سے تمام سخن فہم واقف ہین، انکا نام تعارف سے بالکل بے نیاز ہے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین ان کے جذبات اثر و انقلاب انگیز کلام کی شہرت ہے۔ ملک کی جو سیاسی و معاشرتی، ملی و مذہبی کیفیت ہے پوشیدہ نہین ہے، اکبر کی حساس طبیعت نے ملک کے انحطاط و زوال کا جو معائنہ کیا اور ابنائے زمانہ کے تمدنی و ملی کیرکٹر کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھا۔ انکے سینہ مین ایک درد مند دل تھا جو اس انقلاب سے نہایت متاثر ہوا۔ انھون نے شہرت کے والہانہ رنگ مین ایسے اخلاقی و مذہبی

نصائح کی اشاعت شروع کی جو ملک کے قوائے خفتہ کو بیدار کرنے اور سیاسی و معاشرتی جمود کو دور کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوئے ۔ انکے نکتہ رس و دقیقہ سنج دماغ نے ہر پہلو پر غور کیا اور ہر واقعہ سے گہرے فلسفیانہ نتائج پیدا کئے جو ملک کی اصلاح کیلئے بدرجۂ اتم سودمند ہین۔

اسی طرح صوبۂ بہار مین مولانا شاؔد کی ذات گرامی باعث صد فخر و ناز ہے ۔ آپکی عمر اسی سال سے بھی متجاوز ہے ، ساٹھ برس سے زیادہ کی مشق سخن ہے ۔ شاعری کے تمام اصناف پر آپکو یدطولی حاصل ہے ، مرثیہ و قصائد ، مسدس و رباعی ، غزل قطعہ وغیرہ ہر نوع سخن پر آپکی قدرت تامہ مسلم ہے ۔ خصوصًا عالم تغزل مین آپکی معجز بیانی اردو کیلئے سرمایۂ نازش ہے ۔ آپنے ایک خاص رنگ تغزل اختیار کرلیا ہے ۔ عامیانہ و مبتذل مضامین اور صوفیانہ طرز ادا سے آپکی شاعری قطعی پاک ہے ، حقائق و معارف ، رموز و اسرار ، اخلاق و تصوف ، فلسفۂ و حکمت ، پاکبازانہ حسن و عشق کے راز و نیاز سے آپکا کلام مملو ہے ۔ ہندوستانکا کوئی گوشہ ایسا نہین ہے جہان آپکا پاکیزہ کلام نہ پہونچا ہو اور اس سے لوگ مستفید نہ ہوئے ہون ۔ ملک مین آپکی شاعری نے کافی شہرت حاصل کی ہے ۔ تمام جرائد و رسائل آپکی غزلون کی اشاعت کو فخر سمجھتے ہین اور ملک کے اہل قلم آپکا نام ادب سے لیتے ہین ۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی رائے بہت صحیح ہے کہ جس زمانہ مین مخزن زندہ تھا آپ یگانۂ فن سمجھے جاتے تھے اور اب تو آپ نے بزم سخن کی صدارت کی حیثیت رکھتے ہین اور اس دور سخن کے میر ہین ۔ علی ہذا مولانا عبدالسلام ندوی بھی آپکے مرتبۂ استادی کے معترف ہین ۔ چنانچہ اپنی تازہ تصنیف "شعرالہند" مین انھون نے مولانا شاؔد کو موجودہ شعرا کا "پیشرو" قرار دیا ہے ۔ علمائے موصوف کے علاوہ علامۂ ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ بھی آپکو استاد فن مانتے ہین اور آپکے رنگ تغزل کے نہایت مداح ہین حقیقت یہ ہے کہ مولانا شاؔد کی شاعری دور جدید مین ایک نمایان حیثیت رکھتی ہے ۔ شعرائے لکھنؤ نے جو رنگ تغزل اختیار کیا اسمین اسقدر بے اعتدالی پیدا ہوگئی کہ شاعری محض ضلع جگت رہگئی ۔ بجز آتشؔ و انیسؔ کے تمام شعرائے لکھنؤ کے کلام کو بغور پڑھو اور دیکھو کہ ان حضرات نے کیا کچھ گورکھ دھندا تیار کر رکھا تھا ، فارسی شاعری کی جو گت ناصر علی سرہندی وغیرہ کے عہد مین ہوئی وہی حال اردو شاعری کا امانتؔ لکھنوی وغیرہ کے ہاتھون ہوا شعرائے دہلی سے یعنی یہان پر بحث نہین ، انکی سلامت روی ، پاکبازانہ رنگ تغزل ، جدت تخئیل وغیرہ کا ہر ذوق شناس سخن معترف ہے ، مین لکھنوی شاعری کے تخریب و تنزل کا ذکر کررہا ہون ۔ بالآخر قدرت نے صوبۂ بہار مین ایک صحیح الوجدان و سلیم المذاق استاد غزل پیدا کیا جسکے تخلیات عالیہ نے عالم شاعری مین ایک ہیجان برپا کردیا ، جسکے اچھوتے رنگ تغزل نے شعرائے لکھنؤ کی آنکھین کھولدین ، جسکے پاکبازانہ سحرکار کلام نے لکھنؤ کی شاعری کو متاثر کردیا ، جسکے حقائق و معارف کے اثرات نے عزیزؔ لکھنوی ، یاسؔ عظیم آبادی ، جوشؔ ملیح آبادی وغیرہ کے سے متنفرین پیدا کئے ۔ حضرات لکھنوی اور انکے مقلدین مانین یا نہ مانین مگر مین تو صاف دیکھ رہا ہون کہ شعرائے موصوف کا رنگ تغزل بہت بڑی حد تک شاؔد کی شاعری کے اثرات کا رہین منت ہے ۔

اس وقت میرا موضوع بحث اکبرؔ الہ آبادی و شاد عظیم آبادی کے کلام کا ایک خاص نقطۂ نظر سے موازنہ کرنا مقصود ہے ۔ اکثر حضرات یہ سنکر حیرت زدہ ہون گے کہ اکبرؔ و شاؔد کا موازنہ کیا معنی رکھتا ہے ، دونون کی الگ الگ راہین ہین ، کوئی بات دونون مین مشترک نہین پائی جاتی ، مگر مین انہین یہ کہکر مطمئن کردینا چاہتا ہون کہ مین شاؔد کے کلام کے مقابلہ مین اکبرؔ کے اس ظریفانہ رنگ کو نہ لاؤنگا جو مطبوع خاص و عام ہے اور جسکی بدولت اکبرؔ اکبر ہین ، کیونکہ اس رنگ مین تو انکا کوئی حریف نہین ، وہی اسکے موجد ہین اور خاتم بھی ۔ لیکن اس جدید رنگ کے علاوہ

اکبر قدیم رنگ مین بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے ۔ اگر ایک طرف ظریفانہ اشعار کی کثرت ہے تو دوسری طرف متین اور سنجیدہ کلام کا بھی ایک انبار نظر آتا ہے۔ مرحوم کے تینون دواوین مین سیکڑون غزلین ہین جن مین حسن و عشق، حقائق و معارف، اخلاق و تصوف کی قدیم انداز مین داستان سرائی کیگئی ہے۔ باوجود اسکے کہ دونون کی الگ الگ راہین ہین یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہون کہ کون کون سی باتین دونون مین مشترک پائی جاتی ہین۔ اس اظہار واقعہ مین کوئی میرا ہمنوا ہو یا نہ ہو مجھے اسکی پروا نہین ۔ دونون مشاہیر جدید کی غزلون کو ایک نقطۂ خیال سے دیکھکر تغزل کی صفات مشترکہ کو بیان کرتا ہون :-

(۱) دونون کا دل سوز و گداز کا آتشکدہ معلوم ہوتا ہے اور عالم پیری مین یہ صفت بوجہ فرط تاثر اور نمایان ہوگئی ہے ۔

(۲) دونون کی غزلون مین سادگی بیان، صفائی زبان، جدت تخیل، متانت و سنجیدگی، اور فارسی ترکیبون کا اعتدال کے ساتھ استعمال نمایان نظر آتا ہے ۔

(۳) طویل بحرون مین اکثر دونون کہتے ہین اور خاص دلآویزی و شیرینی پیدا کر دیتے ہین ۔

(۴) دونون کے ہان آخر عمر کے کلام مین درد و غم، سوز و گداز، یاس و حسرت، ضعف قوی و پیرانہ سالی کی گلہ طرازیون کی ایک تفسیر نظر آتی ہے ۔ (حضرت اکبر کے تیسرے دیوان مین یہ خصوصیت نمایان ہے)

(۵) دونون کا کلام کہنہ مشقی و قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے اور اسلوب بیان و طرز ادا کا دونون خاص لحاظ رکھتے ہین ۔

(۶) دونون کی غزلون مین حقائق و معارف، اخلاق و تصوف، فلسفہ و حکمت بدرجۂ اتم پائے جاتے ہین ۔

لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہین ہو کہ دونون اساتذہ ایک ہی روش پر چلے ہین ۔ باوجود مذکورۂ بالا خصوصیات مشترکہ کے دونون کی راہین جداگانہ ہین۔ حضرت اکبر کی اصلی جولانگاہ ظرافت آمیز کلام ہے جس کے پردہ مین وہ تکمیل اخلاق، اصلاح معاشرت، ارتقائے تمدن تہذیب ملت کی تعلیم دیتے ہین۔ انکا کلام زیادہ تر سیاسی و معاشرتی، مذہبی و ملی پہلو لئے ہوئے ہے۔ بقول جسٹس شیخ عبد القادر وہ "روشن خیالی کے ساتھ مشرق کی سچی محبت" کے واعظ ہین۔ حضرت شاد کا رنگ تغزل عجیب و غریب ہے۔ انکے "بظاہر سادہ الفاظ مین ایک جہان معنی آباد ہے"، انکے "بیساختہ پن مین بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہین"۔ انکے مجازی طرز کلام مین ایک دنیائے حقیقت مضمر ہے ۔ اس خصوصیت مین وہ خواجہ حافظ شیرازی سے مناسبت رکھتے ہین ۔ وہی پاکبازانہ حسن و عشق ہے، وہی عامیانہ و سوقیانہ الفاظ و معانی سے گریز ہے، وہی وسعت مشرب ہے، وہی قیود و رسوم سے آزادی ہے، وہی ساقی اور پیر مغان کی داستان ہے، وہی ساغر و مینا، بادہ و خم، میکدہ و خرابات کی کہانی ہے، اور اسی طلسم مجاز مین ایک بحر حقیقت خوابیدہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہین ؎

نہ آئینہ کا قصہ اور نہ حال شانہ کہتے ہین
حقیقت مین جمال یار کا افسانہ کہتے ہین

اور جہان پر درد و غم، سوز و گداز، یاس و حسرت، ناکامی و حرمان، جذبات و کیفیات کے مضامین نظم کرتے ہین وہان انکی شاعری کی سرحد میر سے جا ملتی ہے۔

اس وقت مولانا شاد کے کلام پر تفصیلی تبصرہ کرنا مقصود نہین ہے ؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکران کیلئے ۔ اسکے متعلق ایک

مبسوط و مستقل مضمون بشرط فرصت لکھنے کا ارادہ رکھتا ہون۔ خدا پورا کرے۔ آمین ثم آمین

اب مین اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہون کہ دونون نے ایک تخیل کو کس انداز مین ادا کیا ہے۔

اکبر ؎ حباب آسا اُٹھایا بحر ہستی مین جو سر اپنا
بنایا بس وہین موج فنا نے ہم سفر اپنا

شاد ؎ موج فنا مٹا نہ دے نام و نشان وجود کا
دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

دونون شعرون مین یہ اخلاقی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ زندگی کا انجام موت ہے، غرور و خودبینی کا نتیجہ فنا ہے۔ اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہے۔ برخلاف اسکے شاد کے شعر مین بیان واقعہ کے ساتھ ہی عبرت پذیری و سبق آموزی کا پہلو بھی موجود ہے اور طرز ادا نے اس شعر کو اور چمکا دیا ہے۔

اکبر ؎ پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

شاد ؎ پروانے کی میت جب یون آگ مین جلتی ہے
گو سخت ہو ظاہر مین پھر شمع پگھلتی ہے

مضمون پامال ہے مگر حسن بیان نے ان شعرون مین جان ڈالدی ہے۔ اکبر کا شعر بے نیاز تعریف ہے۔ حسن و عشق کے پر تاثیر انجام کو اس دلآویز انداز مین ادا کیا ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی۔ اس شعر کے مقابلہ مین اسی مضمون کا جدت تخیل کے ساتھ شعر نکالنا شاد ہی کا کام تھا۔ انکے شعر سے یہ بلاغت بھی نمایان ہے کہ گو دیکھنے مین شمع صورتاً و معنًا سنگدل معلوم ہوتی ہے اور پروانے کے حال زار پر رحم نہین کھاتی مگر جب پروانہ اسکے جمال پر قربان ہو جاتا ہے تو محبت کی آگ سے وہ بھی متاثر ہوتی ہے اور گھل گھل کر فنا ہو جاتی ہے۔

اکبر ؎ اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا
مگر محل نہین ساقی سے بدگمانی کا

شاد ؎ دیکے تہی سبو مجھے صبر کا حوصلہ دیا
جسکی طلب تھی ساقیا اس سے کہین سوا دیا

مفہوم دونون کا ایک ہے۔ دونون مین صبر و توکل، تسلیم و رضا کی تلقین ہے۔ اکبر کے دوسرے مصرعہ کا تیور دلاویز ہے۔ وہ زندگی کی تلخی پر قضا و قدر کی شکایت نہین کرنا چاہتے۔ شاد میدان رضا مین ایک قدم اور آگے ہین اور انہین ناکامی اور نامرادی پر عدم شکایت کے بجائے الٹے شکر ادا کرتے ہین۔ گو معنوی حیثیات شاد کے شعر مین زیادہ ہین تاہم طرز ادا کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دیجا سکتی۔ شاد قریب قریب اسی مفہوم کو دوسری جگہ یون ادا کرتے ہین ؎

طلب کرتے نہین ساقی سے گو افراط ہے مے کی
زباں روکے ہوئے ہین رنگ محفل دیکھنے والے

اکبر ؎ اگرچہ تکلیف نزع مین ہون سکون خاطر بھی کم نہین ہے
کسی سے ملنے کی ہین امیدین کسی سے چھٹنے کا غم نہین ہے

شاد ؎ آخر ہے عمر ضیق مین دل بھی ہے جان بھی
مردانہ باش ! ختم ہے یہ امتحان بھی

اکبر کے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ معشوق حقیقی کے وصال کی امید ہے اور زوال دنیا سے مفارقت کا مطلق رنج نہین ہے لہذا امید وصل مین نزع و سکرات کی تمام تکالیف و آلام گوارا ہین اور مسرت و اطمینان حاصل ہے۔ شاد کے شعر کا مفہوم بہت بلیغ و الفع ہے۔ وہ کہتے ہین کہ عالم وجود مین آنا معشوق حقیقی سے دور ہونا تھا۔ زندگی کی تمام تکالیف و مصائب بطور امتحان عشق و محبت کے تھے جن کے سہنے پر وصال

کی شاد کا منحصر تھی ۔ اب تمام آلام و تکالیف کا خاتمہ ہو رہا ہے اور شاہد حقیقی سے ملنے کا وقت قریب ہے ۔ صرف ایک آخری امتحان محبت باقی ہے یعنی نزع کی بےچینی، کرب و الم تکلیف و انقباض ۔ لہذا پامردی و استقلال کے ساتھ ان مصائب کو بھی برداشت کرنا چاہیئے پھر تو روح مشتاق ہو اور معشوق کے گلشن وصال کی گل چینی ۔ ظاہر ہے کہ شاد کے شعر میں جو حقائق و اسرار، اسالیب بلاغت، اور جوش بیان موجود ہے اکبر کے شعر میں نہیں ۔

اکبر ؎ آنے دو مصیبت کو ذرا خانۂ دل پر — جو بند ہے غفلت میں وہ عبرت میں کھلیگا
شاد ؎ جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھلتا ہو دنیا کا — مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہے

انگریزی کا ایک فلسفیانہ مقولہ ہے "ادبار بہترین مدرسۂ تربیت ہے" اسی مفہوم کو دونوں نے نظم کیا ہے ۔ شاد کے شعر کو قطعی ترجیح ہے ۔ انکا دوسرا مصرعہ تو مقولۂ مذکور کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتا ہے اور اتنا بے ساختہ ہے کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہونے کے لائق ہے

اکبر ؎ آئیگی تجھکو نظر صانع عالم کی جھلک — سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا
شاد ؎ صانع کو دیکھنا ہو تو عالم پہ کر نظر — آئینہ آئینہ ہی خود آئینہ ساز کا

دونوں شعر متحد المضمون ہیں جنکا مفہوم فلسفۂ الٰہیات کی ایک دلیل ہے منجملہ اور دلیلوں کے جو اثبات باری تعالےٰ میں پیش کیجاتی ہیں ۔ شاد کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہے خصوصًا مصرع ثانی کا زور بیان، طرز ادا، اور حسن بندش قابل داد ہے ۔

اکبر ؎ دل ہو ملول فرقت قامت رخ یار میں — بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
شاد ؎ میں اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں — کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں!!

شاد کے شعر کا طرز ادا، صفائی زبان، چستی بندش، بے ساختگی اور تیور محتاج بیان نہیں اکبر کا شعر اسکے مقابلہ میں بہت سست ہے اور لفظی رعایت نے اسکو اور بھی بے مزہ کر دیا ہے ۔

اکبر ؎ داغ دلبر نظر یاس نکر اے اکبر — کوئی ذرہ چمن دہر میں بیکار نہیں
شاد ؎ خالی سمجھ کے پھینک نہ اے موج رائگاں — ہر کیسۂ حباب کے اندر خزانہ ہے

اکبر کے شعر کا ماخذ مرزا غالب کے یہ دو مصرع ہیں ؎

۱ ۔ یک ذرۂ زمین نہیں بیکار باغ کا

۲ ۔ ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار

ظاہر ہے کہ اکبر نے اس مضمون کو جنبسہ لے لیا اور کوئی جدت نہیں پیدا کی ۔ برخلاف اسکے شاد نے اسی عالمگیر کلیہ کو ایک جدید اسلوب اور اچھوتی تخیل میں بیان کر دیا ۔ میرے خیال میں اس خوبی سے اس مضمون کو اردو میں کسی نے نہیں ادا کیا ہے

اکبر ؎ دل بے تاب نے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم — یہ ہر ذرہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانے میں
شاد ؎ سرکار دل کی ہوش ربائے زمانہ ہے — وسعت تو کچھ نہیں مگر اک کارخانہ ہے

دونون اپنے اپنے رنگ مین سلطانِ دل کی کارفرمائیون کو بیان کر رہے ہین - اکبر کا شعر صاف ہے شاد دل کی طلسمی کیفیت کے متعلق فرماتے ہین کہ دیکھنے مین دل تو ایک مختصر مضغۂ گوشت ہے مگر اسکے اندر ایک وسیع کارخانۂ قدرت نظر آتا ہے کیونکہ تخیلات و جذبات کا جلوہ گاہ دل ہے۔ اس شعر کے طرزِ ادا اور جوشِ بیان کو اکبر کا شعر نہین پہونچتا - اور معنوی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہین مرجح ہے -

اکبر ؎ خلوتِ نازمین کیا شان خود آرائی ہے　　حسن خود عالم حیرت مین تماشائی ہے

شاد ؎ دیدنی تھا یہ سمان تیرے نکھرنے کی قسم　　سکتہ آئینہ کا جلوہ ترا حیرت میری

اکبر نے مطلع خوب کہا ہے الفاظ نہایت رنگین آئے ہین - ایک حسین کی فطرت مین داخل ہے کہ آرائش کے بعد اپنے حسن کا نظارہ آئینہ مین ضرور کرتا ہے - شاعر ایک ایسے پرجمال معشوق کی خود آرائی کا ذکر کر رہا ہے جو حسن و جمال مین اپنی آپ نظیر ہے - لہذا معشوق اپنی حسن و جمال کا عکس آئینہ مین دیکھکر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور آپ اپنا تماشائی بن جاتا ہے - مولانا وحید الہ آبادی نے بھی اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے ؎

ادہر آئینہ رکھا ہے ادہر وہ تن کے بیٹھے ہین　　جو اپنا دیکھنا منظور ہو کیا بنکے بیٹھے ہین

شاد نے معشوق کے آرائش کی تصویر کشی نہایت خوب کی ہے - معشوق آرائش جمال سے فارغ ہوا ہے، اسکی جلوہ پیرائی نے ایک حشر برپا کر دیا ہے کہ ایک طرف تو اسکا تماشائی محو حیرت ہے اور دوسری طرف آئینہ دم بخود ہے - اس شعر کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک ٹکڑا حسن تخیل کا آئینہ ہے - "تیرے نکھرنے کی قسم" کان لطافت کا ایک جوہر ہے - دوسرے مصرعہ کا حسن تقسیم اتنا کیف زا ہے کہ اسکے محاسن ضبط تحریر مین نہین آسکتے - ذوق سلیم خود اس سے لذت اندوز ہو سکتا ہے -

اکبر ؎ کہتے ہین فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست　　ہے اسی پردے مین پنہان آفتاب روئے دوست

شاد ؎ جو آنکھین ہون تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو　　کسی کے حسن کی شرحین لکھی ہین ان رسالون مین

اکبر کہتے ہین کہ مظاہر فطرت کے پردہ مین شاہدِ حقیقی کا حسن و جمال مستور ہے - اسی مسلہ کو شاد دلآویز انداز مین بیان کرتے ہین کہ اوراقِ گل جو اندر فطرت ہین جن مین حسنِ حقیقی کی شرحین مرقوم ہین، اگر شیدائے حقیقت ان رسالون کو غور سے دیکھے تو انوارِ معرفت کا نظارہ کر سکتا ہے - پھولون کو رسالہ قرار دینا کتنا معنی خیز ہے اور لفظ "کسی" مین کتنی بلاغت مستور ہے - شاد کا شعر اکبر کے شعر سے بہرحال بہتر ہے -

اکبر ؎ بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشان ہو کر　　چمن مین بوئے گل پھیلی ہے تیری داستان ہو کر

شاد ؎ مہک اٹھا چمن دہر کا پتہ پتہ　　راز چھپنے نہین دیتی تیری خوشبو تیرا

اکبر نے بہار کو "آئینۂ معنی نشان" قرار دیا ہے جو نہایت خوش اسلوب و بلیغ ہے - بوئے گل کے انتشار کو داستان معشوق کی تشہیر ثابت کرنا بھی کتنا دلآویز ہے - شاد کا بھی وہی مضمون ہے اور نہایت خوبی سے بندھا ہے - دوسرے مصرعہ کی ترکیب کتنی پیاری ہے - شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہے، وہ کائنات کے ذرہ ذرہ مین معشوق کی جلوہ پیرائی کا تماشا دیکھ رہے ہین - اکبر نے اسکو صرف موسم بہار تک محدود کر دیا ہے -

اکبر ؎ آج آرائشِ گیسوئے دوتا ہوتی ہے پھر میری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

شاد ؎ چشمِ سیاہ میں سرمہ دی زلفِ رسا میں شانہ کر قتل جہان کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر

اکبر کے شعر کا مضمون سامنے کا ہے اور کوئی جدت نہیں پائی جاتی۔ شاد کا شعر ایک محشرستان تخیل ہے اور اس میں جو مستی، جوش، دلآویزی، چستی، اور بلاغت پائی جاتی ہے اکبر کے شعر میں نہیں ہے۔

اکبر ؎ یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہو

شاد ؎ ہائے وہ جادو بھری آنکھیں وہ کافر چتونیں وہ بڑا مومن تھا قائم جسکا ایمان رہگیا

دونوں معشوق کے ملائک فریب معجزہ حسن کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ میرے خیال میں شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہے۔ دوسرے مصرع میں لفظ "مومن" کتنا بلیغ واقع ہوا ہے، اور خصوصاً "کافر" کے مقابلہ میں اسکا بے اختیار و برمحل استعمال نہایت کیف انگیز ہے۔

اکبر ؎ حیرت میں ختم ہوگئی انشائے زندگی حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

شاد ؎ ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اسپر اکیلی ہے ہماری روح بے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے

دونوں اشعار کا مضمون فلسفیانہ ہے جسکا نتیجہ ایک ہے۔ معنویت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ شاد نے اس فلسفہ کو رنگ تغزل میں ادا کیا ہے جس سے شعر میں زیادہ کیف پیدا ہوگیا ہے۔

اکبر ؎ امتیاز حسرت و رنج و الم جاتا رہا غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم جاتا رہا

شاد ؎ خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

دونوں اساتذہ نے فلسفہ جذبات کے مسئلوں کو نظم کیا ہے، جس میں دل کی ایک پوشیدہ اور گہری کیفیت کی تصویر کشی کی ہے اکبر کا فلسفہ یہ ہے کہ غم و الم کی کثرت دل کو غم و الم کا اتنا خوگر بنا دیتی ہے کہ اسکا احساس باقی نہیں رہتا اور رنج و الم ایک راحت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ فلسفہ جذبات کا ایک مسئلہ ہے۔ مگر اس مسئلہ کو مرزا غالب بہت قبل نہایت لطیف انداز میں نظم کر چکے ہیں ؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھپر کہ آسان ہوگئیں

اکبر کا شعر اسی شعر سے ماخوذ ہے۔ شاد قلب کی ایک دوسری کیفیت کی مصوری کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ مصائب و آلام کو ضبط کرنا اور بھی اندوہ فزا ہے۔ اس سے غم اور سنگین ہو جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی روح اندر ہی اندر تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ رنج و الم کی اس خلش کو کم کرنے کی صورت یہ ہے کہ انسان دل کھول کر رو دے تڑپے نالہ کرے۔ اس سے غم ہلکا ہو جاتا ہے اور ایک تسکین محسوس ہوتی ہے دونوں شعروں کا فلسفہ جداگانہ ہے۔ اپنی جگہ پر دونوں شعر خوب ہیں مگر اکبر کا شعر مستعار ہے اور شاد کا شعر اوریجنل۔ اس لئے شاد کے شعر کو ترجیح دینی چاہیئے۔

اکبر ؎ بہار بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی بجا ہی حیرت نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی

شاد ؎ یہاں نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ثمرہ ہی رنگ و بو کا ہنسو گے خود اس چمن میں غنچو! زمانہ آئے ذرا نمو کا

دونون شعرون مین دنیا کی بے ثباتی و عبرت پزیری کی تلقین ہے ۔ اکبر کہتے ہین کہ پھولون کی ہنسی کو دیکھکر نرگس حیرت زدہ ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ بہار چند روزہ ہے اور پھولونکا انجام ایکدن خاک ہے ۔ لہذا اپنی بہار پر مسرور ہونا عبث ہے ۔ شاد کہتے ہین کہ گلشن عالم کی عشرت کسی کو راس نہین آتی ، ابھی کم سنی کی وجہ سے غنچون کو اپنے رنگ و بو پر مسرت ہے مگر جب نمو پزیر ہونگے تو محسوس کرین گے کہ نشو ونما کا کوئی حاصل نہین ہے ، اس رنگ و بو کو آخر خاک مین ملنا ہے ۔ لہذا وہ خود بہار و باغ کے وجود پر ہنسینگے ۔ شاد کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہے مضمون تو دونون کا ایک ہے مگر بلاغت کے پہلو شاد کے شعر مین زیادہ ہین ۔ مصرعون کی ترکیب بھی نہایت مترنم و کیف زا ہے ۔

اکبر ؎ فروغ دل اب نہین ہے باقی وہ سوز و ساز اسمین اب کہان ہے
یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر بجھی ہوئی شمع کا دھوان ہے

شاد ؎ نہین مدتون سے وہ ولولہ دل زار سینہ مین جل گیا
فقط ایک ڈھیر ہے راکھ کا نہ وہ سوز ہے نہ وہ ساز ہے

میرے خیال مین اکبر کا شعر شاد کے شعر سے بہتر ہے ۔ اولاً تو اول الذکر نے اس مضمون کو مطلع مین ادا کیا ہے جس سے مصرعون مین ترنم پیدا ہو گیا ہے ۔ ثانیاً آہ و فریاد کو شمع دل کا دھوان قرار دیا ہے جس سے تخیل مین نہایت نزاکت پیدا ہو گئی ہے ۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ شمع کے بجھنے پر تھوڑی دیر تک دھوان اٹھتا ہے ۔ مضمون بہت نیچرل ہے اور تشبیہ مکمل ۔ شاد کا شعر بھی نہایت درد انگیز اور موثر ہے ۔

اکبر ؎ یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا
مین نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا

شاد ؎ اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا مین باز آیا

دونون کا مضمون فلسفۂ زندگی کے متعلق جداگانہ ہے ۔ اکبر زندگی کی ہیچ انجامی بیان کرتے ہوئے کہتے ہین کہ موت کے وقت سوائے یاس اور حرمان کے اور کچھ نہین ہے شاد کا شعر ایک وسیع تخیل پیش کرتا ہے ۔ وہ کہتے ہین کہ ایک عمر طویل گزارنے پر بھی نہ نصب العین حیات کی تکمیل ہوئی اور نہ زندگی کو بہتر و مفید اسلوب مین صرف کرنے کا سلیقہ آیا ، لہذا ایسی ہستی سے دل بیزار ہے اور اس سے پناہ مانگتا ہے ۔ اس شعر سے اکبر کے شعر کو کوئی نسبت نہین ۔ یہ حسن تغزل کا بہترین نمونہ اور جوش و اثر اور تمام محاسن شعری کا گنجینہ ہے ۔

اکبر ؎ سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہیگا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

شاد ؎ جسم خاکی کے تعلق نے گرانبار کیا
کاش مین راہ مین تیری تن تنہا ہوتا

محبت ایک لطیف و مجرد جوہر ہے جو انسان کے آئینۂ دل مین ودیعت کیا گیا ہے اس کی مدد سے روح ذات واجب الوجود سے مواصلت کی کوشش کرتی ہے ۔ مگر اس کیلئے ضرورت ہے کہ انسان ہوش و خرد ، جسم و مادہ وغیرہ سے تمامتر بیگانہ ہو جائے کیونکہ عالم روحانیات مین ان مادی چیزونکا وجود راہ ترقی مین سد راہ ہے ۔ اس مسئلہ کو دونون نے نظم کیا ہے ۔ اکبر کہتے ہین کہ ہوش و خرد راہ عشق مین سالک کیلئے سد راہ ہین ۔ شاد کہتے ہین کہ روح جسم سے منزہ ہوتی تو راہ محبت با سانی طے کر لیتی مگر چونکہ جسم خاکی بھی روح سے وابستہ ہے اسلئے ہزارہا علائق دنیوی کا سامنا ہے اور منزل حقیقت تک رسائی نہین ہوتی ۔ معنویت کے لحاظ سے شاد کے شعر کو ترجیح ہے کیونکہ " سالک راہ محبت " کی تکمیل نصب العین مین صرف ہوش و خرد ہی نہین بلکہ اسکا سراپا مادی وجود ہی رخنہ انداز ہے ۔

اکبر ؎ اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن　　ہر روز یہ کہدیتے ہو اب اور کسی دن

شاد ؎ بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے　　تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

دونون شعرون کی صفائی زبان، انداز بیان، خوبی بندش چستی ترکیب نہایت دلآویز ہے، او میرے خیال مین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل نظر آتا ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو شاد کا شعر زیادہ پرمعنی و تخیل ہے۔ اکبر صرف معشوق کی وعدہ خلافی کے شاکی ہین۔ شاد کے شعر سے ایک دنیائے تخیل سامنے آجاتی ہے خصوصًا اسکا دوسرا مصرعہ غضب کا ہے۔

اکبر ؎ اس گلستان مین بہت کلیان مجھے تڑپا گیئن　　کیون گلی تھین شاخ مین کیون بے کھلے مرجھا گیئن

شاد ؎ آئی کس شوق سے اور باغ مین پھولی نہ پھلی　　اے کلی کیون نہو صدمہ ترے مرجھانے کا

ان شعرون کا ماخذ ذوق کا یہ مصرعہ ہے ؎

حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

بہرکیف مضمون کے لحاظ سے دونون شعر اپنے انداز بیان مین قابل داد ہین۔ اکبر کا مضمون چونکہ مطلع مین ادا ہوا ہے اسلئے زیادہ مترنم، کیف زا اور موثر ہے۔

اکبر ؎ نشتر لگائے جا تو اے رنج نا امیدی　　دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوش خون کی

شاد ؎ یونہی رہ رہ کے تو اے نا امیدی دل کو چھیڑے جا　　یہی مہمیز رخش عمر کو چالاک کرتی ہے

اکبر کے شعر مین نا امیدی سے استدعا کی گئی ہے کہ دل سودا زدہ مین اتنی نشتر زنی کرے کہ جوش خون بالکل زائل ہو جائے اسمین کوئی ولولہ وہنگامہ اور جنون وسودا باقی نہ رہے، اور اطمینان وسکون حاصل ہو جائے۔ شاد کہتے ہین کہ نا امیدی کی چھیڑ دل کیلئے نہایت امید افزا ہے کیونکہ اسی مہمیز سے توسن عمر تیز گام ہو جاتا ہے۔ شاد کے دونون مصرعے باہم نہایت متوازن ومتقابل ہین، مفہوم پاکیزہ ہے۔ تخیل مین جدت ہے، ترکیب پرجوش وپراثر ہے۔ اکبر کا شعر بھی خوب ہے۔

اکبر ؎ دل شکستہ ہون مگر دل مین خدا کا نور ہے　　یہ وہ ویرانہ ہے روشن جسمین شمع طور ہے

شاد ؎ سراپا سوز ہے اے دل سراپا نور ہو جانا　　اگر جلنا تو جلکر جلوہ گاہ طور ہو جانا

دونون شعرون کا مطلب قریب قریب ایک ہے فرق صرف طرز بیان کا ہے۔ دونون شعر اپنی جگہ پر اچھے ہین۔ اکبر کہتے ہین خانۂ دل کی تخریب کے بعد جلوۂ الٰہی اس مین جلوہ گر ہوتا ہے شاد دل کو ہدایت کرتے ہین کہ آتش عشق مین جلنے کا نتیجہ نور مجسم ہو جانا ہے لہذا اگر جلنا ہے تو کوہ طور کی طرح جل تاکہ انوار الٰہی نور فشان ہو۔ شاد کے شعر مین دل کا "سراپا سوز" ہوکر "سراپا نور" ہو جانا بہت نیچرل ہے۔

اکبر ؎ اگرچہ دل کو ہے سودا اسے برا نہ کہو کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلہ اس کا

شاد ؎ واعظ بتون کو تونے کہا اہل زور تک　　اے بیخبر یہ بات پہونچتی ہے دور تک

دونون شعر خوب ہین۔ اکبر کے شعر مین رعایت لفظی کا لطف ہے یعنی سودا، زلف، سلسلہ۔ مفہوم بھی پاکیزہ ہے۔ شاد

کے شعر میں خوبی بیان، اور صفائی زبان کا لطف ہے۔ اور ایک نازک کنایہ اسمیں موجود ہے۔ وہ یہ کہ خود شاد نے ایک جگہ بتون کے حسن کے متعلق کہا ہو کہ "یہ حسن حسن حقیقی کا استعارہ ہے" پس بتون کی برائی کرنا خدا کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔

اکبر ؎ یہ سوز داغ دل یہ شدت رنج والم کبتک		ہماری ہی لئے یہ جور گردون ہو تو ہم کبتک
شاد ؎ بڑھی جاتے ہیں دکھ یہ عمر جون جون گھٹتی جاتی ہے		مگر مین سوچکر خوش ہون کہ بیڑی کٹتی جاتی ہے

اکبر کہتے ہیں کہ اگر دنیا مین شدید مصائب وآلام کا سامنا ہے اور پیر فلک میرے ہی ستانے پر کمر بستہ ہے تو اسکا غم بے سود ہے کیونکہ آخر میری زندگی ایکدن ختم ہو جائیگی اور تکالیف دنیاوی سے نجات ابدی حاصل ہوگی۔ شاد کہتے ہین کہ جیسے جیسے عمر کم ہوتی ہے مصائب زندگی اور زیادہ ہوتے جاتے ہین، مگر مجھے اسکا مطلق غم نہین بلکہ اطمینان ومسرت ہے کیونکہ اب عمر آخر ہے اور بہت جلد رنج والم کی بیڑی کٹنے والی ہے۔ مفہوم دونون شعرون کا ایک ہی مگر شاد کا شعر زیادہ دلآویز اور کیف زا ہے، انداز بیان بھی نہایت پسندیدہ ہے۔ اکبر کا شعر بھی خوب ہے اور تاثیر سے لبریز ہے۔

اکبر ؎ سینہ کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا		اچھا ہوا مزا تو محبت کا مل گیا
شاد ؎ یونہی راتون کو تڑپینگے یونہی جان اپنی کھوئینگے		تری مرضی نہین اے درد دل اچھا نہ سوئینگے

مضمون دونون شعرون کا بالکل جداگانہ ہے مگر چونکہ دونون کا تعلق جذبات سے ہے اور طرز بیان وخوبی زبان کا لطف دونون مین تقریبًا یکسان ہے لہذا موازنہ کیلئے مین نے انہین منتخب کرلیا ہے۔ اکبر کے شعر مین الم دوستی وایذا طلبی کا مضمون ہے۔ دوسرے مصرعہ کی برجستگی نہایت پرکیف ہے۔ شاد کا شعر محاسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے۔ اس بات کو کہ "درد دل کے ہاتھون خواب وآرام حرام ہے" کس پرکیف وپرجوش انداز مین بیان کرتے ہین۔ میر کے نشتر کی کیفیت اس شعر مین بدرجۂ اتم موجود ہے۔

اکبر ؎ زندہ ہون مگر زیست کی لذت نہین باقی		ہرچند کہ ہون ہوش مین ہشیار نہین ہون
شاد ؎ پیری مین امنگین وہ نہین جوش نہین ہے		آپ اپنے کو سمجھون مجھے یہ ہوش نہین ہے

دونون شعر اپنے انداز مین خوب ہین۔ مگر گو اور محاسن شعری دونون مین تقریبًا یکسان ہین تاہم شاد کا مصرعۂ ثانی نہایت برجستہ وبے ساختہ، پرجوش وپراثر ہے۔ یون بھی انکا شعر بہر نوع جذبات سے لبریز ہے۔

اکبر ؎ امید دل مین نہین سانس ہے سینہ مین		مجھے تو اب کوئی لذت نہین ہے جینے مین
شاد ؎ سمجھ رہا ہون کہ ہر سانس ہو اخیر کی سانس		یہ کون جینے مین جینا ہے دم شماری ہے

میرے خیال مین دونون شعر جذبات وکیفیات پیرانہ سالی کا آئینہ ہین، اور حسن تغزل کا عمدہ نمونہ ہین۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔ مگر اکبر کا مضمون چونکہ مطلع مین ادا ہوا ہے اسلئے شعر مین ترنم وکیف زیادہ پیدا ہو گیا ہے۔

اکبر ؎ علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے		دور انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے
شاد ؎ سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی		نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

دونون شعرون مین جو فرق شعری ومعنوی ہین ارباب نظر سے پوشیدہ نہین۔ صاف ظاہر ہے کہ شاد کے شعر مین جو تاثیر وجوش،

حقائق و اسرار، اور حسن تخیل موجود ہے اکبر کے شعر مین نہین ۔ اکبر کے شعر کا مطمح نظر شاد سے جداگانہ ہے ۔ وہ دراصل دنیا کے انقلاب و فنا کا ذکر کر رہے ہین ۔ شاد کا شعر ایک وسیع تخیل پیش کرتا ہے اور حسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے ۔

اکبر ؎ تمہین اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر — بہت نزدیک ہے وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے
شاد ؎ اجل سلا دیگی سبکو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر — نہ ہم رہینگے نہ تم رہوگے نہ شاد یہ داستان رہیگی

اکبر انقلاب دہر سے تنگ آکر دل کو تسکین دیتے ہین کہ اسکا غم کرنا بے سود ہے کیونکہ بہت جلد زندگی ختم ہونے والی ہے اور اس مدح فرسا ہنگاموں کے نظارے سے نجات ملنے والی ہے ۔ شاد دنیا کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہین کہ حیات انسان اور اسکے تمام لوازمات کو ایکدن فنا ہونا ہے اور ہر فرد کو موت کی گہری نیند سونا ہے ۔ شاد کے شعر کا انداز بیان نہایت دلآویز ہے ۔ فنا ہونے کو کس لطیف پیرایہ مین بیان کرتے ہین کہ ۔۔
"اجل سلا دیگی سبکو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر"۔

اکبر ؎ حسن بت یہ ہے تو اب یاد خدا کی نہین خیر — یہ ادا ہے تو نمازون کی قضا آئی ہے
شاد ؎ اسکو جانے لگا مسجد کی طرف وہ کافر — گر یہ سچ ہے تو شہادت ہے مسلمانونکی

اکبر کے دونون مصرعون کا تناسب و تقابل خوب ہے اور "ادا" کو "نمازون کی قضا" کا ذمہ دار ٹھہرانا نہایت پرلطف ہے ۔ شاد کا شعر بھی نہایت خوب ہے ۔ "مسجد"، "کافر"، "شہادت" اور "مسلمانون" کی رعایت لفظی نہایت پرلطف ہے ۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دی جا سکتی ۔

اکبر ؎ عجب فتنہ خرام ناز کی تاآل سے اٹھتا ہے — سنبھلتا ہی نہین دامن قدم مشکل سے اٹھتا ہے
شاد ؎ خرام ناز مین ڈورا یہی کہتا ہے گردن کا — نہین اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا

اکبر کا شعر نہایت متانہ اور شاندار ہے ۔ الفاظ کی نشست، فقرون کا دروبست، اتنا خوش اسلوب و پرکیف ہے کہ تعریف نہین ہوسکتی ۔ شاد کا شعر بھی اسکے مقابلہ مین کچھ کم پرلطف نہین ہے ۔ گردن کے ڈورے کا زبان حال سے یہ کہنا کہ "نہین اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا" کیف اندوز ہے ۔

اکبر ؎ اٹھتی ہین تجھسے یہ آہین دل ناشاد عبث — سننے والا نہین کوئی تو ہی فریاد عبث
شاد ؎ کس سے تاراجی گلزار کی فریادی ہے — مفت اے باد صبا وقت کی بربادی ہے

اکبر کے شعر کا مضمون معمولی ہے ۔ شاد کے شعر مین ایک وسیع معنی پوشیدہ ہین ۔ اسکا زور بیان چبھتی ترکیب، مصرعون کی بے ساختگی، بے حد پرجوش و پرتاثیر ہے ۔

اکبر ؎ سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ — ہو یہی وقت کہ بس آپ مین انسان نہ رہے
شاد ؎ جلوۂ حسن خدا ساز ستم ڈھاتا ہے — کیا کہین دیکھ کے انسان سے رہا جاتا ہے

دونون شعرون مین حسن کی کرشمہ زائیون اور عشوہ طرازیون کے بے پناہ اثرات کا بیان ہے ۔ میرے خیال مین دونون شعر اپنی

اپنی جگہ پر قابل داد ہین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی مشکل ہے ۔

مذکورۂ بالا اشعار کو باہم موازنہ کرنے پر نظر آئیگا کہ بعض مضمون کو خوش اسلوبی سے باندھنے مین دونون اساتذہ دوش بدوش ہین بعض شعرون مین اکبر کی فوقیت نظر آئیگی، لیکن اکثر اشعار مین مولانا شاد کی چستی ترکیب، حسن بندش، زور بیان، جدت تخیل، جوش واثر علانیہ ممتاز نظر آئیگا۔ حقیقت یہی ہے کہ شاد کا رنگ تغزل اتنا دلکش ہو کہ ہر قسم کا مضمون انکے طرز ادا اور انداز بیان کے سانچے مین ڈھل کر بے حد دلآویز اور بتمام محاسن شعری سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ اکبر کی غزلون مین بھی جا بجا حسن تخیل، انفشا رجذبات اسالیب بلاغت، جوش بیان، خیالات عالیہ، بلندی مضامین وغیرہ پائے جاتے ہین۔ لیکن اگر تغزل محض کے نقطۂ نظر سے دونون اساتذہ کے کلام پر نگاہ تنقید ڈالی جائے تو صاف نظر آئیگا کہ شاد کی نگاہ دور بین جن جذبات وخیالات عالیہ کے نکات تک پہونچتی ہے اکبر کے تخیل کی وہان تک رسائی نہین۔ صرف اکبر پر کیا منحصر ہے مین بلاخوف تردید کہہ سکتا ہون کہ موجودہ دور مین کوئی شاعر رنگ تغزل مین مولانا شاد کا حریف نہین اور غزلیت کا یہ نمونہ نہین پیش کر سکتا۔ شاد کے محاسن کلام پر بحث کرنے کیلئے یہ مختصر مضمون کافی نہین۔ مین دو ہمطرح غزلین دونون اساتذہ کے کلام پر درج کرتا ہون۔ اب ارباب نظر خود دیکھ لین کہ من حیثیت خیالات وجذبات اکبر کو شاد سے کیا نسبت ہے۔

اکبر	شاد
یہ ابر زلف یہ برق نظر معاذ اللہ	وہ چشم مست وہ ترچھی نظر معاذ اللہ
اگرچہ سین ہے دلکش مگر معاذ اللہ	حیا ہزار بھری ہے مگر معاذ اللہ
طلسم حسن بتان کے نہ پوچھئے احوال	وہ رخ صبیح وہ کافر نگاہ توبہ ہے
دہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ	وہ کاکلین وہ لچکتی کمر معاذ اللہ
جناب شیخ پھر آخر بسر کردن کیونکر	چھپ کے پیتے ہین کیا انکا راز پوچھتے ہو
جدھر اٹھاتا ہون آنکھین اُدھر معاذ اللہ	ادھر زبان پہ حنا اُدھر معاذ اللہ
جو منہ لگائے وہ بت شیخ بھی پڑہین الحمد	جنون کے کھولدئے منہ نہ ہو کرم ساقی
یہ دور ہی سے ہے بس اسقدر معاذ اللہ	مین پی تو لونگا مگر اسقدر معاذ اللہ
مین کیا کہون شب فرقت مین مجھ پہ کیا گذری	اُدھر اذان کی صدا انکی اسطرف رخصت
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ	خدا دکھائے نہ ایسی سحر معاذ اللہ
بتون کے عشق مین کیا کچھ نہین کیا مینے	دلون مین زخم تو سینون مین پڑ گئے ناسور
بہت رہی ہے لب شیخ پر معاذ اللہ	جناب شیخ کا وعظ الحذر معاذ اللہ

اکبر	شاد
×	فلک سحاب کی مشکون مین بھر کے رکھ پانی
×	ہمارے نالۂ دل کے شرر معاذ اللہ
×	مریض ہجر سے قاصد پیام یاس نہ کہہ
×	کہان وہ شوق کہان یہ خبر معاذ اللہ
×	کہان اتار دیا تونے اپنے مہمان کو
×	نہین وہ تار بھیانک وہ گھر معاذ اللہ
×	طریق عشق کی منزل تو ایک رستے لاکھ
×	قدم قدم پہ بھٹکنے کا ڈر معاذ اللہ
فریب چشم ہے خوان جہان کا رنگ اکبر	تمہین ہے شاد سی شاعری پہ اپنی ناز
مزا زبان کا فتنہ اثر معاذ اللہ	حسد کی جڑ ہے تمہارا ہنر معاذ اللہ

وصل جانان کی دل زار کو حسرت ہی رہی - پر میسر نہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی - تھا یہ قسمت کا لکھا
تم نے جو بات کہی مین نے دل و جان سے وہ کی - نکیا عذر کبھی
تمکو اسپر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی - یہ صلا خدمت کا ملا
چشم تر چشمہ ہے اشکون کی بہی موجین نکلین - ٹھنڈی سانسین بھی بھر
آتش غم کی مگر دل مین حرارت ہی رہی - نہ ہوا فرق ذرا

دل تو اک عمر سے بدنام ہی کیا اسکا گلا - کہتے آتی ہے حیا
یہ امیدین یہ تمنا جنہین برسون پالا - یہ کب اپنی ہین بھلا
وہ تری کج روشی کج کلہی کینہ وری - دلبری عشوہ گری
کون غش کھاکے سرراہ گرا کون موا - پھر کے دیکھا نہ ذرا
بان مارا تری آنکھون نے جو کی پھر کے نگاہ - نہ ملی دلکو پناہ
یار کیا قہر ہے جلتا ہوا جادو تیرا - لاکھ روکا نہ رکا

کھائین سو مرتبہ قسمین کہ ہون عاشق تجھپر - نہین اورون پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی - صاف مجھسے نہوا
ایک تم ہو کہ ہزارون ہی کئے مجھ پہ ستم - ملکے غیرون سے بہم
ایک مین ہون کہ مجھے تمسے محبت ہی رہی - کبھی شکوہ نہ کیا
دشمنون نے تو بہت بات بنائی جاکر - کہ وہ بگڑین مجھپر

رت بھری ساری ہری ڈالون مین پھوٹی کوپل - آگئے پھولین پھل
اک یہ اجڑا ہوا دل ہے کہ نہ پھولا نہ پھلا - اور سوکھا ہی کیا
کالی کالی وہ گھٹائین وہ پپیہون کی پکار - دھیمی دھیمی وہ پھوار
اب کے ساون بھی ہمارا یونہی رونے مین کٹا - کیا کہین چپکے سوا
بوسہ لینے کا مری خاک کو بھی ہے ارمان تنا ہا گھٹنے کی کمان

حال پر میرے مگر انکی عنایت ہی رہی - کچھ کسی سے نہ ہوا
ہو تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا - رحم دل مین ذرا
منتین کرتے رہے ہم تمہین وحشت ہی رہی پاس بیٹھے نہ ذرا
منزل گور مین تنہا مجھے سب چھوڑ چلے - اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو مگر اسکی عنایت ہی رہی - اور کوئی نہ رہا

جامہ زیبی کا بھلا او صنم تنگ قبا - کچھ تو دامن کو جھٹکا
فتنہ خو آفت جان سنگدل آشوب جہان دشمن امن و امان
سرور کجکلہان خسرو اقلیم جفا - بانی مکر و دغا
رس بھری ہائے وہ آنکھین تری کالی کالی - بے پئے متوالی
سانولا رنگ نمک ریز جراحات جفا - آفت کہان دھیان گیا
دیکھنا تیر اکنکھیون سے ہو آڑی برچھی - یار اسکی نہ سہی
کب کو گنتی میں ہے وہ گھاؤ جو اوچھا سا لگا - پھر کے پھر دیکھ ذرا

ہمنشین اٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبر - تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی - کیا ہی جینے کا مزا

آنکھین روئی ہوئی آواز ہے بھرائی ہوئی - باتین شرمائی ہوئی
اس سے تو اور کسی بھید کا ملتا ہے پتہ - شاد تمین تو نہ کہا

دونون غزلون کے مطالعہ سے ہر اہل ذوق سمجھ سکتا ہے کہ مولانا شاد کے رنگ تغزل مین جو جوش بیان، صداقت جذبات حسن تخیل، بلندی مضامین، سوز و گداز، وغیرہ پائے جاتے ہین اور جو غزلیات کی جان ہین - اکبر کی غزلون مین قطعاً مفقود ہین - مستزاد مذکورہ کو دیکھ لیجئے، اس مین جو محشر خیالات و طوفان جذبات و تلاطم کیفیات پوشیدہ ہین اردو زبان کے کسی مستزاد مین نظر نہین آتے - مولانا شاد کے رنگ تغزل کے متعلق انہین کا ایک شعر نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہون ؎

نمک ہو فارسی کا درد ہندی شاعری کا ہے
یہ اردوے معلیٰ نکتہ سنجان عجم دیکھین -

سید شاہ ولی الرحمن ولی - بی - اے - کاکوی

ہندوستان کی معاشی زندگی

معاشی انسان | قبل اسکے کہ ہم نفس مضمون سے بحث کرین معاشی انسان کی مختصر سی تعریف کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے - معاشی انسان سے مراد کاروباری انسان ہے یعنی یہ کہ وہ لین دین اور تجارتی کامون مین بیجا رعایت نہ کرے اور اپنے کام کی انجام دہی مین غفلت سے کام نہ لے۔

مشرق ومغرب کا معاشی انسان | اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ ہندوستانی معاشی انسان ہین یا نہین - غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین معاشی انسان بہت کم ہین - اور یورپ مین انکی کثرت ہے ہندوستانی اور یوریپن کے مزاج مین زمین آسمان کا فرق ہے - اول الذکر مین اور باتون کا توکیا ذکر کاروبار مین بھی رعایت روا رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات تو دوسرون کے خیال سے اپنا نقصان تک کرلیتے ہین - انکے برعکس یورپین اپنے اصول کے بہت سخت ہین انکے یہان کاروبار مین کسی کی رعایت نہین ہوتی، وہ "حساب جو جو" کے مقولے پر عمل کرتے ہین اور اپنے وقت کے ہر لمحہ سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش مین لگے رہتے ہین - ہندوستانیون مین کاہلی، دولت کی طرف سے قناعت اور مروت کیوجہ سے وقت کی بہت کم قدر ہے - وقت کی طرف سے اسقدر لاپروائی دیکھکر ایک امریکن نے یہ ریمارک کیا کہ "ہندوستان کا دن بجائے چوبیس گھنٹون کے دوسو چوبیس گھنٹونکا اور سال بجائے تین سو پینسٹھ دن کے تین ہزار پینسٹھ دنکا ہوتا ہے"

اسکے علاوہ ہندوستانی کچھ تو قدرتی اسباب یعنی آب وہوا کی ناموافقت موسم کی جلد جلد تبدیلی گرمی کی شدت اور آئے دن کی بیماریون پلیگ ہیضہ اور ملیریا سے کمزور ہوتے ہی ہین اسپر "موے پر سو درے" یہ کہ محنتی بھی کم ہوتے ہین - اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ مزدورون کے اضافۂ اجرت کا کیا نتیجہ ہوگا تو یقینًا وہ یہی جواب دیگا کہ انکی حالت درست ہوجائیگی اور ان کے کام مین ترقی ہوگی مگر بدقسمتی سے ہندوستان مین ہمیشہ یہ صورت پیدا نہین ہوتی یہان بہت سے بداندیش ایسے بھی ہین جو اپنی زیادتی اجرت بجائے اچھے کامون مین صرف کرنے کے لغویات مین صرف کردیتے ہین اسکے علاوہ ایک حالت اور بھی نمودار ہوتی ہے جسکا وجود سوائے ہندوستان کے کسی دوسری جگہ مشکل سے ملیگا یعنی بعض مزدور ایسے بھی ہوتے ہین کہ جب انکی اجرت مین اضافہ ہوتا ہے تو بجائے اسکے کہ وہ اس فاضل اجرت کو اپنی اضافہ کارکردگی مین صرف کرین اور زیادہ اجرت کے لالچ سے زیادہ محنت کرین وہ ایسا نہین کرتے بلکہ اپنے کام مین کمی کردیتے ہین اور بجائے آٹھ روز کام کرنے کے صرف چھ یا سات روز کام کرتے ہین اور زیادہ آرام لینے لگتے ہین، برخلاف اسکے اگر ہم یورپ کے کھیتی اور کروبتی کی زندگی پر نظر کرتے ہین تو معلوم ہوگا کہ انمین سے ہر ایک روزانہ جتنی محنت کرتا ہے اتنے گھنٹے ہمارے یہانکا معمولی مزدور بھی نہین کرتا - ان مین سے ہر ایک عمومًا چودہ اور پندرہ گھنٹے روزانہ کام کرتا ہے جتنی زیادہ دولت پیدا ہوتی ہے اتنی ہی انکی خواہش اور بڑھتی ہے اور وہ اور زیادہ دولت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین - باشندگان یورپ مادی ترقی کے دلدادہ ہین اور ہندوستانی اسکے برعکس یعنی جب یہ کچھ دولت جمع کرلیتے ہین تو پھر تکلیف اٹھا کر اور محنت کرکے دولت حاصل کرنی نہین چاہتے بلکہ اسی پر قناعت کرلیتے ہین

محنت کی منتقلی | ہندوستانی اور یوریپی زندگی مین ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ یورپ مین محنت منتقل ہونے والی چیز سمجھی جاتی ہے اور ہے اس سے ہندوستانیون کو کوئی تعلق نہین - یہان محنت گویا نقل پزیر نہین ہے (واضح ہو کہ محنت سے مراد نہ صرف محنت ہے بلکہ اصطلاحًا مزدورون کی

جماعت بھی مراد ہے) اسکی ایک بڑی وجہ طبائع اور خیالات کا اختلاف ہے - یورپی مزدور کو جہان کہین مادی فائدہ نظر آتا ہے منتقل ہو جاتا ہے مگر ہندوستانی مین ایسا نہین یہان کے مزدور بہت قدامت پسند ہین یہ اپنا گھر بار عزیز و اقارب - بال بچے اور کھیتی باڑی چھوڑکر دوسری جگہ جانا نہین چاہتے - اب ان طبائع کا کسی ملک کی پیدائش دولت پر جسقدر گہرا اثر پڑتا ہے اسکے بیان کی ضرورت نہین - اس اختلاف طبائع کی وجہ سے کاروبار مین جسقدر دقتین اور سہولتین پیدا ہو جاتی ہین انسے ہر شخص واقف ہے - ایک طرف تو محنت کی نقل تیزی سے کاروبار مین معاشی توازن پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف عدم منتقلی سے پیدائش دولت مین سخت رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جہان کام ہوتا ہے وہان مزدور نہین اور جہان مزدور ہین وہان کام نہین -

طریق اُجرت ان دونون کی زندگی کا ایک تیسرا فرق یہ ہے کہ دونون کے ہان طریق اجرت مختلف ہے بسلسلہ اجرت مین یہ بات فرض کرلی گئی ہے کہ ہر شخص اپنی کارکردگی کے لحاظ سے پوری پوری اُجرت وصول کرلیتا ہے مگر ہندوستان کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہان کی اجرت بہت کچھ پرانے طریقے پر رسم و رواج کے تابع چلی آرہی ہے - یہان ہر شخص اپنی کارکردگی کے لحاظ سے پوری پوری اجرت وصول نہین کرتا وہ اجرت مین صرف مادی چیز کو مدنظر نہین رکھتا بلکہ بہت سے کامون مین اُجرت کے علاوہ آخرت کا بھی خیال کرتا ہے ایسی صورت مین اگر یہان کی اجرت کا حساب کرکے یہان کارکردگی کے متعلق خیال کرلیا جائے تو یہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ یہانکی کارکردگی کا صحیح معیار اُجرت نہین ہے - ہندوستان مین اسوقت بھی بڑے بڑے قابل موجود ہین جنکی قابلیت کا اندازہ اگر انکی اُجرت کے لحاظ سے کیا جائے تو وہ بالکل معمولی نظر آئین گے

رسم و رواج ہندوستان اور یورپ کے رسم و رواج مین بھی بڑا فرق ہے جو پیدائش اور صرف دولت پر اپنا مفید یا مضر اثر ڈالے بغیر نہین رہتے یورپ مین نہ نرالے رسم و رواج ہین اور نہ یہان کی سی ذات بندی جس کی وجہ سے ہر شخص اختیار پیشہ مین آزاد ہے اور اسلیئے پیدائش دولت مین خاطر خواہ ترقی ہوتی ہے - برخلاف اسکے ہندوستان رسم و رواج اور ذات پات کی بندشون سے جکڑا ہوا ہے ذات بندی کی وجہ سے بہت سے پیشے والے دوسرا پیشہ اختیار نہین کرسکتے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کام مین مزدور ضرورت سے زیادہ ہو جاتے ہین اور بعض مین بہت کم رہتے ہین غرض یہ دونون صورتین پیدائش دولت کیلئے نقصان دہ ہین رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے گو انکے پاس دولت نہ ہو مگر شادی بیاہ مین قرض لیکر خوب رنگ رلیان مچائین گے خواہ اسمین تباہ ہی کیون نہ ہو جائین -

معیار زندگی جس طرح ہندوستان اور یورپ کے طریق اُجرت مین فرق ہے اور ہم ہندوستان کی اُجرت کو دیکھ کر یہان کی کارکردگی کا صحیح اندازہ نہین لگا سکتے اسی طرح ہندوستان اور یورپ کے معیار زندگی مین بھی فرق ہے اور ہم یہان کے معیار زندگی کو دیکھکر یہان کی کارکردگی اور دولت کا صحیح اندازہ نہین کرسکتے - یورپ کا معیار زندگی بنسبت ہندوستان کے بہت اعلیٰ ہے یورپ مین ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنا معیار زندگی رکھتا ہے مگر ہندوستان مین باوجود اعلیٰ کارکردگی موجود ہونے کے معیار کی بلندی کا خیال نہین اگر ہم مدراس اور میسور کی معیار زندگی پر نظر ڈالین تو معلوم ہوگا کہ یہان کا معیار زندگی کسقدر گرا ہوا ہے مدراس مین بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج تک عموماً جوتا نہین پہنتے کپڑے بہت معمولی ہوتے ہین انکے مکانات بھی کچھ شاندار نہین ہوتے - میسور کی بھی یہی حالت ہے یہان کے بڑے بڑے لوگ معمولی زندگی بسر کرتے ہین خود وزیر ریاست نہایت سادہ مکان مین سادی وضع سے رہتے ہین -

سرمایہ یورپ مین سرمایہ کی جسقدر بہتات ہے وہ وہانکی کاروباری ترقی اور مختلف قسم کے عظیم الشان کارخانون سے ظاہر ہے اسکے برخلاف

ہندوستان مین سرمایہ کی کمی کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے جبکہ ریلوے جاری کرنے کی ضرورت ہوئی تو اسکے لئے سرمایہ کا بہت بڑا حصہ انگلستان نے فراہم کیا اب بھی ہندوستان مین جو بڑے بڑے کارخانے ہین وہ عموماً یورپین سرمایہ کے ہین۔ آجکل بھی ہندوستان مین صنعتی ترقی کیلئے یہی رونا ہے کہ یہان سرمایہ نہین۔ ہندوستانی اپنی دولت کو سرمایہ بنانے کے عادی نہین یورپ مین دولت کی زیادتی کے ساتھ ہی ساتھ وہانکے لوگ اسکو سرمایہ بنانے کے عادی ہین اس فرق کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپنے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور بیچارہ ہندوستانی تباہ حالت مین پڑا ہے یہ زمانہ "زمانہ سرمایہ" کہلاتا ہے اور بغیر اسکے ترقی محال ہے۔

تنظیم یہ امر ہر شخص پر بخوبی روشن ہے کہ کسی چیز کی ترقی و تنزل مین تنظیم کی بھلائی اور برائی کو کسقدر دخل ہے۔ دور کیون جائین اگر ہم اپنے ہی رشتہ دارون اور گھرون پر نظر ڈالین تو معلوم ہوگا کہ جنمین انتظامی قابلیت زیادہ ہے وہ دوسرون سے کم خرچ مین اپنی زندگی زیادہ آسائش سے گذارتے ہین۔ یہی حال دیگر کاروبار کارخانون اور بنکون کا ہے بلکہ وہان تو کاروبار کی ترقی اور تباہی کا دارومدار مہتمم کی بھلائی اور برائی پر ہے۔ اگر کارخانہ کا منیجر ہوشیار ہے اور حالات بھی مساعد ہین تو کارخانے کو پھلتے پھولتے کچھ دیر نہین لگتی، اگر بدقسمتی سے منیجر خراب ہوا تو کارخانے کا نقصان ایک بدیہی امر ہے یورپ مین تنظیمی مادہ بدرجۂ اتم موجود ہے برخلاف اسکے ہندوستان مین گویا نام کو نہین کسقدر شرمناک امر ہے کہ جب ہندوستان مین کسی بڑے کارخانے یا بنک کے منیجر کی ضرورت ہوتی ہے تو یورپین کو بڑی بڑی تنخواہ دیکر بلانا پڑتا ہے۔ اگر ہندوستان مین اس قابلیت کے آدمی مل جائین تو زیادتی اُجرت کی وجہ سے کارخانہ کا جو نقصان ہوتا ہے وہ نہ ہو دوسرے ملک کی دولت ملک ہی مین رہے۔ یورپ مین آجرون اور بنک کے منیجرون کا کام ایک بہت اہم فن خیال کیا جاتا ہے اور وہان اسکی باضابطہ تعلیم دیجاتی ہے۔ یورپکے کاروباری ترقی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہان آجر اور منیجر آسانی سے مل جاتے ہین۔ اب ہندوستانی بھی اسکی طرف توجہ کر رہے ہین اور اس شعبے مین پارسی پیش پیش نظر آتے ہین۔ ہندوستان مین تنظیم کی خرابی اور گرانی کی وجہ سے یہان کے کاروبار کی حالت خراب ہے اور پیدائش دولت کی ترقی مین اس سے بہت رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔

خواہش مسابقت ہم مین اور ان مین نہ صرف طبعی اختلاف ہے بلکہ نصب العین کا بھی فرق ہے وہ مادی ترقی اور ذاتی منفعت کے دلدادہ ہین اور ہم اسکے خلاف کاروبار اور تجارت کی ترقی کیلئے مقابلہ کی خواہش ایک ضروری چیز ہے۔ بغیر اسکے تجارت پھل پھول نہین سکتی۔ طبائع مین مقابلہ کی خواہش نہ ہونے سے تجارتی اصولون مین خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک ہی شہر مین ایک ہی چیز کے مختلف بازار ہوسکتے ہین۔ یورپ مین ایسا نہین ہے وہان خواہش مسابقت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

یورپ کا قانون وراثت ہماری اور انکی پیدائش دولت مین نہ صرف مدارج بلکہ نوعیت کا بھی فرق ہے ہمارے یہان تفریق کم ہے اور توسیع زیادہ۔ انکے یہان مرکزیت کا زیادہ خیال ہے تو ہمارے یہان لامرکزیت کا۔ یورپ کا قانون وراثت بھی اسی قسم کا ہے یعنی باپ کی جائداد اور خطاب کا تنہا مالک بڑا لڑکا ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ہندوؤنکے یہان قانون اشتراک ہے جسکی رو سے خاندانی جائداد مین خاندان کا ہر فرد حصہ دار ہے گرچہ ہر دو قوانین مین کچھ نہ کچھ فائدے ہین مگر اب بجائے فائدے کے نقصان کا رنگ غالب ہوتا جا رہا ہے۔ یورپ کے قانون وراثت مین یہ فائدہ بتایا جاتا ہے کہ باپ کی جائداد کا ایک شخص مالک ہونے سے جائداد چھوٹے چھوٹے ٹکڑون مین تقسیم ہونے نہین پاتی اور ایک جگہ بڑی جائداد رہنے سے اسمین آسانی سے ترقی ہوسکتی ہے اور دولت بہت جلد بڑھتی ہے۔ اگر جائداد مختلف لوگون مین بانٹ دی جائے تو دولت کے

فلسفۂ مسرت

شمالی ہندوستان کے اندر گذشتہ دو تین سال میں جو عجیب و غریب قصے مشہور ہوئے ہیں اُنمیں سے ایک کی بابت تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ فرخ نگر کے ایک بڑے مقدس مولوی صاحب کی زبانی مشہور ہو۔

فرخ نگر کی بڑی سڑک پر جو محلہ کا کاخیل سے شرقی دروازہ کو جاتی ہے مولانا موصوف کی مڈبھیڑ ایک سن رسیدہ آدمی سے ہوگئی جو کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہنے کے بعد اب چل پھر لیتا تھا۔ مولانا: "اخاہ! تمہیں آج تندرست دیکھکر کسقدر خوشی ہوئی ہے۔ کہو بھئی بالکل اچھے ہو"؟

شخص: "خدا کا شکر ہے مولانا اب میں بالکل اچھا ہوں"۔

مولانا: "بھوک تو خوب لگتی ہے"؟

شخص: "بھوک! اتنی عمر ہونے کو آئی کبھی آجتک میری اسقدر خوب بھوک نہیں ہوئی"۔

مولانا: "نیند تو خوب آتی ہے"؟

شخص: "جی ہاں اپنی عمر میں کبھی اسقدر آرام سے نہیں سویا۔ مولانا خدا کے فضل و کرم سے اب میں بالکل بھلا چنگا ہوں۔ البتہ میرا دل ٹوٹ گیا ہے مگر میں اسکی پروا نہیں کرتا"۔

اس قصے کو سنکر بڑے بڑے رقیق القلب لوگ بھی ہنستے ہیں۔ غضب ہے کہ اس ضعیف العمر شخص کے دوست احباب اور اُن مصائب کا علم رکھنے والے بھی باوجود ادعائے رقت قلب ہنسنے سے باز نہیں رہتے۔ ان خوش ہونے والوں سے میں بھی واقف ہوں۔ خوش ضرور ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی رقیق القلب بھی بے انتہا ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا وجہ ہے کہ نیکدل اشخاص بھی بعض اوقات دوسروں کی مصیبت پر غمخواری کرنے کے بجائے خوش ہوتے ہیں؟ اور چونکہ نیکدل کسی ایسے واقعہ پر جو مصیبت سے تعبیر کیا جائے خوش نہیں ہو سکتے اس لئے اس سوال کی شکل یوں بدلجائیگی کہ ہم کب مصیبت کو مصیبت خیال نہیں کرتے؟ اسکے جواب کیلئے جگہ "خرابات" ہے جہاں "پیر خرابات کی" صدارت میں بڑے بڑے رند نما عقلاء کا مجمع ہوتا ہے۔ اگر ناظرین فرخ نگر کے خرابات کی سیر سے لطف اندوز ہوں تو پتہ چلے کہ یہ رندانِ قدح خوار کیسے کیسے عقل آفرین اور بصیرت افروز نکات بیان کرتے ہیں اور کیسے کیسے مشکل مسئلے سیدھی سیدھی باتوں میں حل کر دیتے ہیں۔ آخر کار اِس سوال کے جواب کیلئے میں نے خرابات کا رستہ لیا۔ اب سنئے:—

ایک بہلول وقت:— "حاجی للّو بھائی کرخندار کو دیکھو غریب نے برف بنانے کی مشین لگائی تھی اور ایک کوڑی کفن تک کو نہیں رکھی سب کا سب اسمیں لگا دیا اُسمیں آگ لگ گئی اور ایسی جلی کہ نشان تک نہیں ملا اب سوائے ایک گاڑی کے اُسکے پاس کچھ بھی نہیں اور وہ بھی مکفول۔ ستر برس کا بڈھا تمام عمر کی کمائی اُسمیں جھونک دی، جیسا ننگا دنیا میں آیا تھا ویسا ہی رہگیا اُسکی بیوی کی حالت زیادہ خراب ہے اور لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہر وقت سر ھنوں میں دیئے ہائے ہائے کرتی رہتی ہے اور تین دن سے اگر ایک کھیل بھی منہ میں اُتر گئی ہو تو چاہے جیسی قسم لے لو۔ اُسکا خیال ہے کہ اسکے اور اُسکے خاوند کیلئے یہ مشین بڑھاپے کا سہارا تھی۔ اب بجز مر رہنے کے اور چارہ کار کیا ہے"؟

دوسرا مست الست:— "حاجی للّو بھائی کا بھی بہت افسوس ہے خیال تو کرو۔ سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں اور ٹوکری گر جائے اور تمام انڈے ٹوٹ جائیں سوائے افسوس کے اور کیا ہو سکتا ہے"؟

پہلا:— "حاجی للّو بھائی کا افسوس! کیا واقعی! جو کچھ ہوا اُسکا تو مجھے اتنا بھی افسوس نہیں جیسی اولاد پر فیدی۔ اُسکی باتیں سنو تو حیران رہجاؤ! کہتا ہے پھر مشین لگاؤنگا اور معلوم کیا کیا خیالات پکاتا ہے جیسا کوئی

بڑا لکھ پتی ہو۔ ہان اسکی بیوی کا ضرور افسوس ہے۔ لیکن اس معاملہ مین حاجی سے ہمدردی ظاہر کرنا ہمدردی کا ضایع کرنا ہے"

بات یہ ہے کہ ہمکو ان لوگون کی مصیبت پر اظہار رنج نہین کرنا چاہئے جو اس رنج کا اثر نہ لیتے ہون اور اسی سے اُن رقیق القلب اور نیکدل لوگون کی خوشی کا بھی استدلال ہو سکتا ہے جو اُس سن رسیدہ آدمی کے قلب کی حالت سنتے تھے اور ہنستے تھے۔ ان دونون حالتون مین وقت ایسے آدمیون پر پڑا جو اس سے قطعی متاثر نہین ہوئے اور حزن وملال انکے پاس نہین پھٹکا۔ ہمکو اس خوشی پر ضرور تعجب ہوگا بلکہ یہ بے موقع اور بے محل نظر آئیگی ہم اسکو حقارت اور جنون کی نظر سے دیکھین گے لیکن جب تک خود مصیبت زدہ خوش وخرم ہے ہم اُسکی اس حالت پر غم کے آنسو بہاکر کیون اُسکی خوشی کو خاک مین ملائین۔ لیکن اب دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت کو محسوس کرتا ہے لیکن مسرت کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا تو کیا ہم یہ خیال کرلین کہ اسکو کوئی صدمہ نہین ہوا؟ اسکے جواب کیلئے بھی "خرابات" ہی تجویز ہوا:۔

ایک عورت ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے حیران پریشان چلی جارہی ہے

"پیر خرابات" نے کہا "کہان چلین"؟

عورت:۔ "حکیم جی کے ہان جارہی ہون میری لڑکی رقیہ کو کل سے کھانسی ہے"

پیر خرابات:۔ "کیا کھانسی بہت ہے"؟

عورت:۔ "نہین کچھ ایسی زیادہ تو نہین ہے۔ آج صبح تھوڑی دیر اٹھی شاید ہاضمہ کی خرابی سے ہو۔ کیونکہ رات اس نے پراٹھے اور کباب بہت کھائے لیکن میرے ہمسایہ مین ایسا واقعہ ہوگیا کہ مجھے ڈر لگتا ہے اور اسکی ذراسی کھانسی سے پریشان ہوگئی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے پڑوسن کی لڑکی سعیدہ میری رقیہ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ بھلی چنگی سوئی صبح کو اُسکی خبر سن لی۔ سناہے کہ کچھ کھانسی اٹھی تھی اور زکام تھا۔ اسوجہ سے مجھے کھانسی کے نام سے لرزہ آتا ہے"

پیر خرابات:۔ "افسوس۔ نہین رقیہ کی کھانسی ایسی نہین ہے لیکن یہ تو بتاؤ حمیدہ (سعیدہ کی ماں) کا کیا حال ہے"

عورت:۔ "کچھ نہ پوچھو اسکے ذکر سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کسی صورت اُسکی شکل میرے دل سے جدا نہین ہوتی۔ خدا خوش رکھے حکیم علیلی خانکو بیچارے غریبون پر بہت رحم کھاتے ہین کئی دفعہ بلا فیس کے آئے مگر ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوا۔ حمیدہ کو نفیسہ بیگم سے سبق لینا چاہئے۔ دو سال ہوئے نفیسہ کا لڑکا مرگیا۔ اسکو ایسا صدمہ ہوا کہ پلنگ کو لگ گئی۔ مگر واہ ری نفیسہ مذہب کی پکی ہو تو ایسی ہو۔ کہنے لگی کہ میرا بچہ تو فرشتون مین ملگیا ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا ہے کہ بچہ بہشت کی چڑیا ہے۔ اب مجھے اُسکا کیا غم وہ ہنسی خوشی رہتی ہے۔ جب اسکا ذکر کرتی ہے تو روتی بھی نہین۔ اس سے ملکر اور باتین کرکے بہت خوشی ہوتی ہے۔ اگر حمیدہ بانو بھی ایسا ہی کرتی تو کیا اچھا ہوتا"

تمنے اس گفتگو پر غور کیا۔ کچھ سمجھے۔ اگر کسی کو اسکا مذہب غم کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے قابل بناتا ہے تو یہ نہایت درجہ خوشی کا مقام ہے جب ہم کسی دوست کے نقصان مال یا نقص نفس پر غمخواری یا ہمدردی کا اظہار کرتے ہین یہ مال واولاد کے ضایع ہونے پر نہین کرتے بلکہ اس نقصان سے جو خوشی جاتی رہتی ہے اسپر کرتے ہین۔ معلوم یہ ہوا کہ جب کسی مصیبت زدہ شخص سے ہم اظہار ہمدردی کرتے ہین تو وہ اس مصیبت پر نہین ہوتی بلکہ اُس تکلیف پر ہوتی ہے جو مصیبت زدہ اپنی مصیبت پر محسوس کرتا ہے۔ اور جہان تک ہماری ہمدردی کا تعلق ہے ہم محسوس کرتے ہین کہ اگر مبتلائے مصیبت نے خوشی کو ہاتھ سے نہین دیا ہے تو اسکو مصیبت زدہ نہین کہنا چاہئے۔ یا دوسرے الفاظ مین سوائے خوشی کے ضایع ہونے کے اور کوئی نقصان ہی نہین اور جب تک انسان خوشی کو ہاتھ سے جانے نہین دیتا وہ کوئی حقیقی نقصان برداشت نہین کرتا خواہ اُسپر کوئی آفت پڑے اب ان سب باتونکا خیال کرکے مین اور چند سوالات قائم کرتا ہون۔ اگر آدمی کی جان ہلاک ہوتی ہو تو کیا یہ نقصان نہین ہے؟ کیا تب یہ خیال نہین آئیگا کہ سوائے خوشی کے ہر چیز ہاتھ سے جاتی رہیگی؟

اس مشکل کے حل کرنے کیلئے مین خرابات پہونچا۔ چلا ایسے وقت

کہ راستہ مین طوفان باد و باران نے آگھیرا۔ بجلی کی چمک۔ رعد کی کڑک غرضکہ ایک قیامت صغریٰ برپا تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام فرخ نگر پر ایسی تباہی آئے گی کہ اینٹ سے اینٹ بج جائیگی۔ اس زور کی تابڑ توڑ بارش ہورہی تھی کہ الاامان۔ ایکدم بجلی کا زور سے تراخا ہوا! دو مین "ارے مار ڈالا" کہتا ہوا خرابات مین داخل ہوگیا۔

پیر خرابات:۔ "اسقدر کیون ڈرتے ہو۔ ابھی تک تو تم مرے نہین۔ اچھے خاصے تندرست کھڑے ہو پھر یہ موت کا خطرہ کیسا"

مین:۔ "دیکھتے نہین ہو کس زور کی بجلی کوندی ہے۔ مین مرتے مرتے بچگیا"

پیر خرابات:۔ "مگر بجلی تمہارے اوپر تو نہین گری"

مین:۔ "گری تو نہین مگر مین نے خیال" ....

پیر خرابات:۔ "(جلدی سے میری بات کاٹکر) تم نے خیال کرلیا مگر جسوقت تم نے خیال کیا اسیوقت تمہین یہ معلوم تھا کہ تم مرے نہین۔ اچھا تو پھر اس تمام شور و شغب سے کیا فائدہ۔ جب کسی کو بجلی کی کڑک سے خوف کھاتے دیکھتا ہون تو مجھے بہت ہی غصہ آتا ہے۔ ارے بھئی اگر تم پر بجلی گری تو بس تمہارا خاتمہ۔ اگر نہین گری تو زندہ رہوگے۔ اور جب زندہ رہوگے تو ڈر کی وجہ سے ہائے دہائی مچانا عبث"

مین:۔ لیکن بجلی اسقدر قریب کڑکتے معلوم ہوئی کہ مجھے یہ خیال نہین رہا کہ مین اسکی زد سے بچگیا اور مین اس دھکے سے اچھی طرح نہ سنبھل سکا۔

پیر خرابات:۔ "بالکل درست واقعی تمہاری ایسی حالت ہوگئی تھی۔ جب تک قوت تمیز باقی ہے تمکو یہ معلوم ہے کہ بجلی سے کوئی ضرر نہین پہونچا لیکن اگر بجلی نے ضرر پہنچایا تو قوت تمیز جاتی رہی۔ کسقدر مدلل بات ہے اور جب تمہارے اوپر بجلی گرگئی تو تمکو پریشان ہونے اور ڈرنے کیلئے وقت بھی نہین ملیگا اور جب پریشان ہونے اور ڈرنے کا وقت ملا ہے تو سمجھو بجلی نہین گری۔ اور جب بجلی نہین گری تو پریشانی اور خوف فضول۔ یہ بات ہے کہ نہین!"

صرف مین ہی اسکا مخاطب نہین تھا بلکہ تین چار رندان بادہ خوار بھی جو وہان جمع تھے اسکے مخاطب تھے اور اسکی ہان مین ہان ملا رہے تھے اُسنے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھا:۔ "جانتے ہو کہ مین اپنی پہلی بیوی سے اس بجلی کی بابت کیا کہا کرتا تھا۔ وہ بجلی سے بہت ڈرتی تھی اور جب تک بجلی چمکتی رہتی اور بادل گرجتے رہتے تو وہ ایک ٹوکرا سامنے رکھے اور بھورے رنگ کی برساتی اوڑھے ایک کونے مین بیٹھی کانپتی رہتی تھی۔ مین اس سے کہا کرتا تھا: بجلی ایسی چیز نہین ہے کہ اگر گرے تو ایک منٹ کی بھی فرصت پریشان ہونے اور ڈرنے کیلئے دیگی۔ پر جو مین کہتا ہون وہ کیون نہین کرتین۔ اُٹھو۔ آنکھین کھولو اور اس آسمانی روشنی کے نظارہ سے لطف اٹھاؤ"

ایک رند:۔ "استاد صدقنا۔ لیکن حال ہی مین میرا بھتیجہ بجلی کے صدمہ سے مرگیا مجھے اسکا بے انتہا رنج ہے۔ جوان تھا۔ ایک بیوی اور چار بچے چھوڑے۔ افسوس! افسوس!!"

پیر خرابات:۔ "ہرگز نہین تمہین اسکے مرنے کا ذرا بھی رنج نہین یہ تمہارا خیال ہی خیال ہے کہ تمکو اُسکا رنج ہے۔ اسکا نہین بلکہ اسکے پس ماندگان کا رنج ہے۔ وہ کسی مصیبت مین مبتلا نہین ہوا جو اُسکا رنج ہو"

رند:۔ "نہین مجھے بھتیجہ کی موت کا رنج ہے۔ یہ ضرور ہے کہ رنج پس ماندگان کا بھی ہے۔ لیکن مرحوم کا ان سے زیادہ ہے۔ اُسنے بہت ترکہ چھوڑا ہے انکی حالت بھی بالکل اچھی ہے مگر وہ بیچارہ تو اپنی جان سے گیا ابھی تو اسکے منہ سے دودھ کی بو بھی نہین گئی تھی۔ وہ میونسپل کمشنری کا امیدوار تھا اور یقیناً منتخب ہوجاتا اسکا نام آنریری مجسٹریٹی کیلئے جاچکا تھا۔ دریا کے کنارہ نئی کوٹھی بنائی تھی اُسمین رہنا بھی نصیب نہوا۔ بہت خوش مزاج ہنس مکھ۔ اور سجیلا جوان تھا۔ مرشدی! کیا آپکا یہ خیال ہے کہ اسکی موت سے مجھے رنج نہین ہوا"

پیر خرابات:۔ "اسکی موت کا رنج نہین ہوا۔ چونکہ وہ میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ ہونے والا تھا۔ بہت عزت پاتا خطابات ملتے۔ حکام تک رسائی ہوتی کچہری دربار مین بار پاتا۔ بس اسکا رنج ہے۔ میرا مطلب اچھی طرح سمجھو۔ جہانتک اسکی نفس موت کا تعلق ہے تمہین رنج نہین ہے۔ اگر واقعی تمکو اسکا

رنج ہے تو معلوم ہوا کہ عقل تمہیں چھو نہیں گئی۔ فرض کرو ایک بچہ ہے علی الصباح وہ سرکس کے تماشہ میں جانا چاہتا ہے۔ شام ہی سے پڑکر سو رہا کہ سویرے اٹھنا ہے۔ لیکن صبح کو اسکی ماں نے تھپک تھپک کر سلا دیا۔ تماشہ کا وقت جاتا رہا۔ تمکو اسپر رحم آیا اور رنج ہوا اس بات کا نہیں کہ وہ سو گیا بلکہ اس بات کا کہ وہ سرکس نہ دیکھ سکا اچھا بھلا گر کر مرجانا ایسا ہی ہے جیسا کہ جلدی سو جانا۔ اب تمہیں بھتیجہ کی موت کا رنج نہیں ہے بلکہ اسکا رنج ہے کہ اسکی بڑی بڑی امیدیں جو زندگی سے وابستہ تھیں یکدم دریابرد ہوگئیں۔"

رندہ۔ مرشدی و مولائی! بالکل بجا اور درست ہے۔"

اگر یہ رند بجا اور درست کہنے میں راہ راست پر ہے اور پیر خرابات کے ارشادات بھی صاد کرنے کے قابل ہیں تو مرنا مرنے والے کیلئے کچھ بھی نقصان دہ نہیں ہے۔ اگر کوئی اچھا شہری مرجاتا ہے تو ہم کہتے ہیں قوم کا بڑا نقصان ہوا۔ تو کیا پھر ہم قوم کا رنج کرتے ہیں؟ بعض اوقات ہم کسی فائدہ رسان آدمی کی موت کا ان الفاظ میں رنج کرتے ہیں "اگر اور چند روز زندہ رہتا تو قوم کو کسقدر نفع پہنچتا" یہاں بھی ہم پس ماندگان کا افسوس کرتے ہیں جو بے یار و مددگار رہ گئے۔ بیشک ہم مرنے والے کے ساتھ بھی ہمدردی رکھتے ہیں لیکن اسیوجہ سے کہ نفع رسانی سے اسکو خوشی حاصل ہوتی۔ ایک آدمی عزت حاصل کرنے کے تمام مواقع کھو دے اسکا دل ٹوٹ جائے۔ آزادی میں فرق پڑ جائے۔ تندرستی جاتی رہے۔ عزت کو خیرباد کہے۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ساتھ ہی خوش ہے تو ہمکو اسکی ان تمام اشیا پر اظہار ہمدردی کرنا نہیں چاہیئے۔ "خرابات" کا قانون یہی ہے کہ کسی چیز کا ضایع ہونا نقصان نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی نقصان خوشی کا زائل ہو جانا ہے۔

عرصہ گزرا کہ اس قصبہ میں ایک لڑکا تھا۔ جسکو کشتی کا بہت شوق تھا چنانچہ اسی شوق میں تمام ہندوستان کی سیر کی بڑی بڑی کشتیاں نکالیں۔ بڑے بڑے نامی پہلوانوں کو پچھاڑا اور چار دانگ عالم میں اسکی زور آزمائی اور طاقت کا ڈنکا بجگیا۔ تمام قصبہ اُسپر فخر کرتا تھا لیکن "خرابات" کے ایک بادہ خوار نے کیا خوب کہا "کہ واقعی کارہائے نمایاں کئے ہیں لیکن کامل رنڈوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بدرجہا زیادہ خوش رہتا اگر وہ ہماری طرح نہیں رہتا اور باہر جانے کا نام نہ لیتا۔"

دوسرا بولا "اچھے رہے صرف خوشی ہی سب کچھ تھوڑی ہے اور بہت سی چیزیں حاصل کرنے کی ہیں۔"

پہلا: "کیا واقعی کوئی اور چیز بھی ہے۔"

دوسرا: "کامیابی"

پہلا: - کامیابی کی سنو آدمی کیوں دنیا میں کامیاب ہونا چاہتا ہے کیونکہ اس سے اسکو خوشی حاصل ہوتی ہے اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ خوشی ہمیشہ ہی حاصل ہو۔ وہ کبھی کامیابی کی کوشش نہیں کریگا جب تک اُسے یقین نہ ہو جائے کہ کامیابی اپنے ساتھ خوشی بھی لاتی ہے۔"

دوسرا: "تو پھر "اچھے" "برے" کام کی کوئی بات ہی نہ رہی

تم خود عقلمند ہو جانتے ہو کہ اکثر اوقات "اچھے" "برے" دونوں کاموں میں کچھ کچھ تکلیف ہوتی ہے لیکن اچھا کام کرکے اُسے طمانیت قلب حاصل ہو جاتی ہے وہ "اچھا کام" کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُسکے کرنے میں بہ نسبت "برے" کام کے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قریب قریب ایسی ہی سب مذاہب کی تلقین ہے "اچھا کام کرو فلاح پاؤ گے خوش رہو گے" یہ ضروری نہیں کہ اسیوقت کبھی نہ کبھی ضرور مذہب بھی اپنے معتقدین سے اسیطرح کام لیتا ہے کہ ان کیلئے کچھ قواعد بنا دئے ہیں کہ جنپر عمل کرنے سے وہ خوشی حاصل کر سکتے ہیں اور ان قواعد مقررہ پر عمل کرنے کا نام "اچھا کام کرنا ہے"۔ اسیواسطے جملہ مذاہب کے پیغمبروں نے نہایت دانائی کے ساتھ اس بات کو دیکھ لیا اور جانچ لیا کہ کس قسم کے اصول انسان کی دائمی خوشی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ انہر سب کو عمل کی تلقین کی اور ادھر اُدھر بھٹکنے سے روکا۔"

دوسرا: "ذرا اپنے مرکب استدلال کو لگام دیجئے۔

میری سنئے۔ اس آدمی کی بابت جناب کا کیا خیال ہے جو لڑنے پر مجبور ہے فرض کرو تم مجھ سے کچھ کہتے ہو۔ سنتے ہی مارے طیش کے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہوں

اور تمہارے اوپر ہاتھ چھوڑ دیتا ہون۔ تم مجھ سے زیادہ قوی الجثہ ہو۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر مین نے ایک مارا تو تم دومار کر بھی پیچھا نہ چھوڑو گے تم بے تحاشا مجھ مارتے ہو۔ میرے نکسیر پھوٹ نکلتی ہے۔ لیکن مین تو پاگل ہون۔ آگا پیچھا نہین سوچتا۔ کیا یہی مین خوشی حاصل کرنے کیلئے کرتا ہون؟

پہلا :۔ بلاشک تم اس لئے اتنے پاگل ہو جاتے ہو کہ مجھپر حملہ نہ کرنے کے نتائج کو برداشت کرنے کے قابل نہین رہتے۔ تم مجھپر حملہ کرتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے حملہ کرنے کی خوشی وزن مین اس تکلیف سے زیادہ ہوگی جو تمہارے اس حملہ کے جواب ملنے پر ہوگی۔ جب مین یہ سنتا ہون کہ خوشی سے بھی بڑھکر کوئی چیز ہے تو میرا جواب یہ ہوتا ہے ۔ "بالکل نہین۔ کم از کم انسان کے لئے نہین"۔

جب یہ گفتگو ختم ہوگئی اور پہلے بادہ خوار کی بات دوسرے بادہ خوار نے تسلیم کرلی تو میخوارونکا نظریۂ خوشی ذرا وسیع ہوگیا۔ انسان کیلئے نہ صرف خوشی کا ضایع ہونا اصل نقصان ہے بلکہ تمام انسانی سعی وکوشش کی بنیاد ہی حصول خوشی ہے۔ لیکن باوجود دانایان خرابات کی منطقی گفتگو کے مذکورۂ بالا اصول مین کچھ خامی سی نظر آتی ہے۔ جس چیز کے تم متلاشی ہو یقیناً وہ چیز تمہارے پاس نہین ہے اور اگر ہمیشہ خوشی کی تلاش مین ہو تو تمہارے پاس خوشی نہین ہے اور جو چیز قبضہ مین نہین اسکا ضایع ہونا کیا۔ لیکن یہ خامی حقیقی خامی نہین ہے۔ یہ صرف سطحی ہے درحقیقت دانایان خرابات کا مطلب تھا کہ ہمارے پاس جس قدر خوشی ہے اسپر قناعت نہ کرکے ہم اور خوشی کی تلاش مین سرگردان رہتے ہین۔ جو خوشی ہمارے قبضہ مین ہے اسکا ضایع ہونا اصل نقصان ہے۔ خواہش ہماری یہی رہتی ہے کہ اس خوشی مین دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہے۔ سلطنت کے قوانین بھی اس نظریہ کو سامنے رکھکر بنائے جاتے ہین کہ تمام آدمی خوشی حاصل کرنے کیلئے پیدا ہوئے ہین۔ اسکا یہ مطلب نہین ہے کہ تمام آدمی خوشی سے محروم ہین بلکہ فطرت سے انہین یہ حق عطا ہوا ہے کہ اس خوشی پر جو انکے قبضہ مین ہے اضافہ کرتے رہین اسیطرح خوشی پر خوشی حاصل کرنے کے ذرایع کام مین لانا آزاد آدمی کا فطری حق ہے اور اس بڑی سلطنت کے قوانین بھی فرخ نگر کے خرابات کے مجذوب نما سالکون کے بڑے مرہون منت ہین۔ معلوم ہوا کہ قدرتی حق جو ہمین عطا ہوا۔ خوشی حاصل کرنا ہے۔ اور جبکہ سلطنت اور خرابات اس نظریہ مین باہم مشترک ہین ہمکو اسکے آگے سر تسلیم خم کردینا چاہیئے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کسطرح بہترین طریقہ سے اس حق کو کام مین لاسکتے ہین ایک طرح پر تو ہم اسکے حاصل کرنے مین مشغول ہین کیونکہ ہمارے تمام کام جو ایک ارادہ کے ماتحت ہوتے ہین کامیابی کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہین۔ لیکن کوئی کام کیون نہ ہو اگر سوچ سمجھکر اور دیکھ بھالکر کیا جائے تو اپنے اندر کامیابی اعلیٰ پیمانہ پر رکھتا ہے۔ اب اسکو ایک نظریہ حق سمجھکر ہم یہ دیکھتے ہین کہ بہت کم آدمی ایسے ہین جن کو کوئی خوشی میسر نہین کیونکہ وہ آدمی جو خوشی نہین رکھتا کسی رنجدہ واقعہ سے ناخوش نہین ہوسکتا۔ سچ ہے بعض آدمی ایسے ہین جنپر تابڑ توڑ مصیبتین پڑتی ہین اور انکا غم اس انتہا پر پہونچ جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کیلئے کسی خوشی کا احساس ہی نہین ہوتا اور اگر تمام بنی نوع انسان مصیبت مین تڑپنے لگین تو انکے غم مین اضافہ ہونے کی گنجائش ہی نہین رہتی۔ لیکن یہ حالت عارضی ہوتی ہے اور یہ انتہائی رنج ختم ہوجاتا ہے کیونکہ قدرت جسکو یہ منظور ہے کہ وہ خوشی کی تلاش مین لگا رہے اسکو از سر نو اپنے نقصان کے پورا کرنے پر آمادہ کردیتی ہے قدرت خوشی کی ترقی مین ہر قسم کی مزاحمت کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

پس عام طور سے ہمیشہ خوشی کی کچھ نہ کچھ مقدار کے ہم مالک رہتے ہین یہی وہ خوشی ہے جو پہلے سے ہمارے پاس ہے۔ ایک بڑے شخص نے اسکی تردید کی ہے۔ وہ کہتا ہے تکالیف جو ہمین پہونچتی ہین اُنسے بے خبری کا نام خوشی ہے"۔ ہمارا وقتاً فوقتاً کچھ خوشیون کو کھو کر بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم کچھ خوشیون کے مالک ہین۔ اور اسمین ذرا شبہ نہین کہ بعض آدمی اسقدر خوشی رکھتے ہین کہ وہ اسکا اندازہ نہین کرسکتے کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ خوشی کے ضایع ہوجانے کے بعد آدمی محسوس کرتا ہے کہ اُسے کسقدر خوشی حاصل تھی لیکن وہ جانتا نہین تھا۔ یہ اکثر دنیا کے لغا دکے چکر مین پڑے رہتے ہین۔ یہی حال بچہ کا بھی ہے وہ بھی کھلونون کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے ہماری عمر کے ساتھ اس عادت مین بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ان خوشیونکے

اندازہ لگانے مین ہم بہت خسیس ہین اور اگر اندازہ لگاتے بھی ہین تو تاریک پہلو سامنے رکھکر اور اسپر بھی جو اندازہ بیٹھتا ہے اس سے کم پر قناعت کرنیکی کوشش کرتے ہین یہ صرف اسوجہ سے کہ ہم لوگونکا خاصہ ہے کہ خفیف سے خفیف اور وقتی رنج کو ہم اسقدر اہمیت دیتے ہین کہ ہر وقت اسی کے سوچ مین غرق رہتے ہین - اور غالباً زندگی مین بہت کم واقعات ایسے ہوتے ہین جنمین کہ ایک نہ ایک رنج ضرور آدمی کے ساتھ لگا نہ رہتا ہو -

رنج کو جو ناگزیر ہے لیکن ساتھ ہی خفیف بھی ہے اسقدر اہمیت دینا اور پیش پیش رکھنا ایک ایسی چیز ہے جس سے ہماری حقیقی خوشی جو واقعی ہمارے پاس ہے خاک مین ملجاتی ہے - مثلاً ایک مصور اچھی اچھی خوبصورت تصویرین بناتا ہے لیکن ہر ایک مین آگے کی طرف ایک بدنما دھبا بھی لگا دیتا ہے جہان وہ اتنا نمایان ہوتا ہے کہ تصویر بدنما ہوجاتی ہے - اگر مصور نے ارادتاً ایسا کیا ہے تو ہم اسے عقل سے خارج سمجھنے پر مجبور ہین لیکن ہم مین بہت ایسے ہین جو اپنی ہستی کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہین اور جانتے ہین کہ ایسا کرتے ہین - ہماری غلطی جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہم بھول جاتے ہین کہ یہ سب کچھ ہماری مرضی پر منحصر ہے - ہم بھول جاتے ہین کہ خوشی کو سب سے پچھلی صف مین جگہ نہین دینی چاہیئے - ہم احمقانہ ہٹ دھرمیون کے ساتھ اپنی پریشانیون کے پیچھے اسکو مقید کر دیتے ہین - کیسی پریشانیان - وہ پریشانیان جو نتیجہ ہین بلا وجہ کے خوف کا - اور ان پریشانیون کے اندازہ مین آدمی اگر تھوڑی ریاضی سے بھی واقف ہوگا تو حیران رہ جائیگا اگر آدمی کاغذ کے ایک پرزہ پر اپنی تمام پریشانیان لکھتا رہے اور ایک سال یا کم از کم ایک ماہ مین ریاضی کے قاعدے سے انکا اندازہ لگائے تو اسکو اپنی خوشی اور خود اپنی بابت عجیب و غریب انکشافات ہونگے - ایک کالم مین تو وہ اُن تمام پریشانیون اور تفکرات کو لکھے جو اسکے وہمی خیالات کے اتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہین اور دوسرے کالم مین ان پریشانیون کو درج کرے جو واقعی ہون - ایک مان نے جو ہمیشہ پریشان رہا کرتی تھی ایسا ہی کیا مگر پہلا کالم اندراج سے پُر تھا - ایک مہینہ ایسا کرکے اور اس کام کو حماقت سمجھکر اُسنے چھوڑ دیا - اور اُسنے ٹھیک کیا کیونکہ پہلے کالم مین جو کچھ درج کیا گیا تھا وہ بھی حماقت ہی کا نتیجہ تھا - اسیطرح ایک کاروباری آدمی نے فہرست تیار کی اور نو ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی پریشانیان انیس ۱۹ تھین اور غیر واقعی چار سو تنتیس ۴۳۳ لیکن اسکو جاری نرکھ سکا اور یہ کہکر کہ یہ فہرست اور بھی زیادہ پریشان کن ہے اسکو بند کر دیا -

اگرچہ دونون مین سے ایک بھی ریاضی کی اس خدمت سے عرصہ تک بہرہ مند نہین ہوا اور اپنی پریشانیون کے سیاہ نقاب کو خوشی کے چمکدار رخ سے نہین اٹھایا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ بعد مین دونون کے دونون خوشی سے حظ اٹھانے لگے - اعداد شمار بھی کبھی کبھی اپنا اثر دکھاتے ہین -

زیادہ عرصہ نہین گزرا ایک شام کو مین نے دو آدمیون کو باتین کرتے سنا - اور گفتگو اسپر تھی کہ اگر ہم از سر نو جوان ہوجائین اور اسوقت کی چستی چالاکی عقل و فہم پھر ہمارے قبضہ مین آجائے تو ہم کیا کرین -

ایک بولا :" اگر مین پھر جوان ہوجاؤن اور جو کچھ میرے ذہن مین ہے مجھے حاصل ہوجائے تو مین فرتکو کبھی سویرے نجاؤن جیسا کہ اب تک جاتا رہا ہون - مین نے بیتالیس برس کی عمر تک ایکدن کی بھی چھٹی نہین لی - ہر وقت کام مین منہمک رہتا تھا - اگر مجھے وہ کام کرنا پڑے تو خوب چھٹیان لون اور کام بھی فرصت لیکر کرون "

دوسرا بولا : " مین نے تو ایسا ہی کیا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا مین خیال کرتا تھا کہ آہستہ آہستہ سب کام ہوتا رہے گا - اپنا شباب اور عمر عزیز کا بہترین حصہ ادھر اُدھر سیر سپاٹے اور یار باشی مین کھو دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس بڑھاپے مین تارے نظر آرہے ہین - اور ہر وقت کمانے کی دھن ہے میرا خیال ہے کہ جوانی مین کچھ زیادہ محنت سے کام کرلیتا تو آج یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے "

پہلے شخص نے متعجب ہوکر کہا " کیا واقعی تمھاری یہ خواہش ہے میری تو کبھی یہ خواہش نہین ہوسکتی "

دوسرے شخص نے اُسے غور سے دیکھا اور تعجب سے دریافت کیا

"اپنے بڑھاپے کیلئے تم کچھ بچانا نہیں چاہتے"۔ اور تم جوانی میں محنت کرنا نہیں چاہتے"

پہلے شخص نے فوراً بات کاٹکر کہا "میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں یہ سب کچھ نہیں کرونگا۔ بلکہ یہ ہے کہ اسکی بابت پریشانی نہیں لگائے رکھونگا میں اپنی گزشتہ زندگی پر ذرا ایسی نظر ڈال رہا ہون۔ کیونکہ اب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ہماری ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں گی۔ آنکھوں سے کم نظر آنے لگیگا۔ کوئی آدمی ہم سے باتیں کرنا پسند نہیں کریگا۔ اور ہم ٹھالی بیٹھے بیٹھے اپنے کارنامون کو سوچتے رہا کرینگے۔ اب مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ میں نے فضول پریشانیان اپنے سر کیں یقین"

دوسرا:- "تم ایسا خیال کرو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسی سبب سے تمہیں فارغ البالی نصیب ہوئی۔ جوانی میں دوڑ دھوپ کی بڑھاپے میں بیٹھے گل چھرّے اڑا رہے ہو"

پہلا:- "ہر وقت فکر میں غرق رہنے سے یہ سب کچھ نہیں ہوا محنت سے یہ سب کچھ حاصل ہوا۔ محنت بھی اور کفایت شعاری بھی۔ اب میں کہتا ہون بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے ہر وقت کام سے کام رکھا لیکن اس سے زیادہ غلطی یہ ہوئی کہ کام کی وجہ سے پریشانیون میں الجھا رہا۔ اگر میں ازسر نو زندگی شروع کرون تو کبھی پریشانیون کے پاس نہ پھٹکون"

دوسرا:- "یہ تو ممکن ہے ایسا وقت آتا ہے کہ کام خراب ہونے لگتا ہے۔ اسمین نقصان کا احتمال ہوتا ہے اگر فکر نہ کی جائے۔ پریشانی اپنے سر نہ لی جائے تو کفت محنت کرنا بہت مشکل ہے"

پہلا:- "میں نے کام ٹھیک طور سے چلنے پر بھی ایسے ہی جان لڑا کر کیا جسطرح عام لوگ بگڑنے پر کرتے ہیں۔ دو چار مرتبہ جب کام میں ابتری پیدا ہوتی معلوم ہوئی تو اسوقت میں بہت آسانی سے کام سنبھال لیتا اگر اسکے متعلق پریشانی میرے استقلال اور قوت فیصلہ کو ضایع نکر دیتے پریشانی سے کوئی کام انجام نہیں پاتا ہان البتہ فضول باتیں اسکی وجہ سے بہت سی ہو جاتی ہیں۔ اگر مجھ میں ذرا بھی عقل ہوتی اور پریشانیون سے علیحدہ رہکر کام کرتا تو خود کام میں ایک لطف آنے لگتا اور حقیقت میں ہر آدمی کو اسطرح کام کرنا چاہیئے جناب میں تو عرض کر چکا کہ اگر پھر جوان بنکر کام کرونگا تو پریشانیون کے پاس نہ پھٹکونگا"

دوسرا:- "لیکن علاوہ کاروبار کے اور بھی تو باتیں ہیں جو پریشانی میں ڈالتی ہیں۔ مثلاً خطرہ۔ اچانک کوئی حادثہ۔ بیماری۔ موت"

پہلا:- "میں خوب جانتا ہون میں جو کچھ پریشانیون کی بابت کہتا ہون ان سب باتونکو پیش نظر رکھکر کہتا ہون میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام کو آلام سے نجات مل جائیگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں ان کو آنے کی دعوت نہیں دونگا پہلے ہی سے انکے استقبال کی تیاری نہیں کرونگا پیش از مرگ واویلا پر عمل پیرا نہیں ہونگا اور اپنے دماغ کو ان فرضی پریشانیونکا جولانگاہ نہیں بناؤنگا میں پہلے واقعات پر غور کر رہا ہون اور کف افسوس مل رہا ہون کہ میٹھی نیند جو مجھے میسر تھی وہ فضول پریشانیون میں ضایع کی۔ افسوس پر افسوس یہ کہ اطمینان قلب بھی ان پریشانیون کی نظر کر بیٹھا اب خیال کرتا ہون کہ ننانوے فیصدی اصل پریشانیان نہیں تھیں بلکہ اوہام اور خیالات باطل تھے۔ تاہم میں ان فرضی پریشانیونکا انتہائی اثر لیتا تھا جتنا کہ ایک فیصدی اصل پریشانی کا۔ ستم تو یہ ہے کہ مجھ میں اصل اور فرضی پریشانیون میں تمیز کرنے کی قوت نہ تھی۔ میں واقعی پریشانیون کا بھی شکار رہتا تھا لیکن چونکہ ضروری نہیں تھا کہ پریشان ہونے اور دھن لگانے سے وہ واقعات میری حسب مرضی انجام پا جائیں اسلئے تمام واقعی اور غیر واقعی پریشانیون نے مجھے بالکل تباہ کر دیا اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو مجھے اتنا صبر تو رہتا کہ چلو مالی مفاد زیادہ نہیں ہوا نہ سہی زندگی تو مزہ میں گزار دی۔ ذرا سوچو اگر ننانوے فیصدی پریشانیان غیر واقعی ہیں اور ایک فیصدی واقعی اور غیر واقعی اور واقعی میں تمیز ناممکن ہے اور وہ ایک فیصدی پریشانی کچھ چارہ سازی کرتی نظر نہیں آتی تو کیا یہ کہیں زیادہ بہتر نہیں ہے کہ تمام پریشانیون کو بالائے طاق رکھکر آدمی خوشی و خرمی کی زندگی بسر کرسے یہ نہ سمجھ لینا کہ اگر ازسر نو جوان ہو کر زندگی شروع کرون تو کسی واقعی خطرہ کے دفعیہ کی کوشش نہ کرونگا۔ یا بیمار پڑنے پر طبیب کو نہیں بلاؤنگا۔ بلکہ میں یہ سمجھا کہ

جو کچھ مین نے اپنے سر غیر واجبی پریشانیان لیکر انجام کو پہونچایا اس سے سوائے اسکے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کہ میری خوشیون کا ایک معتد بہ حصہ خاک مین ملگیا۔ اب مین ایسی بے وقوفی نہین کرونگا"

دوسرا: "لیکن ہماری واقعی تکالیف"

پہلا: "میرا مطلب پریشانیون سے ہے۔ مین نے کہا کہ مین تکالیف سے مامون و محفوظ نہین رہونگا لیکن اس حد تک ضرور عقل کو کام مین لاؤنگا کہ قبل اسکے "آگ۔ آگ" کہکر چلاؤن دیکھ لونگا کہ دہوان بھی اٹھ رہا ہے۔ صرف یہی نہین بلکہ یہ معلوم کرونگا کہ دہوان آکہان سے رہا ہے"

دوسرا: "فرض کرو کہ مکان جل گیا جب بھی تم پریشان نہین ہوگے"

پہلا: "(زور سے) کیا کہا! تیرا زکمان جسپہ پریشانی؟ اس سے تو یہ کہین بہتر ہے کہ مین دماغ ایسا مکان بنانے مین صرف کرون جس پر آگ اثر نہ کرسکے۔ ایسے فضول کام مین بھی مین تضیع اوقات کرچکا ہون۔ اور کیسے مذاق کی بات ہے کہ مین یہی سمجھتا تھا کہ وقت ضایع کررہا ہون۔ یا للعجب"!

پہلا: "یہ کیا"

دوسرا: "کہان لگاکر سنو مین جانتا تھا کہ مین کیا کر رہا ہون مین جانتا تھا کہ اس مفت کی پریشانی سے کچھ حاصل ہونیوالا نہین ہے۔ مین جانتا تھا کہ سب کچھ آہن سرد کوفتن کے مصداق ہے اور دماغ کو مفت مین خراب کرنا ہے پھر بھی مین مصنفی سے خدا لگتی کہدونگا کہ یہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا"

یہ گفتگو سنکر مین پہلے شخص کی دانشمندی پر متعجب ہوا لیکن اسکے لئے یہ سب باتین بعد از وقت تھین کیا وہ گذرے کے تھنون مین واپس جاسکتا ہے کیا وہ پھر جوان ہوکر اپنے تجربہ سے فائدہ اٹھا سکتا تھا سب سے زیادہ افسوس کے قابل یہ بات تھی کہ اس پچاس برس کے بوڑھے کو اب خیال آیا اسمین ہمیشہ سے قوت تمیز موجود تھی اور یہ کہ وہ طمانیت قلب اور خوشی سے حظ وافر اٹھا سکتا تھا بشرطیکہ شروع مین ہی اسے معلوم ہوجاتا کہ یہ دقت اسکے پاس موجود ہے۔

ان تمام باتون پر غور کرکے مین اس نتیجہ پر پہونچا کہ مقدم کام یہ ہے کہ ہم سمجھین کہ اصل خوشی ہر وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ اور پھر اس خوشی سے فائدہ اٹھائین اور اسکے بقا کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی قوت کا اندازہ لگائین کہ آیا ان پریشانیون مین کن خیالات کو جو اسکو تباہ کردیتے ہین روکنے کی قوت ہم مین موجود ہے یا نہین۔ کیونکہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ہم مین یہ قوت موجود ہے تو بس اسی پر فیصلہ ہے۔ اصل چیز یہی ادراک قوت ہے مشکل تو یہی آپڑی ہے کہ ہم اس قوت سے عاری ہین۔

اچھا اب قدم ذرا آگے بڑھاؤ۔ اب اگر آدمی کا صرف یہی کام ہے کہ خوشی قائم رکھے بلکہ یہ کہ اسمین اضافہ کرتا رہے۔ تو اب اس اضافہ کی کیا ترکیب ہے یہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس خوشی مین اضافہ کرنے کی کوشش مین ناکام رہے تو یہی نہین کہ اسمین اضافہ نہین ہوگا بلکہ جو ذخیرہ ہمارے پاس پہلے سے موجود ہے اس مین سے بہت کچھ کھو بیٹھین گے۔ تو پھر کیا یہ بہتر نہین کہ ماحضر پر ہی قناعت کئے بیٹھے رہین اور زیادہ کیلئے ہاتھ پاؤن نہ مارین۔ لیکن آدمی سے ماحضر پر صبر نہین ہوسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ آدمی محدود ذرائع آمدنی اور قلیل پونجی پر صبر کرلے۔ ایسا وقت بھی آتا ہے جب وہ سمجھ لیتا ہے کہ خوشی کمال پر پہونچ گئی ہے اور اس مین اضافہ نہین ہوسکتا اگر یہ صرف وقتی دل بہلاؤ ہے۔ فطرت نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے وہ یہ ہے کہ خوشی کے واسطے ہم ہمیشہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتے رہین اور اس سے ہمین مفر نہین یہ تو دنیا مین رہکر کرنا ہے جب یہ حالت ہے تو پھر اسکو کسطرح انجام کو پہونچائین۔ ناامیدی کم یا زیادہ ہماری زندگی کا جز ہوگئی ہے۔ لیکن ہمارے خیال کے مطابق مسرت بخش اشیاء کے حصول مین جو ناکامی ہمکو ہوتی ہے اسکا نتیجہ ناامیدی نہین ہے۔ ہمکو اسکی بابت ہمیشہ دھوکا ہوتا ہے۔ ہم ہزارون کام کرتے ہین اور سمجھ لیتے ہین کہ یہ سب خوشی دینے والے ہین لیکن ہوتے نہین۔ ہم دماغ مین کسی بلند مقام پر پہونچنے کا خیال باندھ لیتے ہین اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہان پہونچکر ہماری خوشی مین اضافہ ہوگا لیکن جب وہان پہونچ جاتے ہین

توخوشی مین اضافہ ہوتا تو درکنار اور کمی ہو جاتی ہے خوشی حاصل کرنے کیلئے ہم اپنی خواہشون اپنے حوصلون ۔ اور اپنی مفروضہ ضروریات یہانتک کہ اپنے ضمیر پر بھی بھروسہ نہین کر سکتے ۔ اب کوئی رہنمائی کرے ۔ اسکے لئے مین پھر خرابات کا رخ کرتا ہون

حسب معمول یہان سرمستان بادۂ الست کا بڑا مجمع تھا لیکن ان مین سب سے زیادہ ممتاز دو شخصیتین تھین ۔ ایک تو نو وارد تھا اور پیر خرابات کے نئے مریدون مین تھا اور دوسرا اس خرابات کے پرانے جاروب کشون مین تھا ناظرین کی آسانی کیلئے اول الذکر کو ہم چلہ کش کے نام سے یاد کرین گے اور دوسرے کو مے نوش کے نام سے ۔

چلہ کش :۔ "ایسے آدمی مین نے آجتک نہین دیکھے تھے جیسے کہ یہ خدا داد اور اسکی بیوی ہین ۔ ناامیدی انکا اوڑھنا بچھونا ہے مطلب میرا یہ ہے کہ ایسے آدمی ہی نظر سے نہین گزرے ۔ اچھی طرح بہت محنت سے اور جوش سے ایک کام شروع کرتے ہین لیکن جب ہو جاتا ہے تو اوس پڑ جاتی ہے جب ان دونون کی شادی کے پیغام سلام ہو رہے تھے تو خدا داد یہ سمجھتا تھا کہ "گلدستہ" سے (خدا داد کی منسوبہ کا نام ہے) نکاح ہوتے ہی کشمیر کی ریاست کا پٹہ میرے نام لکھدیا جائے گا اور جب بات ٹھہر گئی تو گلدستہ نے اپنی سہیلیون سے کہا کہ بس اب کیا تھا خدا داد کے گھر پہنچتے ہی پانچون گھی مین اور سر کڑاہی مین لیکن جب شادی ہو گئی تو گلدستہ بولین میرا خاوند حقہ پینا چھوڑ دے تو خوب فراغت سے گزران ہو جب اسنے حقہ چھوڑ دیا تو پھر وہی ڈھاک کے تین پات اور ایک دوسرے کی شکایت اپنے اپنے دوستون سے کرنے لگے ۔ اب انہون نے ایک مکان بنانا شروع کیا اور سمجھے کہ شاہجہان کو دلی کا لال قلعہ بنا کر وہ خوشی اور مسرت حاصل نہین ہوئی جو ہمین ہو گی ۔ لیکن جب مکان تیار ہو گیا اور اسمین رہنے لگے تو پھر وہی پریشان حالی ۔ یہ کونا ٹھیک نہین بنا ۔ یہ دیوار ذرا ٹیڑھی ہے ۔ یہ ڈاٹ مضبوط نہین لگی حالانکہ تمام کام بالکل انکی خواہش کے مطابق تھا ۔ مین نے ایسے عجیب آدمی نہین دیکھے"

مے نوش :۔ "اب انہین کیا شکایتین ہین"

چلہ کش :۔ "اب "وراثت تخت و تاج" کا سوال درپیش تھا ہر ایک سے کہتے پھرتے تھے کہ اگر ایک لڑکا ہو جائے تو اصل خوشی سمجھو ۔ آخر مراد برآئی اور اولاد بھی ہو گئی ۔ خدا داد ہین کہ پھر در شکوہ باز ہے کہتے ہین کہ لڑکی ہوئی ۔ اگر لڑکا ہوتا تو اصل خوشی ہوتی ۔ گلدستہ ہے کہ علیحدہ پریشان ہے کہ لڑکی کی تپلی ذرا بھوری ہے سیاہ ہوتی تو اچھا تھا ۔ انکی حسب مرضی ہر کام انجام کو پہونچ جاتا ہے ۔ ہر خواہش کی تکمیل ہو جاتی ہے لیکن ہر کام کا انجام اور ہر خواہش کی تکمیل اُن کو اور زیادہ پریشان حال بنا دیتے ہین"

مے نوش :۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو ٹھیک طور سے ارادہ پر قائم نہین کرتے " (اس موقع پر یہ معلوم کرکے کہ چلہ کش کی حرکات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زیادہ وضاحت چاہتا ہے وہ یون گویا ہوا) خدا داد اور اسکی بیوی ہر وقت ناامیدی کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہین کیونکہ وہ اپنے زعم مین تمام خوشی دینے والے کامون سے واقف ہین حالانکہ بالکل ناواقف ہین اور یہ اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اول انھون نے خیال کیا کہ بس خوشی ہی خوشی ہے اگر :۔

۱۔ نکاح کی بات ٹھہر جائے ۔ ٹھہر گئی ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی

۲۔ شادی ہو جائے ۔ ہو گئی ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی

۳۔ نیا گھر بنجائے ۔ بنگیا ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی

۴۔ بچہ ہو جائے ۔ ہو گیا ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی

اب انہون نے خیال کیا کہ گھر اور بچہ دونون امید کے خلاف ہوئے (ایک مین بہت نقائص رہ گئے اور دوسرے مین بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی) اسوجہ سے وہ رنجیدہ ہوتے ہین اور اپنی زندگی مین کبھی مسرت حاصل نہین کر سکتے جب تک وہ اس خیال کو ترک نہ کردین "کہ ہم مسرت دینے والی تمام باتون سے واقف ہین" (یہان پھر چلہ کش نے وضاحت چاہی)

چلاکش :- "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ پھر وہ کام کرنے کا کیا طریقہ نکالین"

مے نوش :- "بہتیرے طریقے کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو بلا مشورہ کے اپنی قوت فیصلہ پر دارومدار رکھکر کام شروع کردے اور سمجھ لے کہ بس یہ کام مجھے حقیقی مسرت تک لے جائیگا۔ نہین ہرگز نہین اگر مین یہ خیال کرکے کہ مین بہت عقلمند ہون اور مسرت بخش کامون سے خوب واقف ہون صرف اپنی قوت فیصلہ پر بھروسہ کرکے ہر کام شروع کردیا کرون تو کل کسی محتاج خانہ کو آباد کرون گا۔ یا پاگل خانہ کی سیر کرنی پڑیگی یا کسی جیل خانہ مین چکی پیسونگا۔ اسمین ذرا قوت امتیازی کو بھی دخل ہے جسطرح ہر کام کے لئے کچھ قوانین ہین اسیطرح خوشی حاصل کرنے کیلئے قوانین بنا دئے ہین"

چلاکش :- (طعنہ آمیز لہجہ مین) "تمہارا یہ مطلب ہے کہ یہ سب باتین آدمی کسی اسکول مین سیکھے"

مے نوش :- "بے شک۔ مذہبی تعلیم جہان ہوتی ہے وہان یہ سب باتین سکھائی جاتی ہین۔ کیا بچون کو نہین سکھاتے ہین "نیک بنو تاکہ خوش رہو" یہ بالکل سچ ہے لیکن مشکل یہ آپڑی کہ وہ کونسی نیکی ہے جو خوشی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ایک شخص مذہب کے پانچون اصول مانتا ہے اور کوئی تکلیف نہین اٹھاتا۔ لیکن اکثر صرف اسوجہ سے کہ وہ ان پانچون اصول مین سے ایک کو بھی نہین توڑتا کچھ زیادہ خوش نظر نہین آتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خوش رہنے کیلئے مجھے کسی خاص طریقہ پر کاربند رہنا چاہئے جس چیز کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہین اسکے حاصل کرنے کے بہترین طریقہ کا ہم مطالعہ کرتے ہین۔ لیکن ہم خوشی حاصل کرنے کے طریقہ کے مطالعہ کی طرف سے بے پرواہین"

چلاکش :- (طنز سے) "اگر آدمی علم صحت۔ خوشحالی اور اخلاق حاصل کرے تو کیا وہ خوش نہین ہے"

مے نوش :- "بالکل نہین اگر یہ سب باتین اور اسپر مزید بھی کچھ حاصل کرے تب بھی وہ اتنا ہی خوش نہین ہوسکتا جتنا کہ ایک بھوکا عرب کھجور کے ملجانے سے یا چینی مزدور کسی غیر ملک مین کافی مزدوری ملجانے سے۔ تم خود اس بات کو جانتے ہو"

چلاکش :- "اچھا مین ابھی کچھ دخل نہین دیتا۔ بیان کیجئے کہ آپکا کیا مطلب ہے"

مے نوش :- "یہی مطلب ہے۔ مثلاً جب ہم قوی الجثہ ہونا چاہتے ہین۔ ہم اپنے چارونطرف نظر ڈالتے ہین اور معلوم کرتے ہین کہ عام طور سے آدمی کیسے قوی الجثہ ہوجاتے ہین ہم دیکھتے ہین کہ بعض تو پیدا ہی توانا ہوتے ہین لیکن یہ ہمارے مطلب کے لوگ نہین لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہین جنکو ہم بطور نمونہ کے استعمال کرسکتے ہین۔ وہ مقوی غذا کہاتے ہین۔ صحت بخش اور کھلی ہوا مین سانس لیتے ہین۔ ورزش کرتے ہین جسم کو کمزور کردینے والے کام نہین کرتے یہ بھی ایسا ہی کرین تاکہ مضبوط یا مضبوط تر ہوجائین۔ ہم خوشی مین اضافہ کرنیکی کوشش نہین کرتے ورنہ اگر چاہین تو کرسکتے ہین۔ ہم اپنے "بر ہمہ حال اور ہمہ وقت ہشاش بشاش" دوستونکا گہرا مطالعہ کرسکتے ہین اور ان کے ایسا ہونے کی وجہ معلوم کرسکتے ہین"

چلاکش :- (زرا زور سے) "وہ کیون ایسے ہین؟ فرمائیے"

مے نوش :- "بہت سی وجوہات سے" (یہان چلاکش مسکرایا لیکن مے نوش نے اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھا) "مجھے معلوم ہے جو کچھ مین نے کہا وہ ایک کلیہ قاعدہ ہے۔ لیکن مین کسی خاص واقعہ کو لونگا"

چلاکش :- "اچھا منظور ہے بیان فرمائیے"

مے نوش :- "ایک تو مذہب ہی کو لو بہت سے آدمی پابند مذہب ہین لیکن کیا اس سے انکار کرسکتے ہو کہ وہ خوش ہین"

چلاکش :- "نہین مین انکار نہین کرسکتا۔ اور فرمائیے"

مے نوش :- "کسی دلچسپ کام مین مشغولیت۔ اگر کسی شخص کو اپنے کام سے دلچسپی نہین ہے تو وہ اس کام کے ساتھ ہی ساتھ کوئی اور کام کرکے اپنی دلچسپی کا سامان مہیا کرسکتا ہے اور خوش رہ سکتا ہے"

چلکش :۔ فرض کرو کہ وہ کوئی دوسرا سامان مہیا نہیں کر سکتا اور جو کام اسکو طوعًا و کرہًا کرنا پڑتا ہے اسکا تمام وقت لے لیتا ہے"

مے نوش :۔ وہ خوش رہ سکتا ہے اگر وہ اس کام کو اچھے طور پر انجام دے خواہ وہ اسکو پسند نہ کرے کیونکہ وہ لوگ خوش رہتے ہین جو اپنے کام کو اچھی طرح انجام دین بہ نسبت ان لوگون کے جو کام کو اچھی طرح نہین کرتے۔ مین اسکا دعویٰ نہین کرتا کہ وہ اس ترکیب سے پورے خوش ہو جائین گے نہ ہی کامل خوشی ہمارا مبحث ہے۔ کوئی آدمی خواہ کتنا ہی طاقتور ہو جائے اتنا طاقتور نہین ہو سکتا کہ ہاتھی کو اٹھا لے لیکن معمولی آدمی جو طاقتور نہین ہے مقابلتہً زیادہ طاقتور ہو سکتا ہے اگر وہ کوشش کرے"

چلکش :۔ اچھا فرمائے جائیے،،

مے نوش :۔ میرے خیال مین تمام آدمیون پر جنکو تم جانتے ہو غور کی نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ کس کے چہرے سے آثار مسرت ہویدا ہین معلوم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے۔ مین جب اپنے واقف کارون کے چہرون پر نظر ڈالتا ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ خوش خاص قسم کے لوگ ہین"

چلکش :۔ (مشتبہ نظر سے دیکھکر) وہ خاص قسم کے لوگ کون ہین"

مے نوش :۔ (سنجیدگی سے) "مین اور تم نہین۔ میرا مطلب ان لوگون سے ہے جو دوسرون کو خوش کرتے ہین۔ تم نے اپنی زندگی مین جن آدمیون کو دیکھا ہے سب پر ایک غائبانہ نظر ڈال جاؤ اور پھر خیال کرو کہ خوشی کے آثار انہین آدمیون کے چہرون پر ظاہر ہوتے تھے جو دوسرون کو خوش کرتے تھے"

چلکش :۔ (غصہ بمشکل ضبط کرکے) "لیکن تم کچھ نئی بات نہین کر رہے ہو"

مے نوش :۔ مین کوئی نئی بات نہین کہہ رہا ہون مین تو واقعہ نفس الامری بیان کر رہا ہون"

چلکش :۔ میرے اور تمہارے لئے واقعہ نفس الامری نہین ہے مین اسطرح خوش رہنا نہین سیکھ سکتا۔ وہ لوگ جو دوسرے کو خوش کر سکتے ہین پیدائشی غیر خود غرض ہوتے ہین اور چند ہی ایسے ہوتے ہین"

مے نوش :۔ بالکل درست ہم مین پیدائشی چند ہی قوی الجثہ ہوتے ہین۔ اسکا یہ مطلب تو نہین ہو سکتا کہ ہم طاقتور ہونیکی کوشش ہی نہ کرین۔ جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ ایسے لوگ دنیا مین موجود ہین جو خود بھی خوش رہتے ہین اور دوسرون کو بھی خوش رکھ سکتے ہین تو پھر ہم بھی ان جیسا ہونے کی کوشش کیون نہ کرین۔

چلکش :۔ (ذرا غصہ سے) اسکی تعلیم تو ہمکو ہزارہا برس سے ہو رہی ہے اور کوئی نیک نتیجہ ابھی تک برآمد نہین ہوا"

مے نوش :۔ نہایت اطمینان سے گفتگو ہونی چاہیئے غصہ کی ضرورت نہین۔ اگر کوئی نتیجہ برآمد نہین ہوا۔ تو یہ ہماری سرکشی اور کج فہمی پر دال ہے۔ ہم اپنی خوشی مین اضافہ کرنیکے خواہشمند ہین اور ہزارہا سال سے ہمین اسکی ترکیب بتائی جا رہی ہے اور پھر نہین کرتے"

چلکش :۔ (ذرا زور سے) ہم جتنا کرتے ہین اُسی کے قابل ہین۔ تم نے جو کچھ کہا اس سے خوشی حاصل کرنیکی بابت میرے علم مین کچھ اضافہ نہین ہوا مین پہلے ہی یہ سب باتین جانتا ہون"

مے نوش :۔ مگر تم اب بھی اسپر عمل پیرا نہین ہوگے کیونکہ تم جانتے ہو کہ فطرت کے بتلائے ہوئے قانون سے بہتر قانون خوشی حاصل کرنیکا نہین معلوم ہے۔ راستہ صاف ہے لیکن تم جیسے آدمی باوجود ہزارون برس سے اسکے متعلق علم ہونیکے اسپر گامزن نہین ہوئے جب تک تم اپنی سرکشی کو زیر نکرو گے اسوقت تک زندگی سے لطف نہین اٹھا سکو گے"

یہانپر چلکش کچھ تیز ہو گیا اور کہنے لگا "لطف لطف! کوئی بھی لطف نہین اٹھاتا ہے

مے نوش: ”اطمینان اطمینان - تیزی کی ضرورت نہین بہت سے لوگ لطف اُٹھاتے ہین“

چلڈکش: ”کون اُٹھاتا ہے“

مے نوش: ”ہمکو خدا اقرار ہے کہ وہ جو دوسرون کو خوش کرتاہے زندگی کا لطف اُٹھاتا ہے - اور ایک دوسرا گروہ ہے وہ بھی اُٹھاتا ہے“

چلڈکش: ”وہ کون گروہ ہے“

مے نوش: ”میرا مطلب اُس گروہ سے ہے جسمین خداداد اور اُسکی بیوی جیسے آدمی شامل ہین یعنی وہ گروہ جو خاندان کے مالک ہوتے ہین - اور اُسکی پرورش کا سامان کرتے ہین - مین اس گروہ مین شامل ہونے والون پر عمر کی کوئی قید نہین لگاتا ہون بلکہ جو شخص بھی دوسرون کے واسطے کچھ نہ کچھ کرتاہے وہ اسمین شامل ہے - لیکن عام طور سے والدین اسمین شامل ہین جو کچھ نہ کچھ اپنے علم دماغی وجسمانی محنت کو کام مین لاکر دنیا مین آہستہ آہستہ ترقی کررہے ہین - بعض دفعہ وہ اس دوڑ دھوپ مین پیچھے بھی رہ جاتے ہین لیکن اپنے عزم مین مستقل ہین - اور منزل مارے چلے جارہے ہین کبھی نہ کبھی آگے پہنچ ہی جائینگے - میرے خیال مین یہ لوگ سب سے زیادہ خوش کہلائے جانے کے مستحق ہین“

چلڈکش: (مسکرا کر) ”بے شک ہین - تمام ملک مین سب سے زیادہ فکرمند طبقہ تم نے چھانٹا ہے - یہ نہ سمجھنا کہ مین تمہارا مطلب سمجھا نہین سمجھا اور ضرور سمجھا - تمہارا مطلب متوسط طبقہ سے ہے جسمین والدین کا گروہ بھی شامل ہے جو ابھی تک اس منزل پر نہین پہونچا جہان انہین پہونچنا ہے لیکن پہونچنے کی کوشش کررہے ہین - باپ تو سارے دن دفتر مین یا گودام مین - یا کارخانہ مین یا دوکان مین یا کھیت پر کام کرتاہے اور مان گھر مین بچون کی غور و پرداخت کرتی اور خانہ داری کے کامون مین مشغول رہتی ہے تم لوگون کے چہرون کو دیکھکر خوشی کا اندازہ کرنے کیلئے کیون کہتے ہو - یہ لوگ تو وہ ہین جو ہمیشہ متفکر اور پریشان نظر آتے ہین - ان لوگون کو دیکھکر مجھکو تم خوش بتلاتے ہو تو ہین معلوم ہے کہ مجھے کیا یاد آجاتا ہے ان لوگون کو دیکھکر مجھکو ان آدمیون کا خیال آجاتا ہے جو موٹر مین بیٹھے ہون - اور کہین پہونچنا چاہتے ہون ان کو صرف منزل مقصود پر پہونچنے کا ہی خیال لگا رہتا ہے اور وہان پہونچنے کیلئے پریشان رہتے ہین مگر اُن کیلئے منزل مقصود سوائے غار کے اور کچھ نہین - کیا ایسے لوگون کو خوش کہوگے“

مے نوش: ”ضرور کہونگا - اگر وہ خوش نہین ہین تو یہ انکی نادانی ہے کہ وہ جانتے نہین کہ وہ کسقدر خوش ہین“

اسپر حاضرین کو کچھ ہنسی آئی - جو لوگ وہان موجود تھے انہون نے مے نوش کی شکست کو تسلیم کرلیا -

چلڈکش نے مے نوش کے خوشامدیون کو موٹر مین بیٹھنے والون سے تشبیہ دی تھی - مین واپسی پر راستہ بھر اسی پر غور کرتا رہا کیا واقعی چلڈکش اور مے نوش دونون صحیح راستہ پر نہین ہین اور خصوصاً مے نوش مگر سنئے مین نے حال ہی مین کسی دلچسپ مقام پر ایک لمبا سفر موٹر مین کیا تھا اور جب آدھے سے زیادہ سفر طے ہوگیا تو خیال آیا کہ مین نے اس سفر سے کافی لطف نہین اٹھایا - مجھے خیال ہوا کہ مین نے سوائے گاڑی کی تیز رفتاری کے اور شام کے وقت منزل مقصود پر پہونچنے کے خیال کے اور کسی بات کا خیال ہی نہین رکھا - شام کے وقت جس قصبہ مین قیام ہونا تھا وہان نہ مجھے کچھ دیکھنا تھا اور نہ کچھ کرنا تھا - اور یہ جگہ کچھ ایسی دلچسپ بھی نہ ہوتی تھی جیسا کہ راستہ - تاہم سوائے شب باشی کے مقام پر پہونچنے کے خیال کے اور کوئی دوسرا خیال نہین آتا تھا - ہر روز یہی حالت تھی اور اسمین کچھ فرق نہین پڑتا تھا - لیکن جب رات کو سونے کیلئے لیٹتا تھا تو راستہ مین جو کچھ نظر پڑتا تھا اسپر بہت اطمینان کے ساتھ غور کرتا تھا - یہ سفر موٹر مین صرف سیر وتفریح کیلئے کیا تھا نہ کہ منزلین شمار کرنے کیلئے لیکن سفر مین منزل پر پہونچنے کیلئے پریشان رہتا تھا - مگر جلدی ہی مین نے اپنی اصلاح کرلی جب مین سڑک پر چلتا تو اپنے دل مین کہتا ”مین یہان گھر سے اتنی دور صرف

اس لئے آیا ہون جواب کر رہا ہون یعنی قدرتی نظارون سے لطف اُٹھانے کیلئے نہ کہ بستر جانے کی جگہون کو شمار کرنے کیلئے مین سڑک کے ارد گرد کے نظارون کا لطف اُٹھانے آیا ہون۔

میرے خیال مین میرے چہرے کی حالت ایسی بدل گئی کہ اگر مے نوش دیکھ پاتا تو بہت خوش ہوتا۔ میرا تفکر جاتا رہا اور خوش و خرم نظر آنے لگا۔ پس مین نے خرابات سے واپس آتے ہوئے خیال کیا کہ مے نوش زیادہ راستی پر تھا جبکہ اُسنے آخری بیان چلہ کش کی تقریر پر زیادہ خوش اشخاص جو کہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہین اور جن مین والدین کی زیادہ تعداد شامل ہے اور جو ابھی اُس حالت پر نہین پہونچے ہین حالانکہ وہ ترقی کر کے جانا چاہتے ہین "سڑک" کے لطف کو بھول گئے ہین۔ ہم اگر یہ سمجھ جائین کہ ہم کسقدر خوش ہین تو اپنی خوشی مین بہت کچھ اضافہ کر سکتے ہین۔ کچھ عرصہ کے بعد مے نوش کے خوش باش آدمی جنکو چلہ کش متفکر اور پریشان کے نام سے یاد کرتا ہے کہین گے کہ ہم تو پہلے ہی خوش تھے۔ وہ ایام جو تفکرات۔ ناامیدیون۔ نقصانات اور بیم و رجا سے بھرے تھے وہی اصل عیش و شادمانی کے تھے۔ وائے نادانی کہ اُسوقت ہم نہین سمجھے اور پورا لطف نہین اُٹھایا۔ صرف منزل مقصود پر پہونچنے سے ہم خوش نہین کہلائے جا سکتے۔ ہم زندگی کی سڑک کا لطف اُٹھانے کیلئے آئے ہین نہ کہ منزل پر پہونچنے کیلئے۔

(ماخوذ)

ریاض احمد (میرٹھ)

غزل

محبت نے اعجاز پیدا کیا ہے — مرے قلب کو طور سینا کیا ہے
شب غم کی ظلمت مین ای جان عالم — تبسم نے تیرے اجالا کیا ہے
منور کیا میری سینہ کو تو نے — اُدھر چشم انجم کو بینا کیا ہے
مری چارہ سازی کوئی کیا کریگا — کہ یہ درد خود مین نے پیدا کیا ہے
کسی کے خیال جنون آفرین نے — مرے صفحۂ دل کو صحرا کیا ہے
طلسم مہ و خور کی افسونگری نے — ہمین بندۂ دے و فردا کیا ہے
ترے حسن کی خود نمائی نے آخر — زمانے کو محو تماشا کیا ہے
مرے دل نے پہلو سے آوارہ ہو کر — مجھے ساری دنیا مین رسوا کیا ہے
محبت کے ایثار نے خود گری نے — ہر اک قطرہ کو عین دریا کیا ہے

تری طبع موزون نے ای میر مجھکو
غم عاشقی سے شناسا کیا ہے

میر ولی اللہ بی۔ اے

حضرت شیخ نظام الدین چشتی کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ

سید نام، نظام الدین لقب، والد کا نام قیام الدین تھا، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اولاد سے تھے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملتا تھا اور والدہ کی طرف سے سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے۔ معین الاولیا میں لکھا ہے:۔

"سلسلۂ نسب پاک او بہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منتہی میشود۔ و از نبیرگان شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی"

بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو اورنگ آبادی لکھا ہے۔ لیکن اورنگ آباد آپکا مدفن ہے، مسقط الراس کاکوری ہے۔ کاکوری چار پشتوں سے آپکے بزرگوں کا وطن و مسکن تھا جہاں وہ نہایت عزت و حرمت سے رہتے تھے دادا کے زمانہ میں امارت کے ساتھ فقر کی بھی آمیزش ہوئی، اسوقت سے آپکے زمانہ تک یہی کیفیت رہی، سلوک و امارت کی نہریں دونوں ایک ساتھ بہتی تھیں۔ لیکن آپنے اسطرف آتے ہی اس زمین کو آسمان بنا دیا۔ دادا کا سلوک اپنی ذات کیلئے تھا۔ اور امارت کی وجہ سے یہی بڑی بات سمجھی جاتی تھی۔ اطراف و نواح میں شہرت ہوگئی تھی۔ مگر پوتے کا سلوک فیض عام تھا، اسکے آوازۂ شہرت سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔

والدین نے تعلیم و تربیت کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔ ہر علم کو ان علماء سے پڑھوایا تھا جو اسمیں خاص مہارت رکھتے تھے۔ وہ خود بھی حدیث و فقہ کے اچھے عالم تھے کبھی کبھی درس دیتے، اور ہر ہفتہ امتحان لیتے تھے۔ عام نگرانی کی غرض سے ایک اتالیق بھی مقرر تھا۔

دستار فضیلت بندھ چکی تو والدین نے مندیل نکاح باندھنی چاہی۔ پوچھا کیا مرضی ہے؟ بولے: اس کیلئے سر کہاں سے لاؤں، ایک کیا کم ہے جو دوسرے کی فکر کروں۔ کہا آخر تجرد کی زندگی کب تک بسر کروگے، یہ تو بالکل بے کیف زندگی ہے۔ جواب دیا: دو ستیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں، میری سرشاری کیلئے یہی صہبائے بے کیف کفایت کرتی ہے۔ غرض آپ کسی طرح نہ مانے، اور جتنا زمانہ اعتکاف میں گذارنا قسمت ہوچکا تھا، استقلال و پاکدامنی سے اتنا زمانہ گذار کر شبستان عشرت میں داخل ہوئے۔

آپکا مبلغ علم اب تک صرف معقولات تک محدود تھا۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، ادب، معانی، بیان کی تشنا ورسی کرتے تھے۔ معقولات سے بالکل اجنبی تھے۔ اساتذہ کے اشارہ سے بارہا چاہا کہ اس شجر ممنوع کو بھی ہاتھ لگائیں۔ لیکن والد نے اسی وقت ٹوک دیا۔ وہ معقولات ایمان کیلئے زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔

لیکن مشیت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اسکو یہی منظور تھا کہ آپ اسکی بھی تکمیل کریں، آپنے اسکی تحصیل کا بھی عزم کیا۔ والد سے اجازت لینے گئے تو انھوں نے پھر منع کیا۔ وہ بولے: معقولات کے حجرۂ قیل و قال میں جاکر کیا کروگے؟ وہاں سوائے تاریکی کے کچھ نہیں۔ یہاں قدم رکھتے ہی ایمان و اطمینان کو ترس جاؤگے، حق و صداقت کی روح، اور عمل صالح کے جذبات مردہ ہوجائیں گے، ظنون و شکوک کی آندھیاں چلینگی، اور بے اطمینانی و بے یقینی سے دل کی کلی پژمردہ ہوجائیگی۔ پھر اس سے کیا فائدہ؟ جو راز سربستہ ہیں سربستہ ہی رہیں گے، معقولات کی تحصیل سے طفنست از بام نہیں ہوسکتے

ان حقیقتوں کا کشف تزکیہ و تصفیہ ہی سے ہو سکتا ہے، تمہیں اس ارادہ سے باز آنا چاہئے۔ ہر مسلمان کو قرآن حکیم بس کرتا ہے، اور ہر شعبۂ حیات کے لئے سنت و سیرت بہترین رہنما ہے۔ اسی کی روشنی میں چلنا چاہئے، باقی سب فضول و بیکار ہے۔ غور کروگے تو اصحاب حدیث و سنت کے مقالات طیبہ میں، ائمۂ اربعہ کے ماثورات عالیہ میں، اہل بیت رسالت کے اقوال حکمیہ میں وہ غوامض و اسرار اور نکات و معارف پاؤگے، جس سے یونانیات کے دفتر کا ورق یاد رکھو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خودکشی کروگے" تاہم آپ اسپر راضی نہ ہوئے، اور کیسے راضی ہو سکتے تھے۔ آپ کو اس راہ چلکر جس منزل کو پہنچنا تھا، وہاں تک صرف یہی راہ لیجاتی تھی۔ ناممکن تھا کہ ہوتے والی بات کی گرفت سے چھوٹ کر والد کے روکے رک جاتے۔ بولے "جو ایمان معقولات سے شکست ہو جائے، وہ سلامتی کے ناقابل ہے۔ اسکے تار و پو دکو بکھر جانا چاہئے، جو شخص مقدس کام میں تامل کرے وہ گنہگار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا مذہب ایسا نہیں ہے۔ معقولات کی طرف سے آپکی بدگمانی حد سے گزر گئی ہے۔ اس سفر کی ابتدا آپ بہتر نہیں سمجھتے مگر یقین کیجئے انجام بہتر ہوگا۔ مستقبل کی سربلندیاں اسی طرف بلاتی ہیں یقین و ایمان کی جہاں تاب روشنی اسی خیمہ سے نکل رہی ہے" یہ کہکر آپ رخصت ہوئے اور اپنے مرکز کی طرف روانہ ہوئے۔

صاحب اخبار الاولیا اس ذوق و شوق کیوجہ ایک خواب بتلاتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے ایک رات آپنے خواب دیکھا کہ دہلی میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوں، دل و دماغ نور ایمان سے تابندہ ہے، تعینات و تشخصات کے حجاب اٹھ گئے ہیں جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی ہے، اور فراز کی طرف برابر بڑھ رہا ہوں۔ یہ دیکھکر نماز شکرانہ ادا کی، اور والد سے گفتگو کر کے کاکوری سے نکلکر دہلی پہنچے

دہلی پہنچکر ان بزرگ کی تلاش کی، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے آخر پتہ چلگیا۔ یہ بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی تھے۔

شاہ صاحب کے تذکرہ میں تم پڑھ چکے ہو کہ وہ اپنے عہد کے علما و فضلا میں ایک خاص شان رکھتے تھے، اور امامت فی الدین کے درجۂ عالی پر ممتاز تھے۔ ان کے علم و فضل کا صفوت المقال رسوخ سنت و سیرت تھا، اور گو اس زمانہ کی دلی ایسے لوگو سے خالی نہ تھی جو عقل و نقل میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے ہوں لیکن ان سب کی عملی و اعتقادی حالت دین قیم کے مسلک قویم سے برگشتہ تھی۔ مگر ایک شاہ صاحب ہی ایسے تھے جو دونوں میں فضل و کمال رکھنے کے ساتھ عمل و اعتقاد میں بھی اپنے ہم عہدوں کیلئے نمونہ تھے۔ اور "دل بہ یار و دست بکار" نے ان باتوں کے حسن و جمال میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا دور دور سے لوگ آتے تھے اور شاد کام ہو کر جاتے تھے۔ پنجاب، بنگال، سندھ، دکن، گجرات کے طالبان علم و تشنگان طریقت کا ہر وقت انبوہ لگا رہتا تھا۔

آپنے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کی، اور ہر سوال کے جواب میں یہی سنا کہ ہماری آنکھوں نے انکا مثل نہیں دیکھا، بے تامل اٹھکر وہاں پہنچ گئے، اور اپنے تئیں ان کے حوالہ کر دیا۔ اسوقت سہ پہر کا وقت تھا، مجلس سماع منعقد تھی اور دروازے سب بند تھے۔ آپنے خادم سے کہا، اس نے جاکر اطلاع کی نظام الدین نامی ایک شخص آیا ہے، فرمایا بلالو، اخوان مجلس نے کہا یہ خلاف قاعدہ ہے۔ فرمایا نام سے شناسائی کی بو آتی ہے، غیر نہیں دوست ہے خادم گیا اور بلا لایا۔ آپ اس سے پہلے کبھی اس قسم کی مجلسوں میں شریک نہ ہوئے تھے، دیکھکر اچنبھا کرنے لگے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ بعد سماع گفتگو ہوئی، شاہ صاحب بہت محبت و شفقت سے پیش آئے، اور آپکی درخواست منظور کر کے اپنے ہی مکان کے ایک حصہ میں رہنے کا انتظام کر دیا۔ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے تھے، پڑھنا پڑھانا شروع کر دیا، اور تھوڑے عرصہ میں منقولات کے ساتھ معقولات کے دروازے آپ پر وا ہو گئے لیکن اسی کے ساتھ ایک اور کتاب بھی کھولدی گئی تھی، اور اسکی خاموش آوازیں چپکے چپکے آپ کو کچھ اور بھی پڑھا رہی تھیں۔ سماع کی مجلسوں میں بھی آنے کی اجازت تھی، حلقہ میں بھی بیٹھ سکتے تھے۔ ان مجلسوں میں آپ کبھی کبھی شریک ہوتے، اور عشق کی شورشیں دیکھ دیکھکر اپنے اندر بھی ایک حریصانہ بیتابی پاتے تھے۔

یہ کام جاری ہی تھا، اور دل آہستہ آہستہ پرسوز ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب کے ایک عزیز مدینہ منورہ سے آئے، اس تقریب میں مجلس سماع منعقد کی گئی، اس روز کاروبار محبت کا جوش حد سے افزون تھا، آپ بھی شریک مجلس تھے، اور ہمہ تن از زمین ڈوبے ہوئے تھے۔ مجلس برخاست ہوئی تو آپ جلدی سے اُٹھکر پاانداز کی طرف گئے، اور شاہ صاحب کی جوتیاں صاف کرکے سیدھی کین۔ انہوں نے تبسم کیا، فرمایا یہ باتین عالما نہ شان سے بعید ہیں۔ تم یہاں تحصیل علم کیلئے آئے ہو، خدمت و چاکری کیلئے نہیں آئے۔ مجھے یہ دیکھکر تکلیف ہوتی ہے، تم میرے مہمان ہو" آپکی آنکھون میں آنسو بھر آئے، عرض کیا ؎

ما کہ داد یم دل و دیدہ بطوفان بلا گو بیا سیل غم و خانہ ز بنیاد ببر

بعد ازان بیعت شریعت کی اور جب اس میں پوری طرح کامیاب ہوگئے تو داخل طریقت کیا، اور اللہ فضل و کرم سے چند روز میں اعلیٰ مقامات سلوک تک سربلندی پائی۔ معین الاولیا میں لکھا ہے:

"بطلب علم بخدمت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ حاضر شدہ بعد از فراغ علوم ظاہری در تحصیل امور باطن اکتساب کرد، و محنت و ریاضت شاقہ کشید"

ارشاد و ہدایت کی اجازت ملی، آپ نے شکر نعمت میں تین مہینہ کا اعتکاف کیا، شاہ صاحب نے اس زمانہ میں خاص توجہ مبذول رکھی۔ زاویۂ اعتکاف سے نکلے تو ملک دکن کی حکومت تفویض ہوئی، اور اورنگ آباد مستقر قرار پایا۔

دکن عرصہ سے ایک ہادی شرع و طریق کیلئے مضطرب تھا ہر طرف مذہبی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اور دن بدن حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ لیکن آپ کے جاتے ہی انقلاب کی ہوائیں چلنے لگیں، حالت بدلنی شروع ہوگئی، اور سارا دکن اس مقدس انقلابی کا پابوس ہوگیا۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگون نے قدم بوسی کی، امرا، فقرا، علما بیعت ہوئے۔ جو شخص آتا بلا فرق و امتیاز مجلسون میں بار پاتا، کسی کیلئے کوئی خصوصیت نہ تھی، شاہ و گدا کا ایک رتبہ تھا۔ بیعت کا سلسلہ اسقدر وسیع ہوا کہ مریدون کی تعداد پانچ لاکھ سے زائد ہوگئی۔ عقیدت مند دکن کی کل آبادی تھی۔

فتوح و نذرانے بکثرت پیش ہوتے تھے، مگر وہ سب فقرا کا اذوقہ اور حاجت مندون کی رفع ضروریات کا بیت المال تھا۔ آپ خود کچھ ریاضت کرکے اپنی خورد و نوش کا انتظام کرتے تھے۔

لیکن کاکوری کا یہ امیرزادہ داعی طریقت ہی نہ تھا، بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی تھا۔ اس آفتاب کی شعاعیں صرف سلوک کے منارون ہی پر نہیں چمکتی تھیں، بلکہ اسکی روشنی سے اصلاح اعمال کے گوشے بھی منور ہوتے تھے۔ انوار العارفین میں لکھا ہے:

"در بلدۂ اورنگ آباد سکونت اختیار کردہ ہنگامۂ تعلیم و تلقین و اعلاء کلمۃ الحق گرم ساخت"

اخبار الاولیا میں لکھا ہے:

"طالبان راہ یقین و اعیان و اشراف دین را بتلقین و رہبری بمنزل مقصود رسانید"

گاہ گاہ تصنیف و تالیف کا شغل بھی رہتا تھا۔ معین الاولیا میں لکھا ہے:

"صاحب تصانیف بود، اشہر تصانیف او رسالۂ نظام القلوب است"

اتباع سنت کی یہ کیفیت تھی کہ جب سے طریقت میں آئے پلنگ پر نہ سوئے، نرم نرم بستر و بستر لیٹنا چھوڑ دیا، ہمیشہ بوریہ پر لیٹتے تھے۔ شاگرد

توجہ دلاتے کہ اس سے چشم پریشان ہو جاتے ہیں، تو فرماتے: ان پریشانون کے سوا میرے پاس اور کیا چیز ہے جو مین اپنے آقا کے سامنے پیش کرونگا۔ گیہون کی روٹی گوشت کا سالن نہین کھاتے تھے۔ ترکاری مین گھی کی جگہ زیتون کا تیل ڈالا جاتا تھا۔ محبوب ترین غذا جو کی روٹی، ساگ، ثرید اور چھوہارے تھے بیماری کے زمانہ مین اکثر شہد کا استعمال کرتے تھے۔

لیکن اس شدت اتباع کے ساتھ عاشقانہ سرگرمیون کا بھی یہ حال تھا کہ ہر وقت از خود رفتہ رہتے تھے۔ قریب قریب روزانہ سماع کی مجلسین منعقد ہوتی تہین، دور دور سے قوال بلائے جاتے تھے، ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، جو چاہے روحانیت کے جام سبو پئے، کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی گویا شیخ "در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق" کا مجسم نمونہ تھے۔

ایک روز شام کا وقت تھا، یاران طریقت بزم افروز تھے، ایک آیا اور عرض کیا ابھی ایک رباب نواز لایا ہون، حکم ہو تو حاضر کرون۔ گل محمد ایک مقرب خادم تھے، وہ بولے: کیا صدائے رباب ستار کے بتیاب نالون سے بہتر ہے؟ فرمایا ؎

از کاسۂ رباب مرا نعمتے رسید　　　شد آفتاب ہر کہ ازان ذرہ چشید

رباب کے ساتھ ہنگامۂ سماع گرم ہوا، اور ساری محفل کو ہلا دیا۔ مجلس برخواست ہوئی تو شیخ مترنم ہوئے ؎

خشک تار و خشک چوب خشک پوست　　　از کجا می آید این آواز دوست

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست۔　　　خود بخود می آیدین آواز دوست

لیکن شاہ صاحب کی زندگی کا یہ رخ ان کی شان سے فروتر ہے۔ ان کا کام طریقت کی بادہ نوازی ہی نہ تھا، شریعت کی نور آشامی بھی تھا، اور یہ کام پہلے کام سے مقدم تھا۔ اسمین شک نہین کہ قیام شریعت کیلئے انہون نے بہت کوششین کین، ان کی خانقاہ اعتصام سنت کی جلوہ گاہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اس جلوہ گاہ کی ساری روشنیون کو ان کے ایک کام نے دھندلا کر دیا۔ وہ سماع کے اتنے دلدادہ ہو گئے تھے کہ شب و روز اسی مین منہمک رہتے، آزادی و بے باکی سے مجلسین منعقد کرتے، اور اہل و نااہل سب کو شریک کرتے۔ سماع ایک بہترین روحانی نعمت ہے، لیکن اس نعمت کا حصول چند شرائط پر منحصر ہے۔

اس سے پہلے سخت پابندیان تھین، سماع کے خاص اوقات تھے، اول و آخر قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی تھی، ہر آغاز مین نعت کا پڑھا جانا ضروری تھا، اور نماز کے وقت مجلس برخاست ہو جاتی تھی۔ لیکن شیخ کی مجلسین پابندیون سے آزاد ہوتی تھین۔ جو شخص چاہتا شریک ہوتا، اکثر نماز کے وقت بھی سماع جاری رہتا، آغاز و اختتام پر تلاوت اور درود و سلام بھی ضروری نہ تھا، اور نہ گانے والون کیلئے کسی قسم کی قید تھی۔ شیخ کا تو کچھ نہ تھا، مگر عوام کیلئے یہ ادن عام خطرناک تھا۔ چنانچہ اسی وقت سے سماع مین ایک عظیم تغیر ہو گیا، اشرار و شیاطین کو شکار کھیلنے کا موقع بن آیا، ہر خود کام صوفی بن بیٹھا اور گمراہ طبیعتین آہستہ آہستہ صلاح نفوس سے بیگانہ ہو کر، رندی و ہوسناکی کی پرستار بن گئین۔ تا آنکہ ایک صدی کے اندر ہی سماع کی صورت بالکل مسخ ہو گئی۔ اچھائیان مٹ گئین اور برائیون نے اپنے پنجے جما دیئے۔ روح سماع مردہ ہو گئی، اسکی ساری برکتون اور فائدہ سے کچھ باقی نہ رہا، اور اس ایک چیز نے سلوک چشتی کے ہر خشک و تر کو برباد کر دیا۔

لیکن ایک غلطی ہو چکی اسپر بحث فضول ہے، اصل کام تلافی مافات ہے، طعن و اعتراض کی دریدہ دہنی نہین ہے۔

سماع کا مقصد عشق الٰہی کے جذبات کو حرکت میں لانا ہے، یہ نہ ہو تو سماع حرام ہے۔ شیخ یحییٰ منیری نے لکھا ہے:

اگر بر دل کسے محبت و عشق خلوقے بود کہ نظر کردن بروے حرام است، و ہرچہ شنود آنجا فرود آرد سماع در حق چنین کسے حرام است" ۵۱

ظاہر ہے کہ اب کثرت ایسے لوگوں کی ہے جو عشق الٰہی سے بہت دور ہیں۔ اور سماع کا وہ مقصد بھی نہیں رہا ہے، بلکہ یہ لطف صحبت کا ایک سامان بن گیا ہے جس کے ذریعے جو اُنکا آب و رنگ دیکر کھلے بندوں شیطانیوں کو پرورش کیا جاتا ہے۔ نفس کی فریب کاریاں گویہی یقین دلاتی ہیں کہ یہ عشق حقیقی کی جنوں خروشیاں ہیں، گر حقیقتہً ایسا نہیں ہے۔ انسان کے نفس کا یہ سب سے بڑا فریب ہے کہ وہ خود اپنی ذات کو بھی فریب دیتا ہے، اور خدا کو بھی اپنے مکر کے جال میں لانا چاہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جبکہ فسق و عدوان نے ہر طرف سر اٹھایا ہے، نفس کی مکاریاں پھیل رہی ہیں، عشق الٰہی کا کوئی رکھوالا نہیں رہا، اور دنیا روحانی طبیبوں سے خالی ہوگئی ہے، تو چاہئے کہ عہد اقبال کی ترانہ سنجیاں بند کر دی جائیں، زمانۂ صحت و قوت کی غذائیں چھوڑ دی جائیں، اور صحت و اقبال لٹانے والے اخلاق پیدا کئے جائیں۔ ورنہ اس بے احتیاطی اور بے پرہیزی کا نتیجہ موت ہوگا۔ اور جب قویٰ بالکل کمزور ہو جائیں گے، جب زندگی کے عناصر میں اضمحلال اور کمی ہو جائیگی، جب مرض طبیعت پر غالب آجائیگا، تو کوئی علاج، کوئی تدبیر، کوئی دوا نہ کارگر نہ ہوگی، اور جو لوگ ان ان باتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کا ٹھکانا دائمی مفارقت خداوندی اور روحانی کوفت کا جہنم ہوگا۔

آپ کو شاہ صاحب سے بہت محبت تھی، چنانچہ جب ان کے انتقال کی خبر سنی تو حالت غیر ہوگئی۔ معین الاولیا میں لکھا ہے:

اورا با حضرت شیخ کلیم اللہ محبت و موانست بمرتبۂ عشق بود۔ چنانچہ بعد وفات شیخ در گوشۂ خمول و عسرت، در کنج تنہائی و فراق چندے بسر نہ بردہ بود کہ تقاضائے طلب از مطلوب حقیقی در رسید، و مزید برآن زحمت مفارقت و مہاجرت نہ پسندید۔ لاجرم بحکمت اتمام حجت ظاہری امراض متعدد عارض شدند، و قریب تراز زمان رحلت شیخ، محمل زندگانی از ین سرائے فانی بعالم قدس و جاودانی بربستند"

تاریخ وصال ۱۲- ذی قعدہ ہے، عمر ۸۲ برس کی تھی، مزار اورنگ آباد میں ہے۔

اولاد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پانچ لڑکے تھے۔ لیکن مسند آرائے خلافت فخر الدین ہوئے، جو سلسلۂ نظامیہ کے آخری تاجدار تھے۔

ناظر دہلوی

قرون وسطیٰ میں مشرقی تجارت

تمہید مشرق ومغرب ہمیشہ ترازو کے پلڑون کی طرح رہے ہین ۔ جب مشرق مجد وترقی کی بلندیون پر جلوہ گر تھا تو مغرب جہالت وادبار کے گڑھون مین پڑا ہوا تھا ۔ لیکن جب مغرب مین تمدن وتہذیب کا آفتاب طلوع ہوا تو مشرق کی تابناکیان ظلمت سے بدل گئین ۔ اسی طرح اب جبکہ مشرق مین قرنون اور صدیون کے بعد آثار حیات پیدا ہونا شروع ہوئے تو مغربی تہذیب وتمدن مین بھی اسی کے ساتھ ساتھ گھن لگنا شروع ہوگیا اور جون جون مشرقی زندگی کے شواہد توی ہوتے جائین گے ، مغربی حضارت وعمران کی بنیا دکھوکھلی ہوتی جائیگی ۔

یہ صرف ہمارا خیال وقیاس نہین بلکہ خود علماء مغرب نے اپنے عالمانہ استدلال سے ثابت کر دیا ہے کہ مغرب روز بروز پستی اور ہلاکت کی طرف جا رہا ہے ، اور مشرقی بیداری بہت جلد مغرب کی موت کی شکل مین نمودار ہونے والی ہے ۔

قرون وسطیٰ مین جبکہ مشرق کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکتا رہا تھا اور علوم وتجارت ، صنعت وحرفت اور زراعت کی ترقی کے باعث چپہ چپہ دولت وفراغت آسائش وبے فکری کا گہوارہ بنا ہوا تھا مغرب پر انتشار وپراگندگی کا دور طاری تھا تمام یورپ چھوٹے چھوٹے ٹکڑون مین تقسیم ہوکر مستبدانہ وجابرانہ ملوکیت کی غلامی کر رہا تھا ، جہالت کی تاریکیون سے عقل وہواس مخبوط ہو رہے تھے ۔ غرض کہ تمام مغربی قومین اوہام وجہالت ، تنگ نظری وتعصب کے عذاب الیم مین گرفتار تھین ۔

مغرب کی یہ حالت بدستور اس وقت تک قائم رہی جب تک مشرقی تمدن کا آفتاب مائل زوال نہین ہوا لیکن بعد مین جون جون مشرق کے اُفق پر تاریکیان پھیلتی گئین مغرب مین تہذیب وتمدن کی شعاعین تیز اور روشن ہونے لگین حتی کہ آج وہی مشرق جس کی بساط پر ہے ۔ یون مغرب نے ریزہ چینی کی تھی یورپ کے قدمون کے نیچے غلامانہ زندگی بسر کر رہا ہے اور خدا جانے ابھی کب تک یورپ کے غرور ونخوت کی ٹھوکرون سے مشرق کی پیشانی خون آلود رہے بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو زبان قلم سے بے اختیار نکل گیا ۔ اصلی مقصود مشرق کی تجارت اور اسکے حدود وسعت وترقی کا بیان ہے ۔

فارس زمانہ کی گردشون نے جب سکندر اعظم کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے کر ڈالے اور یونانی عظمت وجلال کا پرچم سرنگون ہوگیا تو فارس کو بھی یونانی حکومت کا کافی حصہ مل گیا اور رفتہ رفتہ ایران کی تجارت جو ہندوستان اور وادی فرات مین محدود تھی یونان ہندوستان اور چین تک پھیل گئی اور جب تک اسلام کی مقدس شعاعین ضوفشان نہ ہوئین برابر چار سو سال تک ان ممالک پر ایرانی تجارت کا قبضہ رہا اور دار السلطنت تونیہ تمدن وثروت ، فراغت وخوشحالی کا مرکز بنا رہا ۔

مملکت شرقیہ قسطنطین نے جب دار السلطنت بدلنا چاہا اور روم جدید کی بنیا ڈالنے کا اسکو خیال پیدا ہوا تو اس نے اس شرف کیلئے بیزنطہ کو پسند کیا جو تجارتی اور جنگی اہمیت کے اعتبار سے عدیم النظیر اور قابل رشک مقام تھا اور اسکی تعمیر وتکمیل مین بے انتہا اور بے حساب دولت خرچ کرنا پڑی اور یہی وہ روم جدید ہے جو اول روز سے آج تک دول اور سلاطین کا مطمح نظر بنا ہوا ہے اور تمام حکومتین اس پر قبضہ وتسلط کے لئے بے چین نظر آتی ہین ۔ چونکہ قسطنطین کا منشا تھا کہ روم جدید یعنی اسکا جدید دار السلطنت باعتبار عظمت وشہرت قدیم روم سے بڑھ جائے اس لئے اس نے اس کی تعمیر وآرائش مین دلی

کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ اور بعد مین اسکے جانشینون نے بھی اسکے اس منشاء کی تکمیل کی طرف سے بے اعتنائی برتی بلکہ اسی ذوق وشوق سے روم جدید کی رونق وعظمت دوبالا کرنے کیلئے فیاضی سے زرافشانیان کرتے رہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ مین لوگون کیلئے اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہوگیا کہ روم جدید کو ترجیح دیجائے یا روم قدیم کو۔

پھر جب یوستانیوس کا زمانہ آیا تو اُسنے اپنے ذوق کے مطابق ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی کی طرف توجہ مبذول کی اور ریشم کے کیڑے فراہم کرکے ریشم کی پیداوار مین اضافہ کرنا چاہا چنانچہ اسے اپنی اس اسکیم مین منشاء کے مطابق کامیابی ہوئی علی الخصوص قبرس وصقلیہ کے جزیرون مین ریشم کی پیداوار غیر معمولی ہونے لگی اور بہت جلد حریر وریشم کی حیرت انگیز صنعت نے اہمیت حاصل کرلی اور اسکی تجارت کے سبب سے ملکی دولت مین غیر معمولی اضافہ شروع ہوگیا۔

مشرقی یونان مین تجارتی بیڑہ کو خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ اسی بیڑہ کی بدولت بحر متوسط مین یونانی تجارت کا تسلط وقبضہ تھا یونان کو نامساعد اسباب وحالات کی بناپر ابتدا مین جو کچھ نقصانات برداشت کرنا پڑے تھے اسکی تلافی نہایت سرعت سے قسطنطنیہ (روم جدید) کے روزافزون عروج وترقی نے کردی، کیونکہ آبادی کی کثرت کے سبب سے ضروریات کی کثرت مین بھی اضافہ ہوگیا اور ان ضروریات کی فراہمی کیلئے ایک زبردست تجارتی بیڑا تیار کیا گیا جسکے باعث یونان کی تجارت نے غیر معمولی وسعت حاصل کرلی خصوصًا مشرق اقصیٰ مین۔

یونانی ہندوستان مین تجارت کیلئے بحر قدیم سے اسکندریہ ہوتے ہوئے پہنچتے تھے مگر جب اسلامی اقتدار کی وسعت اس راستہ سے آمد ورفت مین حائل ہوگئی تو ان کے قافلے اکثر بلاد فارس سے اور کبھی عرب ہوتے ہوئے اسکندریہ پہنچنے لگے لیکن اسکندریہ پر مسلمانونکا قبضہ ہوجانے کے سبب سے بحر قدیم کا راستہ بالکل بند ہوگیا اور اب یونان کی تجارت خشکی کے دو راستون سے ہونے لگی ایک راستہ شام کا تھا جو حلب انطاکیہ اور دمشق ہوتا ہوا جاتا تھا اور دوسرا بحر اسود کا ساحلی راستہ تھا جو بلاد تتر سے گذرتا تھا بعد مین یونان کا تجارتی سلسلہ روس ووسط یورپ مین شروع ہوگیا جس نے قسطنطنیہ کی تجارت کو اور بھی فروغ دیدیا اور انہون نے تجارت کا راستہ کیف نووگرڈ سے نہر ڈنیپر اور الاڈو جو باسفورس کو بالٹک سے ملاتا ہے اختیار کیا اور نہر الاڈوگا کے کنارے کے قریب تجارتی مرکز قائم کرلیا چنانچہ نووگرڈ اور کیف کی تجارت وادی ڈانوب اور رین کی تجارت سے مل گئی۔

اسی زمانہ مین سالونیک اور ترابزون نے بھی تجارتی اہمیت حاصل کرلی تھی اور قسطنطنیہ کے بعد انکا شمار ہونے لگا۔ سالونیک کی شہرت اسکی صنعت وتجارت کی وسعت کے سبب سے تھی اور ترابزون چونکہ یونانی اور اسلامی سرحد پر واقع تھا اس لئے وہ مسیحی اور مسلمان تاجرون کی متفقہ منڈی بن گیا اور تجارتی نقطۂ نظر سے مخصوص رتبہ حاصل کرلیا باقی طیبہ کورنس اور پطراس تجارت کے مشہور مقامات تھے۔

نہضت اسلامیہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر تھا کہ عرب کی بدوی قوم مین دفعتہً تمدن وترقی کی ناقابل تسخیر قوت پیدا ہوگئی اور اسکے فاتحانہ اقدامات نے تھوڑے سے عرصہ مین غربی ایشیا، شمالی افریقہ، اسپانیا، اور بلاد سسل کے ایک حصہ کو ان کے زیر نگین کردیا اور تمام شہرون مین تجارت کی عظیم منڈیان قائم ہوگئین اور بلاد اسلامیہ شرقی تمدن اور علوم وفنون کا مرکز ہوگئے۔

اسلامی صنعت جسقدر جلد مشہور ہوئی اور خوبی واستحکام، صفائی ونزاکت کے اعتبار سے جو کمال حاصل ہوا حیرت انگیز تھا اسکے عالیشان محلات ومساجد اور دیگر تعمیرات نے وہ مقبولیت پیدا کی کہ بغداد کی مسیحی جماعت نے بھی گرجون کی تعمیر مین انہین کا اتباع کیا اور ان کی مصنوعات آرائش وزیبائش تکلف وتنعم بعید ترین ممالک مین بے انتہا مقبول ہوگئین۔

بلاد اسلامیہ میں حسب ذیل مقامات کو تمدن و تہذیب علوم و فنون، تجارت و صنعت کے اعتبار سے اس وقت میں جو شہرت حاصل ہوئی قطعًا غیر فانی ہے۔

دمشق ۔ جو بنی امیہ کا پایۂ تخت تھا مختلف صناعیوں میں مشہور رہا علی الخصوص ریشم کا کام وہان کی اعلیٰ و بہترین صنعت کا نمونہ تھا اور عرصہ دراز تک جب تک بغداد نے عروج نہ حاصل کر لیا دمشق ریشم کے کام کی عظیم الشان منڈی بنا رہا۔

بغداد ۔ دمشق کے بعد بغداد کو عروج ہوا اور عباسی خلافت کا دارالخلافہ ہو گیا اور تین صدی تک اسکو دنیا کے سب سے زیادہ دولتمند اور باثروت شہر کی حیثیت حاصل رہی بغداد کی تجارتی منڈی دمشق کی منڈی سے زیادہ مہتم بالشان تھی کیونکہ وہ تجارت کے بری و بحری راستون کے وسط مین واقع تھا اور اس کی دس لاکھ کی آبادی میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جو زینت و آرائش کے اعتبار سے دلھن بنا ہوا نہو چپہ چپہ پر تنعم و عیش کا طوفان موجزن تھا طلائی اور نقرئی جواہرات کے ظروف اور ریشم اور حسین و بیش قیمت پردون کے لباس غرض عیش و تکلف کا وہ کونسا سامان تھا جس کی بغداد میں فراوانی نہین تھی یہان تک کہ مٹی کے برتنون اور چمڑے کے سامان میں بھی انھون نے اپنی عجیب و غریب صنعت سے حیرت انگیز خوبصورتی و دلکشی پیدا کر دی تھی بغداد کی تجارت ہندوستان، چین، افریقہ، ارمینیا، روس، اسپین اور بالٹک کے ساحلی مقامات تک پھیلی ہوئی تھی وہان کی تجارت کی ترقی کے سبب سے بلاد تابعہ شلًا موصل، شیراز، کابل بخارا، سمرقند، اسکندریہ، قاہرہ، قیروان، فارس، اور بلاد اسپانیا کی صنعت کو بھی بہت ترقی ہوئی الغرض بغداد کی مثال ایک یونیورسٹی کی تھی جہان پر تمام اطراف و اکناف عالم کے علما، و طلبہ علوم و فنون کے اکتساب کی غرض سے جمع تھے۔

اسکندریہ ۔ عرصۂ دراز تک اسکندریہ مشرق اور ولایات غربیہ کا خاص مرکز تجارت رہا ہے لیکن فتح اسلامی کے بعد اسکی تجارتی مرکزیت مٹ گئی جس کی تلافی اسنے اپنی تجارت کو وادی النیل اور مشرقی وسط افریقہ مین پھیلا کر کرلی ۔ اسکندریہ کی مخصوص تجارت سونا۔ ہاتھی دانت، سیپ اور پردون کے قیمتی کپڑون وغیرہ کی تھی جو بعد مین فاس اور قیروان کی منڈیان قائم ہو جانے سے مسدود ہو گئی۔

قاہرہ ۔ قاہرہ حبشہ افریقہ اور ایشیا کے تجارتی قافلون کا مرکز ہونیکے سبب سے بغداد کی تجارت مین مزاحم رہا ہے اور اسکی منڈیان اور تجارت کو خاص فروغ ہوا ہے قاہرہ کی تجارتی ترقی کا باعث وہان کی زراعتی اور صنعتی ترقی تھی جسنے تجارت کو رواج دینے مین سہولتین فراہم کردی تھین یہان سے غلے، کپڑے، زردوزی سامان، چیڑا اور چمڑے کی مختلف اشیا، پشمینہ، اور آٹے وغیرہ کی بہت کثرت سے برآمد ہوتی تھین۔

قیروان ۔ ہرچند قیروان کو وہ تجارتی عظمت حاصل نہین ہوئی جو قرطاجنہ نے پائی تھی لیکن پھر بھی اسلامی ممالک مین بہت کچھ نفوذ حاصل تھا اور عرصہ تک ممالک اسلامیہ طرابلس، الجزائر، ٹیونس، صقلیہ اور اسپین کی تجارتی منڈی قیروان ہی بنا رہا اور وسط افریقہ تک اسکی تجارت پھیل گئی۔

فاس، یہان چیڑے، پشمینے، معدنی سامان، اور صابن، کی مختلف صنعتون کا رواج تھا جو اپنی نزاکت صنعت اور خوبصورتی کے اعتبار سے بہت مقبول تھین۔ یہان کے تاجر شمالی افریقہ، وسط افریقہ اور نہر نیجر تک پہنچتے تھے۔ فاس کی آبادی تقریبًا پانچ لاکھ تھی اور اسے شمالی افریقہ کے تمام بڑے شہرون پر تفوق حاصل تھا۔

اندلس ۔ اسپین مین عربی تمدن کے جو آثار و یادگارین باقی ہین ان کو دیکھکر عربی تمدن کی ترقی اور کمال صناعی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے

اورجس طرح اسپین مین مدنیت اوریورپ کی بدویت کا واضح فرق معلوم ہوتا ہے کسی دوسری جگہ معلوم نہین ہوسکتا قرطبہ دارالخلافہ اندلس کی عظمت وشان اور تجارتی وصنعتی ترقیان اوراشبیلیہ غرناطہ، طلیطلہ، کے عروج مدنیت کی داستانین آج تک افسانہ مین تجارتی حیثیت سے ان شہرون مین تمام مشہور مقامات کے مال کی درآمد ہوتی تھی اورچونکہ اندلس اپنی پیداوار کے لحاظ سے نہایت ہی آسودہ اورزرخیز ملک تھا اسلئے وہان کے باشندے اپنی ضروریات کے مطابق غیرملکی مصنوعات اورسامان کوتبادلہ مین بآسانی حاصل کرسکتے تھے لیکن خود قرطبہ کے چمڑے کی مصنوعات، طلیطلہ کے اسلحہ، اورمرسیہ کی صنعت ریشم وحریر کچھ کم مشہور ومقبول مصنوعات نہ تھین اسپین اپنی زرعی حیثیت سے بھی نہایت سرسبز وشاداب ملک تھا نیشکر- چاول، کپاس، کھجور مختلف قسم کے پھول اورسبزترکاریان وہان کی خاص پیداوار تھی اورمعدنی آمدنی اس کی غنا اوردولت مین غیرمعمولی اضافہ کاباعث تھی۔

عربون مین تجارتی آزادی عربی حکومت مین چنگی کے محکمے قائم تھے اورموجودہ سسٹم کے مطابق عہد اسلامی مین بھی تجارتی ٹکس کارواج تھا لیکن محصول کی شرح اسقدر کم، اوراسکے حصول کے ذرائع اسقدر آسان تھے کہ تاجرون کواسکی ادائگی مین کسی قسم کی دقت اوردشواری پیش نہ آتی تھی وہ نہایت آسانی سے ٹکس اداکرکے تجارتی کاروبار کوقائم رکھ سکتے تھے اوریہی وہ راز تھا جس کے سبب سے عربون کی تجارت ترقی کے معراج کمال پرپہنچی ہوئی تھی اوراسلامی ممالک تمول اوردولت کی برکات سے متمتع ہورہے تھے۔

عرب اورمغربی تجارت اس عنوان سے ہمارا یہ مقصود نہین کہ عربون کی ترقی کی غیرواقعی حمایت کرین یاایسے واقعات عربون کی طرف منسوب کرین جن کے وہ فی الحقیقت مستحق نہین ہمارا مقصد عربی تمدن نے موجودہ تمدن کی جوکچھ خدمت انجام دی ہے اسکا مختصر تذکرہ تاریخی پیش کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ اندلس مین عربون کی زرعی وصنعتی ترقی کا ہی نتیجہ تھا جس نے ممالک یورپ مین بیداری کی حرکت پیدا کردی اور انکو ترقی کی طرف مائل کردیا جن لوگون نے تاریخ کے اوراق الٹے ہین ان کومعلوم ہے کہ عربون نے زراعت وصنعت کوکسقدر عروج پرپہنچا دیا تھا پارچون اور معدنیات کی صنعت مین انھون نے کیسی حیرت انگیز ذہانت وذکاوت کا دنیاکے سامنے ثبوت پیش کیا ہے علی الخصوص سونے چاندی مسی، برنجی، لوہا، ہڈی، چمڑے، شیشے، مٹی، رنگریزی، شکرسازی، اور رنگ بنانے کی صنعت مین اعلیٰ ترقی حاصل کی تھی اورعرب کی یہ تمام مصنوعات ازمنہ وسطی مین بہرطور قابل فخر خیال کی جاتی تھین یورپ جوآج تمدن وحضارة کی انتہائی بلندیون پرخیمہ زن ہے اس نے عربون ہی سے ابتدائً یہ تمام صنعتین حاصل کی تھین اورمغربی تمدن کے آغاز مین عرب ہی مغربی اقوام کے استاد تھے حقیقت یہ ہے کہ اگر یورپ اسلامی تمدن کی غلامی نکرتا اورعربون کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہ کرتا تومغربی تمدن کومعراج پرپہنچنے مین اسقدر جلد کامیابی نہ ہوتی وہ عرب ہی تھے جنھون نے زراعت اورکاشت کے طریقون پرعلمی حیثیت سے غورکیا اورآب پاشی اورکھاد دینے کے اصول معلوم کئے ان کی آب پاشی کے طریقے نہایت صحیح اوراصولی تھے وہ کھاد دینے اورکھاد کے منافع اورکیمیاوی اصول کے مطابق عمل کرنے سے باخبر تھے انھون نے اپنی کوششون سے بعض ایسے زراعتی تجربے حاصل کئے جوکاشت مین ان کے واسطے غیرمعمولی طورپرمفید ثابت ہوئے اسکے علاوہ اس زمانہ کی تجارتی قیادت عربون ہی کے ہاتھ مین تھی اورانھون نے علمی وجغرافی معلومات سے تجارت کوفروغ دینے مین بہت کچھ آسانیان حاصل کرلی تھین تجارتی قافلون کیلئے راستے تلاش کئے ملکون اورحکومتون سے تجارتی تعلقات پیداکئے مبادلت کے کاروبار مین آسانیان پیداکین راستون کی حفاظت ومرمت پلون کا بنانا کنوون کاکھودنا اورآنے جانے والون کے قیام، آسائش اوراموعامہ کے متعلق تمام ذمہ داریان عرب ہی انجام دیتے تھے- یہی وہ امور ہین جن سے ازمنۂ وسطی مین عربون کی تجارتی سیادت اورعام اقتدار کے متعلق حجت قطعی پیش کی جاتی ہے درحقیقت یہ ہے کہ یورپ کے موجودہ تمدن وترقی مین عربونکا خاص حصہ ہے

([illegible])

فریب خیال

(افسانہ)

بہ سلسلۂ ماسبق

(۲)

نسیم کو کلکتہ سے آئے ہوئے چار دن ہو چکے ہیں اور رشید کا مکان کاشانۂ حسن بنا ہوا جگمگا رہا ہے۔ میوزک کانفرنس کے جلسوں میں باقاعدہ سب کی شرکت ہو رہی ہے اور منجملہ دیگر حیرت انگیز انکشافات کے یہ حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہو گئی ہے کہ نسیم میں جہان اور صفات تکمیل نسائیت کی پائی جاتی ہیں، وہیں ایک صفت یہ بھی موجود ہے کہ موسیقی سے اچھی طرح واقف ہے اور ستار نہایت اچھا بجاتی ہے۔ چونکہ رشید خود بھی فطرتاً موسیقی کا دلدادہ تھا اسلئے اس علم نے اسکے جذبات کو نسیم کے حضور میں کیسر نیائش و عبودیت بنا دیا اور اسکی بیقراریاں اس حد سے گزر گئیں کہ ان میں کوئی اور اضافہ ہو سکتا۔

جس حد تک سطح و خطوط، تناسب و نقوش کا تعلق ہے، نسیم ایک معمولی عورت تھی، لیکن چونکہ عورت نام جلد و رنگ کا نہیں بلکہ اس فن دلربائی کا ہے جو اسکی نسائی خصوصیات کو نہایت دلفریب رنگ میں پیش کرتا ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ نسیم بہت مکمل عورت تھی۔

وہ اسکی پاکیزہ معاشرت، وہ فن تزئین و آرائش میں اس کی غیر معمولی مہارت، وہ رفتار و گفتار میں اسکی صناعانہ تکمیل، وہ موقع محل کے لحاظ سے اسکا صرف تبسم، وہ بیحجابی کے ساتھ ساتھ اسکا سکوت انفعال، وہ عنفوان شباب کی تمام توانائیوں کے ساتھ اسکا یکسر نزاکت بینا نظر آنا، وہ اسکا علم مجلس کے تمام رموز و نکات سے باخبر ہونا اور وہ اسکا تہذیب و متانت کے ساتھ علمی و ادبی صحبتوں میں ایک صاحب بصیرت انسان کی طرح حصہ لینا — یہ تمام باتیں اسقدر حسن کے ساتھ نسیم میں جمع تھیں کہ مشکل سے کوئی شخص اسکو دیکھنے کے بعد اپنی جان سلامت لیجا سکتا تھا، چہ جائیکہ رشید، جسکی روح ان میں سے ایک ایک ادا کیلئے مدتوں سے گرسنہ چلی آ رہی تھی۔ اُسنے جو قریب سے اس تمام کاروبار "برق و تعنا طیس" کا مطالعہ کیا تو اسکی حالت بالکل وہی ہو گئی جس کو غالب نے "جلوہ ریزی باد" کے سامنے "پرفشانی شمع" سے تعبیر کیا ہے۔ یا بیدل کے الفاظ میں شمع کے سامنے جو "نیمۂ داغ و نیمہ خاکستر" حالت پروانہ کی ہوتی ہے۔

ایک رات مختصر صحبت قائم تھی عباس بھی شریک تھا، موسیقی و نسائیت موضوع بحث تھی اور باہم تبادلہ خیالات ہو رہا تھا۔ نسیم نے میوزک کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "چونکہ موسیقی سے لکھنؤ کو بہت تازہ نسبت حاصل ہے، اسلئے میرا خیال تھا کہ یہاں کی کانفرنس بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوگی، لیکن یہ معلوم کرکے مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں کا ذوق موسیقی بہت گر گیا ہے حالانکہ اودھ کی سلطنت کو مٹے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا، کسقدر حیرتناک امر ہے کہ لکھنؤ میں کوئی ایک ماہر فن بھی ایسا نہیں جو اس میں شریک ہوتا اور اونچے طبقہ کے جو تماشائی تھے ان کی بد ذوقی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سب سے زیادہ جس چیز کو پسند کیا وہ بینڈ تھا۔ یقیناً ہم آہنگی پرلطف چیز ہے اور تار کے تمام ساز کو یکجا کرکے انہیں آواز کے ایک مرکز پر لے آنا دلکش امر ضرور ہے لیکن کسی کمال کا مظہر نہیں ہو سکتا۔ اور اہل لکھنؤ کی طرف سے اسکی اسقدر پرجوش پذیرائی سخت افسوس

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

کن تجربہ تھا۔ مشہور دیون مین نذاحسین خان ستار نواز ون مین عنایت خان۔ بینکارون مین الورکا بینکار صرف یہ تھا حاصل اس آل انڈیا میوزک کانفرنس اور اسکے تمام اہتمامات کا، گانے والون مین ایک بھی ایسا نہ تھا جسکا ذکر کیا جائے۔ کسقدر سخت غلطی ہے کہ آواز کے حسن کو فن موسیقی سے علیحدہ سمجھ لیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بھی منجملہ اُن دیگر مظالم کے ہے جو عورت پر مرد کی جانب سے روا رکھے گئے ہین۔ چونکہ خوش گلوئی مین مرد عورت پر کسی طرح فائق نہین ہو سکتا تھا، اسلئے اسنے موسیقی سے اسکو علیحدہ ہی کر دیا تاکہ عورت مقابلہ مین نہ آسکے۔ مانا کہ دھرپد اصولی چیز ہے، لیکن اسکی حیثیت اس خاکہ سے زیادہ نہین ہے جسے ایک مصور رنگ بھرنے سے پہلے کاغذ پر بناتا ہے۔ یقیناً خاکہ نقش کی بنیاد ہے لیکن نقش تو نہین، محمد شاہ رنگیلے کے عہد مین کچھ لوگون نے اس حقیقت کو سمجھا اور اسمین کچھ رنگ آمیزی پیدا کر کے خیال کو رواج دیا، لیکن قبل اسکے کہ وہ تکمیل کو پہونچتا سلطنت کا زوال ہو گیا، بعد کو شاہان اودھ اور خصوصیت کے ساتھ واجد علی شاہ نے اس مین اور زیادہ رنگینی پیدا کر کے ٹھمری کی بنیاد ڈالی لیکن یہ بھی انجام کو نہ پہونچی تھی کہ بساط سلطنت ہی الٹ گئی اور موسیقی ایک عام دورکس مپرسی سے گزرنے لگی۔ اب پھر اس طرف توجہ ہوئی ہے، لیکن جس طرح ہندوستان کی قدامت پرستی اُسے اور بہت سی ترقیون سے محروم کر رہی ہے، اسی طرح موسیقی مین بھی ابتک وہ دھرپد و خیال کی ترقی کو کمال فن سمجھتی ہے ورنہ ضرورت یہ ہے کہ اس خاکہ مین گلکاری کی جائے اور اسمین مطلق سامعہ کیلئے جاذبیت پیدا کی جائے۔

مشہور ہے کہ موسیقی سحر ہے اور اس مین کلام نہین کہ حقیقت یہی ہے، لیکن کیا کوئی شخص ان دھرپد گانے والون کی کریہ آواز کو سنکر خوش ہو سکتا ہے اور کیا ان استادون کی بدنما حرکات دیکھنے کے بعد ہنسی ضبط ہو سکتی ہے، موسیقی جادو ہے لیکن وہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب آواز، حرکات اور اصول فن کے سب حسن کے ساتھ مجتمع ہو جائین، اور چونکہ انکا اجتماع صرف عورت ہی مین ہو سکتا ہے اس لئے فن کے اصلی خط و خال کو دیکھنا ہے تو عورتون مین اسکو رائج کرنا چاہئے جو قدرتاً اس کیلئے وضع کی گئی ہین اور جن کے اعصاب و عضلات کی نرمی آواز کے ہر ممکن لوچ کو قبول کر سکتا ہے ہمارے صرف بنگال مین شریف خاندان کی عورتین اس طرف بہت مائل ہین اور اپنے اپنے گھرون مین تفریحاً اس کی مشق کرتی ہین، لیکن یو پی مین چونکہ اس کو معیوب فن قرار دیدیا گیا ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ ہندوستان کا یہ حصہ جو ہر لحاظ سے ملک کا قلب کہلائے جانے کے قابل ہے۔ اس مین بھی دوسرے صوبون سے پیچھے رہ گیا۔

عباس۔ "چونکہ آپنے موسیقی کا ذکر کرتے کرتے اس کی تان مسئلہ "نسائیات" پر توڑی ہے، اسلئے قبل اسکے کہ "عورت اور فنون لطیفہ" کے موضوع پر گفتگو کیجائے، "عورت اور نسائیت" کے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ ضروری ہے۔

سب سے پہلا سوال جو غالباً مسئلہ تعلیم و آزادی سے بھی مقدم ہے، یہ ہے کہ عورت کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، چونکہ دنیا کے تمام مسائل آخر مین اصلاح نظام تمدن پر جا کر قائم ہوتے ہین، اسلئے غور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت صرف اسلئے پیدا کیگئی ہے کہ وہ مشاغل حیات مین مرد کی معاون و مددگار ثابت ہو اور تجربہ نے ہمکو یہ بات بتائی ہے کہ اسکی یہ اعانت و امداد ہمیشہ اُس ماحول کے تابع رہی ہے جس مین رہکر مرد اپنے اسباب ترقی تلاش کرتا ہے۔ مثلاً عہد وحشت کو لیجئے جب مرد صرف شکار پر زندگی بسر کرتا تھا تو عورت اسکی معاون اس حیثیت سے تھی کہ وہ شکار کو صاف کرتی تھی، گوشت پکاتی تھی اور کھالون کے ملبوس طیار کرتی تھی، جب عہد زراعت آیا تو اسنے کاشت مین مدد دی، غلہ صاف کیا، پیسا اور مرد کو کھلایا، اب اس مکانکی عہد مین اسکی اعانت کا طریق یہ ہے کہ وہ تجربہ گاہون مین مردون کے ساتھ رہتی ہے، ٹائپسٹ

دکھیا کے مسائل میں مرد کو مشورہ دیتی ہے اور اسکے ساتھ ہوائی جہاز پر رہکر اسکی مدد کرتی ہے -

اس لئے قبل اسکے کہ ہندوستان کی عورت کیلئے کوئی طریق عمل مقرر کیا جائے، غور طلب امر یہ ہے کہ یہان کا مرد کس دور سے گزر رہا ہے اور اسکے حالات کا اقتضا کیا ہے - کیا ایسے ملک مین جہان مردون مین بھی ایک فی صدی تعلیم یافتہ نہ ہون، عورتون کی تعلیم و آزادی کا سوال کوئی بر محل سوال ہو سکتا ہے تعلیم یافتہ شخصون کیلئے یقیناً ایک جماعت ایسی عورتون کی ہونی چاہئے جو ان کے ذوق کے لحاظ سے ضروریات ازدواج کو پوری کرنے والی ہو، لیکن اس مسئلہ مین بھی سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیم جدید سے جو خواہشات ہندوستان کے مردون مین پیدا ہو رہے ہین وہ کس حد تک درست ہین اور عورتون کیلئے انکا پورا کرنا ضروری بھی ہے یا نہین - اولین معیار جس سے نتیجۂ تعلیم کی صحت و عدم صحت پر حکم لگایا جا سکتا ہے، اقتصادی حالت ہے - اگر ایک شخص تعلیم حاصل کرنے کے بعد صرف شاعر بن سکتا ہے اور قوت عمل اس کی حرکت مین نہین آتی تو کہا جائے گا کہ تعلیم بیکار رہی، اسی طرح اگر ایک عورت بیوی بننے کے بعد صرف مرد کے ذوق شعری کو پورا کرنے والی ثابت ہوگی تو ہم کہین گے کہ اسکی تربیت ناقص ہے اسلئے جس طرح مردمین شاعرانہ کیفیات سے پہلے قوت عمل پیدا ہونے کی ضرورت ہے، اسی طرح عورت کو موسیقی دان ہونے سے قبل ایک اچھی مہتممہ، ایک سلیقہ مند مان بننا چاہئے -

جس طرح دنیا کو ایک فاقہ مست شاعر کی ضرورت نہین ہے اسی طرح وہ اہلی زندگی کے فرائض سے ناآشنا رہکر گانے والی سے بھی بے نیاز ہے - آپ کو شاید اچھا معلوم ہو لیکن مجھے تو یہ منظر پسند نہین آسکتا کہ بچہ خراب مقیم حالت مین رو رہا ہے اور مان منجھی ہوئی الاپ رہی ہے پھر جس طرح ہمارے ہان کے مردون کو فنون لطیفہ سے پہلے فنون کاسبہ کی ضرورت ہے اسی طرح عورتون کو مغنیہ بننے سے پہلے مدبرہ بننا ضروری ہے ممکن ہے کہ بنگال کی پبلک ترقی کے ان ابتدائی مدارج سے گزرگئی ہو، لیکن ہمارے ہان تو ابھی ان کی ابتدا بھی نہین ہوئی اور اسی لئے شرفا کی عورتون مین گانے بجانے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے جو میرے نزدیک بالکل مناسب ہے، اب یہان یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی اپنے تمام مشاغل و اکتسابات کے لحاظ سے ایسا ہے جسکو ایک ایسی ہی بیوی درکار ہے جو اپنی تمام خصوصیات نسائی کے لحاظ سے مکمل ہو، جیسے ہمارے رشید صاحب، سو اسکے لئے بین الاقوامی شادی عمدہ چیز ہے یا پھر توکل کہ اس طرح بھی کبھی کوئی بھولی بھٹکی عورت قسمت سے ملجاتی ہے"

عباس کے اس آخری فقرہ کو سنکر نسیم کچھ مسکرائی اور رشید اس خیال سے کہ کہین نسیم کو ناگوار نہ ہو چین بہ جبین ہوا لیکن قبل اسکے کہ عباس کو اسکی تقریر کی داد یا سزا کسی طرف سے ملتی، مرزا عسکری آگئے جو رشید کے مخلص دوستون مین سے تھے اور گھوڑ دوڑ کے بے حد شائق چونکہ گھوڑ دوڑ مین شرکت کا پروگرام انہین کے سپرد تھا، اسلئے انھون نے آتے ہی، مختلف خبرین، مختلف معلومات، گھوڑون کے حالات اور ہارجیت کے متعلق پیشین گوئیونکا ایک سلسلہ شروع کردیا اور چونکہ نسیم ہی کی غرض سے رشید نے مرزا عسکری کی خدمات حاصل کی تھین، اس لئے وہ نہایت انہماک کے ساتھ سننے لگی اور آدھی رات کے بعد جب تنہائی ہوئی تو رشید کی ان تمام خاطر داریونکا اور نیازمندیون کا صلہ بارگاہ حسن سے صرف اسقدر ملا کہ نسیم نے خوابگاہ مین داخل ہوتے وقت اس سے ہاتھ ملایا اور جسم مین ایک برقی رو دوڑا کر پس پردہ غائب ہوگئی -

(۴)

نسیم لکھنؤ سے رخصت ہوچکی ہے اور رشید پر جو ایک عالم اضطراب طاری ہے، اسکی نوعیت پہلے سے ذرا مختلف ہے۔ اس سے قبل اسکی بے چینیوں کا تعلق صرف کاوش وجستجو سے تھا، لیکن اب نسیم سے مل لینے اور اپنی قربانیوں سے اسکو بڑی حد تک مانوس سمجھ لینے کے بعد، اسکے اضطراب نے حریصانہ صورت اختیار کرلی تھی اور نسیم کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم ہونے مین ایک لمحہ کی دیر اسے گوارا نہ تھی وہ سمجھتا تھا کہ حصول کامیابی کیلئے جسقدر استحقاق ہونا چاہیئے وہ پیدا کرچکا ہے اور اسلئے اب تعویق اسپر ظلم ہے۔

لکھنؤ کے قیام مین نسیم نے اپنے اداؤن سے اسکو جس حد تک مغلوب کیا اسکا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ رشید نے اپنے تمام پوست کندہ حالات سے اسکو آگاہ کردیا اور اسکے عوض مین باوجود اسکے کہ رشید کو اسکی محبت کا یقین ہوگیا تھا، نسیم نے باوجود اصرار کے اپنے متعلق سوائے اسکے اور کچھ نہ کہا کہ "لوگ کہتے ہین کہ مین مرشدآباد کے شاہی خاندان سے وابستہ ہون، لیکن اب اس نسبت کا اظہار مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا کیا کسی کا صرف انسان ہونا کافی سبب ہمدردی حاصل کرنے کیلئے نہین ہوسکتا"

خاندانی تفوق کے متعلق اظہار کے ساتھ ہی، اتنا زبردست درس انسانیت، ایسی معمولی بات نہ تھی کہ رشید اس سے مرعوب نہ ہوجاتا، چنانچہ وہ مرعوب ہوگیا اور بغیر اسکے کہ وہ نسیم کے موجودہ حالات زندگی، اور دیگر افراد خاندان کے متعلق جستجو کرتا، وہ اسی طرح قانع ہوگیا جس طرح بنی اسرائیل اول اول من وسلویٰ پر ہوگئے تھے۔

چلتے وقت رشید نے نہایت دبی زبان سے جب اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ نکاح جسقدر جلد ممکن ہو ہوجانا چاہیئے، تو نسیم نے اپنی نگاہ منفعل اور محجوب رنگ رخسار سے اسکی منظوری تو دیدی تھی لیکن رشید تعیین وقت چاہتا تھا اور اسکے بابت وہان بالکل سکوت تھا۔

. . . .

نسیم کو گئے ہوئے بیس دن کا زمانہ گزرگیا ہے اور اسکے دو خط بھی آچکے ہین لیکن سوائے شاعری کے ان مین کوئی بات ایسی نہین ہے جن سے رشید کی آتش شوق تو ضرور مشتعل ہوجاتی ہے، لیکن ساحل کا پتہ اسے کہین نہین ملتا۔

وہ اسی فکر مین مبتلا تھا کہ محرر حساب کے کاغذات سامنے لایا اور جسوقت اسکی نگاہ ذیل کے اندراج پر پڑی:-

عطیہ میوزک کانفرنس منجانب مس نسیم ومسٹر رشید	۵۰۰ روپیہ
مہمانداری مس نسیم	۲۳۵ روپیہ
مصارف موٹر	۲۱۰ روپیہ
ٹکٹ گھوڑ دوڑ	۴۰ روپیہ
گھوڑ دوڑ کی قماربازی مین نسیم کو دئے گئے	۲۰۰۰ روپیہ
ٹکٹ ریل از لکھنؤ تا کلکتہ فرسٹ کلاس مع دیگر ضروری مصارف	۱۵۰ روپیہ

تحایف برائے مس نسیم	ساری بنارسی	آویزہ جڑاؤ	کڑا طلائی
	۳۰۰ روپیہ	۲۰۰ روپیہ	۱۰۰۰ روپیہ

۱۵۰۰ روپیہ

اور اسکی مجموعی رقم ۵ ۳۲،۳ سامنے آئی تو دماغ چکرا گیا کیونکہ اسکا کاروبار اتنا بڑھا ہوا نہ تھا کہ اسکا چوتھائی حصہ بھی محض سیر و تفریح میں صرف کر سکتا۔ اس نے محرر کو رخصت کر دیا اور دیر تک سر پکڑ کر سوچتا رہا کہ اس کمی کو کیونکر پورا کرے وہ ابھی اسی عذاب میں مبتلا تھا کہ محرر دفعتًا پھر آیا اور اس نے ایک کاغذ پیش کر کے کہا کہ "اس ہنڈی کا روپیہ کل ادا کرنا ہے، میں نے کہا کہ آج ہی آپ کو یاد دلا دوں"

رشید۔ "ہنڈی! کس کی ہنڈی ہے اور کتنی رقم کی ہے"، یہ کہکر اس نے کاغذ محرر کے ہاتھ سے لے لیا اور دیکھا تو اسپیر ہندسہ ۲ کے ساتھ بڑے بڑے تین صفر اسکو گھور رہے تھے اور ہنڈی اس کارخانہ کی تھی جس کے ساتھ خوش معاملگی قائم رکھنے پر اسکے سارے کاروبار کا انحصار تھا۔ میز کی دراز سے اس نے بنک کی پاس بک نکالی پھر سیف کھولکر اسکی رقم کی جانچ کی اور نہایت پریشان صورت کے ساتھ سوچنے لگا کہ:۔

اگر میں اس ہنڈی کا روپیہ ادا کر دوں تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ پرسوں میں بازار سے ایک پیسہ کا بھی مال نہیں خرید سکتا، جن لوگوں سے مجھے روپیہ وصول ہونا ہے وہ اول تو اسقدر جلد ادا نہیں کر سکتے اور اگر ادا کریں بھی تو زیادہ سے زیادہ میں ایک مہینہ تک اور اپنی موجودہ ساکھ قائم رکھ سکتا ہوں۔ اس طرف بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ کوئی صاف جواب ہی نہیں ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر ان تمام قربانیوں کے بعد بھی نسیم مجھے مل جائے تو میں کسی طرح خسارہ میں نہیں رہ سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ موجودہ تجارت نہ رہے گی نہ رہے، بقدر ضرورت میں اپنی جنبش قلم سے بھی کما سکتا ہوں، مگر کچھ ہو تو سہی، کوئی نتیجہ تو نکلے۔ کیا تار دوں؟ لیکن تار میں لکھوں کیا عباس کی رائے تھی کہ میں بھی کلکتہ ساتھ چلا جاؤں اور وہاں پہونچکر تمام باتیں تحقیق کر لوں، میں نہیں گیا، واقعی غلطی ہوئی۔ کیا اب چلا جاؤں۔ لیکن یہاں کا کاروبار کس کے سپرد کروں، خاصکر ایسی حالت میں جبکہ مالی حالت اچھی نہیں ہے ......

وہ اسی فکر میں مبتلا تھا کہ ڈاک آئی جس میں نسیم کا بھی ایک خط تھا۔ اس نے لکھا تھا:۔

"آپ خیال فرماتے ہونگے کہ میں نے قصدًا آپ کو زحمت انتظار میں مبتلا رکھا، حالانکہ آپ چاہتے، تو یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ ممکن ہے کوئی مجبوری ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے لکھنؤ جا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ ملنے سے پہلے تو میں اپنے دل و دماغ کو دھوکہ دے بھی سکتی تھی، لیکن ابکہ آپکی محبتوں اور غیر معمولی قربانیوں کے گہرے نقوش اک تسلیم شدہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکے ہیں، باوجود کوشش کے بھی آپکی ہستی کو اپنے سے جدا نہیں سمجھ سکتی۔

اس درمیان میں ایک سخت آزمائش کا سامنا ہوا۔ میرے والد ہرچند بہت روشن خیال ہیں، تاہم ابھی ان میں

بہت سے آثار قدامت کے پائے جاتے ہیں اور شادی کے متعلق ان کے اصول مجھ سے بالکل مختلف ہیں انکے نزدیک زندگی کی حقیقی راحت عبارت ہے صرف دولت و امارت سے اور میرے ہاں صرف محبت و صداقت سے عرصہ سے وہ میری شادی کی فکر کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک پیغام صوبۂ بہار کے ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا جو میرے والد کے ذوق کے مطابق تھا یعنی وہ حضرت کونسل کے ممبر ہیں، بیرسٹر ہیں، لاکھوں کی جائداد رکھتے ہیں اور خاندانی ہیں۔

مجھ سے ذکر آیا تو میں خاموش ہوگئی۔ لیکن میں نے یہ محسوس کرکے کہ مبادا وہ میری خاموشی کو رضامندی سمجھ لیں، میں نے انسے کہا کہ فی الحال اس مسئلہ کو ملتوی کر دیا جائے، کیونکہ میری صحت ابھی اچھی نہیں ہے اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، لیکن اسکو معقول عذر تسلیم نہیں کیا گیا اور مجھ پر زور دیا جا رہا ہے کہ جلدی راضی ہوجاؤں۔

اس میں شک نہیں کہ عام نقطۂ نظر سے یہ بہترین پیغام ہے، لیکن میرے لئے وہ بالکل بیکار ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے آپ کو میں اسکے قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں پاتی۔ بہرحال میں نے بڑی کوشش سے چند ماہ کیلئے اسکو ٹالدیا ہے اور آئندہ مہینے کشمیر کا عزم کرتی ہوں، بہانہ تبدیل آب و ہوا کا ہے لیکن مدعا یہ ہے کہ آپکی معیت حاصل ہوجائے اور اگر مناسب ہو تو وہیں وہ مسئلہ بھی طے ہوجائے جس کیلئے آپ مضطر ہیں اور میں بیتاب۔

اگر آپ نہ جا سکیں تو مجھے اطلاع دیجئے تاکہ بجائے کشمیر کے کسی اور جگہ چلی جاؤں، کیونکہ میرا یہاں سے چند دن کیلئے باہر چلا جانا ضروری ہے اور اگر آپ آمادہ ہوں تو لکھئے کہ کس تاریخ تک آپ طیار ہوسکیں گے، تاکہ میں اسی دن لکھنؤ پہونچ جاؤں۔ آپکی "نسیم"

اس خط کے مطالعہ کے بعد جو حالت رشید کی ہونی چاہئے، اسکا اندازہ مشکل ہے۔ ایک طرف تو جذبۂ رشک کہ نسیم کا خواہاں ایک اور گیا جو مالی حالت اور ذاتی وجاہت کے لحاظ سے کہیں اس سے زیادہ ہے، دوسری طرف مالی مشکلات جن کے دور کرنیکی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی، پھر سوال کشمیر جانے کا جس کے لئے کم از کم دو تین ہزار روپیہ کی ضرورت تھی۔ کشمیر کے سفر کا ٹالدینا سب سے زیادہ مشکل تھا کہ اسپر ساری امیدوں کی کامیابی کا انحصار تھا۔ وہ دیر تک ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے آخرکار اسنے فیصلہ کیا کہ کشمیر کا جانا ضروری ہے اور اسکے لئے سب سے پہلے روپیہ کی فکر کرنی چاہئے، ممکن تھا کہ وہ اپنے احباب و اعزہ سے کچھ روپیہ قرض لے سکتا، لیکن اسے ضرورت ایک بڑی رقم کی تھی اسلئے وہ فوراً آگرہ روانہ ہوگیا اور وہاں اپنے مکان مسکونہ کو دس ہزار میں ایک مہند داہل محلہ کے پاس رہن کرکے چوتھے دن لکھنؤ واپس آگیا اور نسیم کو تار دیدیا کہ "میں فلاں تاریخ آپکا انتظار کرونگا"۔

(باقی) نیاز فتحپوری

ہند وسلمانون کے دور حکومتین

مسلمان سلاطین ہند کے دور حکومت مین ہندؤن کی تعلیمی و مذہبی آزادی اور ملک کے انتظامی محکمون مین انکی اکثریت کی داستان اگرچہ بہت طویل ہے گراسی کے ساتھ ساتھ پراز معلومات اور دلچسپ بھی ہے آج نہ صرف ہند و بلکہ یورپین مورخین بھی اہل اسلام کی بدنامی اور گزشتہ کارنامون پر جہالت و گمنامی کا پردہ ڈالنے کی فکر مین نہایت بیباکی اور ناجائز جرائت سے کام لے رہے ہین، قوم کی ادنی محفل سیاسی ڈرامون اور شب و روز کے پبلک جلسون مین غرضکہ ہر جگہ ہمارے قدیم خصائل حسنہ اور شاہان اسلام کے علمی و سیاسی فیوض و برکات اور اسلام کے تمدنی اثرات پر حملہ کر کے تاریخ کے ان واقعات اور حقائق سے عمدًا انکار کیا جارہا ہے جو روز روشن کی طرح ہر خاص و عام پر ظاہر ہین، کبھی ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نے مذہبی تعصب مین آکر بت شکنی اور انہدام معابد کو اپنا خاص مطمح نظر بنا لیا، اہل ہنود کی مذہبی آزادی کو سلب کر لیا اور انتظام مملکت مین ہندؤن کو کوئی حصہ ندیا، غرضکہ کوئی ایسا وحشت انگیز واقعہ نہین جو مسلمانون کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو، ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کر کے یہ دکھلانا چاہتے ہین کہ انکے اعتراضات کہانتک معیار صحت پر پورے اتر سکتے ہین اور اہل ہند کی طرز معاشرت انکے اخلاق و علمی مذاق پر اسلامی تمدن کا کسقدر اچھا اور خوشگوار اثر پڑا؟ اور اس حیثیت سے ہندوستان کی قدیم تہذیب مسلمانون کی کہان تک منت پذیر ہے، میرے خیال مین صحیح اور سچے واقعات و اسرار کے مغز سخن تک پہونچنے مین زیادہ تر تنگ دلی اور تعصب مذہبی کے علاوہ جوشے مانع ہوتی ہے وہ موجودہ زمانہ کی ان تاریخی کتابون کا وجود ہے جو برٹش گورنمنٹ کے اہتمام مین شائع ہو رہی ہین اور جن تک عوام الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کی نگاہین محدود ہو کر رہ جاتی ہین لیکن حقائق آشنا ارباب اور نکتہ رس نگاہون کو اسکا خوب احساس ہے کہ ان فرضی افسانون مین اصلیت اور حقیقت کی جھلک کہان تک نمایان ہے اور وہ داستانین جنکو ہم آئے دن ایک خود فراموشانہ محویت اور استغراق کے ساتھ پڑھ لیا کرتے ہین وہ پایۂ اعتبار سے کس حد تک ساقط ہین اس موقع پر جبکہ ہم ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے نکلے ہین اور ہماری نگاہین بار بار گردوپیش کے واقعات، تغیرات دہر اور انقلابات زمانہ پر پڑ رہی ہین علمی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہو کہ تعصب قومی کو ترک کرتے ہوئے واقعیت اور حقیقت کے چہرہ سے پردۂ جہالت کو چاک کرنے کی کوشش کرین اور تھوڑی دیر کیلئے باہمی مخاصمت اور بغض و عناد کو نظر انداز کر کے جو تجربتہً آئین معدلت پروری اور انصاف کے سراسر خلاف و منافی ہے، صحابۂ کرام کے زمانہ مین ایران و خراسان کے فتح ہو جانے کے بعد اگرچہ اہل عرب کا کاروان تجارت ہندوستان کے مغربی ساحل پر برابر آتا رہتا تھا مگر سیاست و حکمرانی کے لحاظ سے عربون کو ہندوستان سے کچھ تعلق و ربط نہ تھا، لیکن زمانہ کی مساعدت اور تائید آسمانی کی پیہم امداد و چارہ جوئی نے اہل اسلام کی عالمگیر نادی ترقی اور انکی شہرت مین چار چاند لگا دئے اسلامی رقبہ کی وسعت انتہا کو پہونچ گئی قتیبہ بن مسلم باہلی، مسلمہ بن عبد الملک، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم ثقفی جیسے اسلام کے نامور بہادر گزارون اور مشہور سپہ سالارون نے ایک عالم کو زیر و زبر کر دیا، اناطولیہ کے مختلف و یارہ افریقہ شمالی افریقہ اندلس، مرو، بخارا، اور سندھ کا ایک بہت بڑا حصہ اسلامی حکومت کے تحت مین آگیا، محمد قاسم کو مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے

پر اس دور حکومت مین حملہ آور ہونے کا فخر حاصل ہوا، یہ اہم واقعہ جیسا کہ بےکم وکاست تاریخون مین مذکور ہے وہ یہ ہے کہ سراندیپ کے راجہ نے وقتی ضرورت کی بنا پر جزیرہ کے یتیم اور بےخانمان مسلم عورتون اور بچون کو کچھ تحفہ و تحائف دیکر حجاج گورنر عراق کے پاس بھیجنا چاہا، جہاز جبوقت سندہ کے ساحل پر پہونچا ہے موجودہ حکومت کی بدترتیبی اور بدنظمی کے باعث شاہی سپاہیون نے دست درازی کی جرأت کی اور سارے مال ومتاع واسباب معیشت کو ضبط کرلیا، اس وحشتناک خبر کی اطلاع جسوقت حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس پہونچی، اسنے راجہ داہر والی سندہ کی خدمت مین کئی عرضداشتین روانہ کین مگر یہ ساری کارروائی بےسود اور لاحاصل رہی، بالآخر حجاج نے دربار خلافت کے ایماء سے اپنے عزیز محمد قاسم کو ایک لشکر دیکر راجہ داہر سے انتقام لینے کیلئے روانہ کیا، عربون کی اس تھوڑی فوج نے ۷۱۲ء مین راجہ کو شکست فاش دیدی، راجہ مارا گیا اور ایک قلیل مدت مین برہمن آباد اور ملتان عربی علم کے نیچے آگئے، سرکش اور متمردون نے اطاعت وانقیاد کو پسند کیا لیکن ملک سندہ کی ساری تاریخ پڑھ جانے کے بعد آپکو یہ کہین نظر آئیگا کہ اس عربی سپہ سالار نے کوئی ایسی بیجا حرکت کی ہو جو اصول مساوات وشہنشاہیت کے خلاف ہو، اسمین کوئی شک نہین کہ دوران جنگ مین کہین کہین انہدام معابد کے واقعات رونما ہو گئے مگر یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آج انتہائی عروج وترقی کے زمانہ مین متمدن سے متمدن قوم کا بحالت جنگ دستور العمل ہو رہا ہے، اگرچہ اضطراری حالت مین محمد قاسم کو ان افعال قبیحہ سے دوچار ہونا پڑا مگر اسکے بعد اس نے اپنی اس غلطی کا فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ازالہ بھی کر دیا چنانچہ ملک کے مسمار شدہ مندرون کی تعمیر کی برہمنون کو عام اجازت دیدی[۵۱]، سندہ کے قدیم راجاؤن کے زمانہ سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ ملک کے محاصل سے فی صدی تین روپیہ مندرون کی تعمیر اور برہمنون اور پجاریون کے مصارف ذاتی کے واسطے شاہی خزانہ سے جدا کر لیا جاتا تھا، اسکی وجہ سے ملک مین نئی نئی عبادت گاہین تعمیر ہوتی تھین اور برہمنون اور پنڈتون کو کسب معاش اور طلب رزق کی جانب سے بالکل دلجمعی واطمینان ہوتا تھا محمد قاسم نے بھی اس اصول کو جاری رکھکر سندہ کے قدیم شاہانہ ہنود کی تقلید اور اتباع کی چنانچہ اسکی وجہ سے ایک کثیر آمدنی جمع ہو گئی اور مسمار شدہ مندرون کی تعمیر مین اس سے خاص امداد واعانت ملی، کیا یہ اسلام کی شرافت رعیت پروری اور بے تعصبی کی مثال نہین؟ محمد قاسم نے برہمنون کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اعلان عام کے ذریعہ پبلک کو متنبہ کر دیا کہ انکے معابد اور مذہبی مقامات کی ویسی ہی حفاظت کیجائیگی جیسا کہ آج شام وعراق مین یہودیون اور عیسائیون کے معابد اور مجوسیون کے آتشکدون کی کیجاتی ہے، فاتح اور مفتوح قوم کے درمیان جو شے مایۂ شرافت انسانی اور کرم وعدل گستری کی بہترین مثال قائم کیجاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ اپنی رعیت کو ہر قسم کے حقوق عطا کرے اور اسکے بہترین اور قابل افراد کو مناصب جلیلہ پر سرفراز وممتاز کرے، محمد قاسم نے اس اصول جہانبانی پر جسطرح عمل کر کے دنیا کو دکھلا دیا اسکی نظیر غالباً آپکو غوری، غلام، خلجی اور تغلق خاندان کے امرا وسلاطین کے صحیفۂ حیات مین بھی نہین ملسکتی، قبضۂ سندہ کے بعد عربون کو ملکی تنظیم وتنسیق کی حاجت پڑی اور انہون نے نہایت شد ومد کے ساتھ برہمنون کو جنپر انہین کامل اعتماد تھا ملک کے مختلف عہدون پر مقرر کرنا شروع کر دیا، محمد قاسم نے ایک اعلان کے ذریعہ انکو مطلع کیا کہ ملک کے مشہور وقابل افراد سے مجھے آگاہی ہونا چاہیئے تاکہ مین انہین حکومت کے کامون مین لگا دون اور ملک کا سارا انتظام انکے ہاتھ مین دیدون،

۵۱- تاریخ ہند الیٹ جلد اول

اعلان مین یہ بھی تھا کہ یہ عہدے جو انھین دئے جائین گے ان سے چھین کر پھر ہرگز کسی دوسرے کو سپرد نہ کئے جائین گے اس اعلان پر جس سختی کے ساتھ عمل کیا گیا اسکی تفصیل آگے آتی ہے برہمن آباد صوبۂ سندھ کا ایک مذہبی اور متبرک شہر تھا جسوقت وہ مسلمانون کے ہاتھ آیا تو محمد قاسم نے وہان کا سارا انتظام برہمن شرفا کے اختیار مین دیدیا اور قبائل اور چیدہ چیدہ اشخاص کو مجلس شوریٰ کا ممبر مقرر کیا، ملک کے وصول مالگزاری کے محکمون مین چونکہ حساب دانی کی ازبس ضرورت تھی اور اہل عرب اس سے ناواقف تھے اسلئے یہ سارا محکمہ قریب قریب برہمنون ہی کے ہاتھ مین تھا قبول اسلام کیلئے محمد قاسم نے کبھی بھی جبر و اکراہ سے کام نہین لینا پسند نہ کیا، پنچ ذاتون مین سے شلاشہ رجات وغیرہ جنھین ہند کی قومیت کے مطابق برہمنون کے مقابلہ مین نہایت حقارت آمیز نگاہون سے دیکھا جاتا تھا وہ اسلام کی مساوات، حریت کو دیکھکر کثرت سے اسلام لائے اور عربی لشکرون مین بھرتی ہوکر بلاد اسلامیہ کے اکثر حصون مین سکونت پذیر ہوگئے، بہت سے نومسلم جو شام و عراق مین جاکر آباد ہوئے انہین سے بعض ایسے بھی گزرے ہین جو اپنے وقت کے فن رجال و حدیث کے امام تھے بعضون نے عربی شاعری مین تو کمال پیدا کیا چنانچہ ابوعطا رسندہی سندھ کا ایک مشہور شاعر گزرا ہے جسکے چند اشعار ابوتمام نے حماسہ مین بھی درج کئے ہین، چنانچہ وہ یہ ہین،

الا ان عینا لم تجد یوم واسط . علیک بجاری دمعہا لجمود .

عشیۃ قام النائحات وشققت . جیوب بایدی ماتم وخدود .

فانک لم تبعد علی متعہد . بلی کل من تحت التراب بعید .

دیار سندھ کے امرائے ہنود نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر اسلام قبول کیا جنمین جیسیا اور جسیہ خاص شہرت رکھتے ہین، تبدیل مذہب کی غرض سے انپر کوئی دباؤ نہین ڈالا گیا بلکہ یہ انکی اس فطرت سلیمہ اور عقل و دانش کا اقتضا تھا جو توفیق ایزدی سے انکے حصہ مین آ[illegible]

عربون نے ہندوؤن کے قدیمی قانون کی حفاظت مین کچھ کوتاہی نہین کی، راجہ چچ کے زمانہ سے یہ قانون چلا آتا تھا کہ یہانہ کے جاٹون کو اسپ سواری اور ریشمی لباس زیب بدن کرنیکی سخت ممانعت کردی گئی تھی، محمد قاسم نے بھی اس اصول کو باوجود اسکے کہ اسلام مساوات کا عام حکم دیتا ہے محض ہندو شرفا اور امرا، کی خاطر برقرار رکھا، سندھ مین ہندوؤنکی اقتصادی و مالی حالت قریب قریب ابتری کو پہونچ چکی تھی، ساحلی مقامات پر قزاقون اور حملہ آورون کی شورش و ہنگامہ خیزی نے بحری تجارت اور اسکی فروغ کو سخت صدمہ پہونچایا تھا، حکومت اس فتنہ کے انسداد سے جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے بالکل عاجز تھی، فوج کا کچھ باقاعدہ انتظام نہ تھا، نہ انکے لئے عمدہ تفریحی مقامات تھے جس سے انکی صحت جسمانی برقرار رہتی، نہ قلعے تھے، نہ فوجی چھاؤنیان تھین، نہ عمدہ تجارتی شہر و قصبات آباد تھے جس سے انکے طرز حکومت و سیاست تمدن اور تمدن و شائستگی کا پتہ لگایا جاسکتا، وحشت و بربریت کے آثار ہر جگہ نمودار تھے کوئی ایسا نظام موجود نہ تھا جس سے قومی تنظیم مین اعانت ملتی، لیکن مسلمانون نے سندھ کی تجارت کو بہت فروغ دیا چنانچہ تھوڑی مدت مین بری و بحری تجارت کا دروازہ کھل گیا، خراسان، زابلستان، سیستان، اور کابل سے بیشمار کاروان

تجارت سندھ مین آنے لگے، اسکی وجہ سے ہندؤن کی اقتصادی حالت مین بہ نسبت پہلے کے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا ابن خرادبہ مشہور عباسی وزیر اعظم نے اپنی کتاب مین سندھ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے سندھ مین چین روس افریقیہ اور یورپ کے کاروان تجارت برابر آتے تھے بری وبحری تجارت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا مختلف چیزین جنکا پہلے سندھ مین وجود تک نہ تھا اب بکثرت بازارون مین دستیاب ہونے لین لہ

ابن حوقل واصطخری کا جغرافیہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صدی کی عربی حکومت نے سندھ کی حالت بالکل بدلدی تھی، قندابیل، جندور، الور، شروسان، نیرون، قصدار، تجارت کے خاص مقامات تھے جہان فوجی چھاؤنیان، شاہی دفاتر، عدالت اور شفاخانے بنے ہوئے تھے، ہندؤن کے باہمی مناقشات طے کرنیکے لئے ملک کے گوشون مین پنچایتین مقرر تھین، ان تمام باتون سے بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ محمد قاسم کے زمانہ مین مذہبی آزادی، رعیت پروری اور معدلت گستری کا کسقدر اعلیٰ اور بہتر انتظام کیا گیا تھا، محمد قاسم کے مرجانے کے بعد اگرچہ عالم اسلامی مین بہت کچھ انقلابات رونما ہوئے اور ابو مسلم خراسانی کی امداد واعانت سے بنی عباس بنی امیہ پر غالب ہوگئے، لیکن پھر بھی خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانہ تک عربونکا تعلق سندھ سے بہت کچھ باقی رہا، متعدد امراء وعمال سندھ مین بھیجے گئے، اور انہون نے بھی آخر وقت تک محمد قاسم کے قائم کردہ اصول کو دستور العمل بنانا اپنا فرض منصبی خیال کیا، اسکے بعد شہنشاہ اکبر کے زمانہ تک ملک سندھ مین مختلف خاندان شلاً جام، چوپان، سمہ، ارغون اور ترخوان کے امراء خود مختارانہ حکومت کرتے رہے مگر انکی حالت کو قیام واستقلال حاصل نہ تھا، اسوجہ سے یہ پتہ لگانا سخت دشوار ہے کہ انہون نے اپنون اور بیگانون کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھا اور اصول جہانبانی کو کس حد تک نباہا، اسکے تقریبًا پونے تین صدی بعد ہندوستان مین محمود غزنوی کی شمشیر بے پناہ چمکنے لگتی ہے بت توڑے جاتے ہین، رعایا قتل ہوتی ہے اور مذہبی مقامات اور مندرون کے زر وجواہر لوٹ لئے جاتے ہین، بادی النظر مین محمود کی یہ تمام حرکتین ایک فاتح کی شان کے بالکل خلاف نظر آتی ہین، یہی وجہ ہے کہ مخالفین کی طرف سے محمود پر تعصب مذہبی کا الزام رکھا جاتا ہے، لیکن عدل والصاف کا یہ اقتضا ہےنہ کہ دنیا کی کسی شے پر فقط ایک نگاہ غلط انداز ڈالکر اسکے حسن وقبح کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا جائے، واقعہ اور نفس الامر یہ ہے کہ دنیا مین اس قسم کے جتنے فاتحین گزرے ہین اور جنہون نے اقوام مفتوحہ پر اس قسم کے مظالم ڈھائے ہین انکا اصل مقصد دولت وثروت کو حاصل کرنا تھا، تعصب مذہبی سے انھین کچھ سروکار نہ تھا مگر بعض وقت اُسکے سلسلے مین وہ اس قسم کا کام کرجاتے تھے جس سے کمزور اقوام کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھیس لگتی تھی، یورپ جو آج تہذیب وتمدن کا مدعی ہے خود اس عالمگیر مرض مین گرفتار نظر آتا ہے اسکی تازہ مثال دیکھنے کیلئے جنگ عظیم کے عبرت انگیز واقعات کو بغور پڑھنا چاہئے، جرمنی نے ہوس عالمگیری اور جاہ پرستی مین خود اپنے ہم مذہب مجسم کے بیشمار گرجون اور عبادتگاہون کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا، اور لاکھون انسانون اور ذی روح ہستیون کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن کیا مین آپ سے پوچھ سکتا ہون کہ جرمنی کی یہ انسانیت سوز حرکتین تعصب مذہبی کی بنا پر تھین؟ کیا تاریخ اور حقائق کے لحاظ سے اسکا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ جب دنیا کی مہذب سوسائٹی طمع پرستی اور

لہ کتاب المسالک والممالک صفحہ ۵۳ اور ۱۵۴

کشت وخون سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج سے آٹھ صدی پیشتر جب محمل بقول یورپ جہالت وگمنامی کے ظلمات مین پڑے ہوئے تھے اور تمدن وشائستگی سے قطعاً ناآشنا تھے محمود وعلاء الدین ان افعال قبیحہ کے دستبرد سے آزاد رہتے، واقعہ یہ ہے کہ حملون کی غارتگری کا اصلی محرک ہند کی تجارت و دولت کا فروغ تھا اور اکثر یہ مال ومتاع پوجاریون کے ہاتھ مندرون مین اکٹھا ہوتا رہا چنانچہ پہلی آفت ان مندرون پر آکر گرتی تھی، یہ نہایت دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے مندر اور بت خانے اگر مساجد کی طرح زر وسیم سے خالی رہتے تو محمود شمال مین اور علاء الدین دکن پر کبھی حملہ آور نہ ہوتا، علاوہ برین انہدام معابد ملون کی جنگی اسکیم کا ایک جزو تھا چنانچہ وسط ایشیا کی اسلامی حکومتون کے ساتھ انھون نے وہی برتاؤ کیا جو ہندؤن کے ساتھ کچھ دنون بعد پیش آنے والا تھا، غرضکہ محمود کا یہ حملہ اقتصادی طمع کی بنا پر تھا تعصب مذہبی کو اسکے مزاج مین کچھ دخل نہ تھا، اور اگر محض دنیاوی طمع وحرص پرستی کا محمود کو ملزم ٹھہرایا جاسکتا ہے تو پھر دنیا کا محمود جیسا فاتح اس الزام سے بری نہین ہوسکتا پھر بھی محمود نے جو کچھ کیا بحالت جنگ کیا امن وآشتی کے زمانہ مین درندگی وبربریت کا کوئی واقعہ اسکی طرف منسوب نہین کیا جاسکتا، حکومت کی حیثیت سے محمود کا تعلق ہندوستان کے ساتھ بہت ہی قلیل رہا مگر اس حالت مین وہ عدل وانصاف کا سچا پرستار بنکر رہا مورخ البیرونی مشہور ہیئت دان عالم جو محمود کے ساتھ ہندوستان کی سیر کو نکلا تھا اس نے اپنے سفرنامہ مین لکھا ہے کہ محمود کے عہد مین امن وامان کا کافی دور دورہ تھا غیر اقوام کے ساتھ حتی الامکان انصاف سے کام لیا جاتا تھا، رعایا فارغ البال اور خوشحال تھی، محمود کے بعد اسکے بیٹے سلطان مسعود نے باپ کی قائم مقامی کی اسنے ہندو رعایا کے ساتھ بہت کچھ بہتر سلوک کیا جس سے اسکی رعیت پروری شرافت نفس کا کافی ثبوت ملتا ہے، اسکے زمانہ مین احمد نیال تگین ہندوستان کا سپہ سالار تھا سیم وزر کی طمع نے اسے بنارس جیسے ہندؤن کے متبرک شہر پر غارتگری کرنے پر آمادہ کردیا سلطان نے اس موقع پر اسکی گوشمالی کیلئے جس شخص کو مقرر کیا اور اسکے بجائے جسکو سپہ سالار بنایا اسکی مثال آجتک ہندوستان مین نہین پائی گئی، وہ تلک نامی ایک ہندو تھا جو قاضی ابوالحسن شیرازی جیسے اساتذۂ فن کی فیض صحبت کا تربیت یافتہ تھا، اس نے احمد کو شکست دی اور اسکا سر کاٹکر دربار شاہی مین روانہ کیا سلطان تلک کی اس خدمت کا دل سے ممنون ہوا، اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کی کسقدر پاسداری منظور تھی غوری خاندان کے بعد تخت دہلی پر غلام خلجی تغلق سید لودھی اور سور خاندان کے مختلف امرا وسلاطین نے کئی صدی تک نہایت کروفر کے ساتھ حکومت کی لیکن انکی حکومت ہمیشہ جنگی حالت پر رہی کبھی ایک حالت پر قیام نرہا، طوائف الملوکی اور خانہ جنگیون سے کبھی فرصت نہ ملی چنانچہ سر آلفرڈ لائل صاحب لکھتے ہین :-

جو فاتحین اسلام شمالی ہند مین شاہی خاندانون کے بانی ہوئے یا جنھون نے دکن مین اسلامی سلطنتین قائم کین انکو مذہب کی کچھ پروانہ تھی، ان مین اکثر ایسے تھے جنکو تبلیغ مذہب کی مہلت نہ ملی کیونکہ یا تو ملک کے فتح کرنے مین انکا وقت صرف ہوگیا یا خانہ جنگیو نسے ان کو فرصت نہ ملی، یہ مسلمان فاتح اکثر وحشی مغل یا تاتاری ہوتے تھے پیغمبر عرب کے دین پر خود انکو استحکام نہ تھا اور وہ جوش اور ولولہ جو سام بن نوح کی اولاد کا خاصہ ہے اور جسکا نمونہ عرب کے برادران اسلام نے دکھایا ہے چھو بھی نہ گیا تھا، جو سلطنت انھون نے قائم کی اسکی حیثیت ہمیشہ جنگی رہی ہے"

مگر باوجود ان باتون کے اکثرون کے عہد مین ملک سرسبز وشاداب رہا ہندو رعایا مذہبی رسوم کے ادا کرنے مین بالکل آزاد وخود مختار تھی، ان کے مذہبی جذبات کا ہر طرح لحاظ کیا جاتا تھا، اس موقع پر ہم اکی چند مثالونپر اکتفا کرتے ہین، خسرو خان جو سلطان مبارک کو قتل کرکے تخت دہلی پر بیٹھا

تھا اس نے ہندوؤں کے ساتھ بہت سی رعایتیں کیں، اسکا دربار ہمیشہ ہندو سپاہیوں سے بھرا رہتا تھا خلجی اور تغلق خاندان کے امراء و سلاطین کے عہد میں شاہی دفتروں میں تقریبًا مسلمان ہی کام کرتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ دفتروں کی زبان فارسی تھی اور ہندو چونکہ اس سے نابلد تھے اس لئے قطعًا وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے، لیکن سلطان سکندر لودھی نے ہندوؤں کی جانب توجہ کی اور انہیں فارسی عربی کی تعلیم دینی شروع کی، اس تدبیر سے چند دنوں بعد ملک کے انتظامی محکموں میں ان کی کافی تعداد نظر آنے لگی بعض فارسی کے شاعر بن گئے اور دربار شاہی سے وظائف پانے لگے" شیر شاہ کے زمانہ میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سب امن و شانتی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اگرچہ اسکے اکثر ایام زندگی جنگ و جدال میں بسر ہوگئے لیکن اپنے ملک کا جس حسن و خوبی کے ساتھ انتظام کیا تھا اسکو مدنظر رکھکر اسکی خداداد انتظامی قابلیت کی ستائش کرنی پڑتی ہے، اسکا عدل عوام میں شہرت پذیر ہے خود اسکا قول ہے کہ عدل تمام فضائل میں ایسا محمود ہے کہ وہ سب کو پسند ہے کوئی طاعت عدل کے برابر نہیں ہوسکتی کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق ہیں اگر اسکا سایہ خلائق کے سر سے اٹھ جائے تو اسکی جمعیت کا سر رشتہ ٹوٹ جائے، اپنے رفاہ عام کے سیکڑوں کام کئے، پل و پختہ سڑکیں بنوائیں سرائے و اسپتال تعمیر کروائے۔ لیکن اسکی بے تعصبی اور عدل پروری کا جو مشہور واقعہ ہے وہ یہ ہے کہ شاہزادہ عادل خان جو شیر شاہ کا بڑا لڑکا تھا، وہ آگرہ کے ایک کوچے سے ہاتھی پر سوار ہوکر گزرا ایک ہندو بقال کی عورت برہنہ ہوکر ایسے مکان میں جسکی دیواریں پست تھیں نہا رہی تھی شاہزادہ کی نظر اسپر پڑی تو وہ برانگیختہ ہوا اور پان کا بیڑہ کھینچکر مارا، عورت کی طبع غیور نے اس بے حرمتی کو جیتے جی پسند نہ کیا چنانچہ وہ خودکشی پر آمادہ ہوگئی، شوہر کو جب اسکا علم ہوا تو اس نے بدقت تمام باز رکھا اور اس معاملہ کو دربار تک لیگیا، شیر شاہ نے فیصلہ کیا کہ بقال ہاتھی پر سوار ہو اور شاہزادہ عادل کی بیگم سامنے آئے اور وہ اسے پان کے بیڑے کھینچکر مارے،

شاہزادہ کے خلاف اس قسم کا فیصلہ کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مگر عدل و انصاف پرستی کا سچا جذبہ جو ہر ایک انسان کے دل میں موجود ہونا چاہیئے وہ شفقت اولاد پر غالب آگیا سدربار کے امراء نے یہ دیکھکر شاہزادہ کی بریت کیلئے اپنی انتہائی کوششوں کا اظہار کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا بالآخر خود بقال نے شاہزادہ کے قصور کو معاف کردیا اور ان تمام جھگڑوں سے اسے رہا ہوئی اہل نظر ذرا چشم بصیرت سے وانصاف کام لیں شیر شاہ نے اس اہم موقعہ پر ایک غیر جانبدارانہ فیصلہ کرکے جو اپنی شرافت نفس اور عدالت کا ثبوت پیش کیا ہے اس سے اسکے دل میں ہندو رعایا کے مذہبی جذبات اور احساسات کی پاسداری کا بین ثبوت نہیں ملتا؟ یورپ جو آج اپنے انصاف و عدالت پر نازان ہے کیا اس منصفانہ فیصلہ کی کوئی مثال اپنی عدالت عالیہ کے تازہ اور قدیم نظائر میں پیش کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یورپین مورخین اور وقائع نگاروں کا سلاطین اسلام پر الزام رکھنا تعصب و عداوت سے کسی طرح خالی نہیں ہوسکتا۔ غرضکہ ترک و افغانوں کی مدتہائے دراز حکومت میں شاید ہی کسی حکمران کے ہاتھوں ہندوؤں کو تکلیف پہونچی ہو التمش، رضیہ بیگم، غیاث الدین بلبن، ابراہیم، سکندر لودھی، نے غیر اقوام کے ساتھ اصول محبت پر پوری کو آخری وقت تک نبھایا، اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض سلاطین کی طرف سے ہندوؤں کو خاص شکایت ہے خصوصًا علاء الدین خلجی سے کہ اس نے دکن کی ہندو ریاستوں کو پامال و برباد کرکے انکی کوئی صورت اٹھا نہ رکھی، بتوں اور مندروں کو توڑ ڈالا اور ہندو راجاؤں سے کثیر تعداد میں نقد و جواہر وصول کیا، لیکن ناظرین ذرا غور سے دیکھیں تو اسکا وہی جواب ہے جو ہم محمود غزنوی کے حملۂ ہند کے اسباب بیان کرتے وقت دے آئے ہیں یعنی اس حملہ کی اصلی علت مال و زر کی طمع اور دنیا پرستی کی انتہائی خواہش تھی اور یہ ایک عالمگیر مرض ہے جسکا ازالہ انسانی دسترس سے قطعًا دور ہے

اصغر علی محمد علی کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

بالکل باہر ہے، ہندوستان کی قدیم تاریخ کی کتابون سے پتہ چلتا ہے کہ علا "الدین کا بدترین اور انسانیت سوز فعل حملۂ چیتور ہے، وہ یہ کہ بادشاہ پدمنی کے حسن وجمال کا واقعہ سنکر غائبانہ عشق ومحبت مین مبتلا ہوجاتا ہے اور اسکے دیکھنے کا مشتاق نظر آتا ہے، راجہ سے اسے دیکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے راجپوتون کی غیرت قومی اس بدنامی کو جیتے جی پسند نہین کرتی، چنانچہ جنگ ہوتی ہے، راجپوت مارے جاتے ہین اور پدمنی معہ اپنی سہیلیون کے چتا مین گرکر خاک کا ایک ڈھیر بن جاتی ہے، لیکن تاریخی واقعات اور حقائق کی تحقیق کا آجتک دنیا مین جو دستور چلا آیا ہے اسکے لحاظ سے جب اس زمانہ کی معتبر اور صحیح تاریخ کو اٹھاکر دیکھا جاتا ہے تو اس مین سرے سے اس واقعہ کا وجود ہی نظر نہین آتا، "تاریخ فیروز شاہی جو اس زمانہ کی تنہا اور صحیح تاریخ ہے وہ اس واقعہ سے بالکل خالی ہے، یہ دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ یہ ساری داستان ایک شاعرانہ افسانہ طرازی ہے جس مین اصلیت اور واقعیت کا ذرہ برابر نام نہین، بالفرض اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے اس واقعہ کو تسلیم بھی کرلین تو شاہان اسلام کے مہتم بالشان محامد اور اوصاف کے مقابلہ مین اس کو کسی طرح اہمیت نہین دیجاسکتی، کہا جاتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد مین سلطان کے مظالم نے رعایا کو ایک عام اضطراب وپریشانی مین ڈال رکھا تھا، لاکھون انسان جنگل وبیابان مین اسکی نگاہ خشم آلود کے شکار ہوگئے، ملک تباہ ہوا، اور امن عامہ مین کچھ ایسا خلل پیدا ہوا جس سے ایک مدت تک لوگون کے دلون سے خطرات دور نہ ہوسکے، بغاوتون کا دروازہ کھل گیا اور نظام سیاست مین جس پر ملک استحکام وبقا کا انحصار ہے انتشار وپراگندی کا دور شروع ہوا، واقعہ یہ ہے کہ یہ سب سلطان کی ہوس عالمگیری کا نتیجہ تھا جس سے سلطان کے دل مین دور دراز کے ملکون کے فتح کرنیکا اک بیہودہ خیال پیدا ہوگیا تھا، مگر میرے خیال مین یہ ظلم وجفا یہ جور وتعدی محض ہندؤن کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ ان پر بھی تھا جو اسکے ہم مذہب وہم مشرب تھے ان پر تھا جنہون نے اسے خلیفہ کا خطاب دے رکھا تھا اور ان پر بھی تھا جو اسلامی حیثیت سے اسکے عطا وکرم، شفقت ومہربانی کا بہ نسبت دوسرون کے اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے،

محمد تغلق کے زمانہ مین جب فتنہ وفساد کی لہر ہر جگہ دوڑنے لگی تو امرائے دکن بھی سلطنت دہلی سے قطع تعلق کرکے خود مختار بن بیٹھے اور بہمنی کے نام سے دکن مین پانچ عظیم الشان حکومتون کی بنیا ڈالی، دکن مین اول اول اسلامی سلطنتین ہندو راجاؤن سے برسرپیکار رہین قدیمی بغض وکینہ جو چند دنون کیلئے پژمردہ ہوگیا تھا پھر از سرنو تازہ ہوگیا لیکن امتداد زمانہ کے بعد ہندؤن کے ساتھ مسلمانون کے منصفانہ برتاؤ کم ہوگئے اور انہون نے انکو کثرت کے ساتھ ملک کے انتظامی محکمون اور فوج مین داخل کرنا شروع کیا، چنانچہ فیروز شاہ بہمنی کے عہد حکومت مین ہندو کثرت سے امور ملکی پر قابض ہوگئے ....

.... ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور سے پیشتر جتنے حکمران گزرے انکے عہد مین شاہی دفترون کی زبان بالکل فارسی تھی ہندو چونکہ فارسی ادب اور عربی علم سے بالکل نابلد تھے اسلئے ان کے اختیارات محدود سے ہوکر رہ گئے اور گورنمنٹ کی نگاہ مین وقعت نہ حاصل کرسکے مگر ابراہیم عادل شاہ نے برہمنون کی حالت زار پر رحم کرکے شاہی دفترون سے فارسی نکالکر اسکے بجائے ہندی رائج کردی چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"دفتر فارسی برطرف ساختہ ہندوی کرد وبہاملہ را صاحب دخل گردانید"[۵]

---

۵ تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۷ جلد دوم،

دکن مین مسلمانون کے آخیر وقت تک وصول مالگزاری کے محکمون پر اکثر برہمن ہی حکومت کرتے رہے، اسی طرح احمد نگر کی عادلشاہی حکومت نے کثرت کے ساتھ مرہٹہ سرداردن کو بھرتی کرنا شروع کیا، سیواجی اور اسکے خاندان کے اکثر افراد کو ممتاز عہدے دئے گئے چنانچہ عادلشاہی حکومت کی غفلت شعاری نے آخیر وقت مین سیواجی کا اسقدر اقتدار بڑھا دیا کہ مسلمانون کی اس ناعاقبت اندیشانہ فیاضی و کرم گستری کا جو مآل ہوا وہ تاریخ کے صفحون سے ہویدا ہے" کاشمیر مین مسلمانون کا قیام بحیثیت ایک حکمران قوم کے مدتون رہا ہے اور انہون نے رعایا کی بہبود و فلاح ملکی اور تمدن ترقی کے اسباب و ذرائع کی تلاش و جستجو مین کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، تاریخ اس بات کی عینی شہادت کیلئے موجود ہے کہ بجز دو ایک نازیبا واقعات کے جو ناگہانی طور پر پیش آگئے تھے کوئی ایسا واقعہ موجود نہین جو مسلمان سلاطین کی ہمت افزا کوششون کو رد کر دیتا ہو، سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ مخالفین بھی انہین چند ناقابل التفات باتون کو لیکر مسلمانون کی طرف سے اپنے دلون مین ایک سوئے ظن پیدا کر لیتے ہین اور ان حالات اور ضروری واقعات کو قصداً فراموش کر دیتے ہین جو اہل اسلام کی بہترین خصائل، صفات حمیدہ اور بے تعصبی کی اعلےٰ ترین مثالین ہین اسمین شک نہین کہ سلطان سکندر بت شکن کے عہد مین سرہبٹ نامی وزیر کی بدخوئیون اور سخت مزاجی نے کاشمیر کے ہندوؤن پر مظالم کے پہاڑ گرائے ہین مندر و مذہبی مقامات برباد کر دئے گئے ہین اور کثیر تعداد مین ہندو جلاوطن کر کے اپنے آبائی وطن سے نکال دئے گئے مگر سلطان زین العابدین کشمیری نے سکندر کے عہد کی تمام بیہودہ رسمین جو بدقسمتی سے ملک مین جاری ہو گئین تھین انکا ایک ایک کر کے انسداد کیا، برباد شدہ عمارتون اور اجڑے ہوئے دیار کی اصلاح کی برہمن اور ہندو فضلا جو غریب الوطن ہو کر ہندوستان کے مہمان نواز مقامات پر جا بسے تھے انکو دور دور سے طلب کیا، جزیہ معاف کیا، گاؤ کشی کی قطعاً ممانعت کر دی اور تمام ہندوؤن کو بلا کر مذہبی آزادی کا اعلان عام کر دیا چنانچہ فارسی کے ایک مستند تذکرہ نویس کی شہادت ہے،

"ہندوان ویزاہمہ کہ در عہد سلطان سکندر از تعدی سرہبٹ جلا وطن شدہ بودند باوطان خود باز آمدند و در مقامات و معابد خود بر آسودند و سلطان از برہمنان عہد گرفت کہ انچہ در کتاب ایشان مسطور است خلاف آن نقل نکنند، بعد ازان انچہ رسوم ایشان کہ قشقہ کشیدن و سوختن زنان (ستی) ہمراہ شوہران و غیر آن کہ سلطان سکندر بر انداختہ بود ہمہ را از سر احیا نمود و جرمانہ و پیشکش و سائر حبوب از رعایا معاف داشت و زندانیان عہد سابق را آزاد کرد" [1]

کیا ان حالات کے پڑھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا صفحہ صفحہ مظالم و ستم آرائیون کی داستان سے لبریز ہے؟ بجز بہ ذاحساس کی اگر دنیا مین کچھ وقعت ہے تو واقعات کے بار بار مطالعہ کرنے سے آپ دیکھ لین گے کہ مسلمانون نے غیر اقوام کی اخلاقی معاشرتی اور علمی اصلاح مین کس حد تک اپنی جانفشانیون کا اظہار کیا ہے:

(بقیہ آئندہ)

(محمد یوسف اعظمی متعلم ندوہ لکھنؤ)

---

[1] تذکرہ آثر رحیمی صفحہ ۲۰۹

لارڈ رپن کا عہد حکومت

(بہ سلسلۂ ماہ فروری سنہ ۲۶ء)

(حیدر آباد)

"۲۸ - نومبر - علی الصباح حیدرآباد پہنچ گئے - سیمور کی گاڑی ہمارا انتظار کر رہی تھی - مسٹر کارڈری Cordery کا دعوت نامہ بھی ہمارا منتظر تھا جس میں ہمیں ریزیڈنسی میں قیام کرنے کی دعوت درج تھی - ہم نے دعوت نامہ اور گاڑی دونوں کو منظور کر لیا اور ایسا کر نیسے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ جب ہم انگلستان میں تھے تو ہم نے کی Key اور ان کی بیوی کے ساتھ ٹھیرنے کا نصف وعدہ کر لیا تھا - بلاری میں بھی مجھے یہی مشورہ دیا گیا تھا کہ میں ریزیڈنسی میں ٹھیروں اسلئے وہاں دلکش ہونے سے حیدرآباد کے حکام سے واقفیت حاصل کرنے کا زیادہ موقع مل سکیگا -

" یہ نہایت شاندار مقام ہے - اسکی تعمیر ابتدائی صدی میں ہوئی تھی - نہایت خوبصورت اور آرامدہ ہے - ہم نے اس کا ایک حصہ اپنے لئے وقف کر لیا ہے اور ہماری رہائش کا انتظام اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا - شام کو ہم کی سے ملنے گئے ان کی پوزیشن حیدرآباد میں مشتبہ سی ہے - کی یہاں ہیں اور سر سالار جنگ کیلئے کئی طریقوں سے مفید کام انجام دے چکے ہیں - صوبجات برار کے بارے میں سیاسی دعاوی مرتب کرنے میں انہوں نے سر سالار کو قیمتی مدد دی تھی لیکن سابق ریزیڈنٹ سر رچرڈ میڈ Sir Richard Meade سے ان کا جھگڑا ہو گیا کیونکہ انہوں نے کھلم کھلا موخر الذکر پر رشوت لینے کا الزام لگایا تھا - شملہ کی گورنمنٹ ان سے نور اخائف ہے - مسٹر کارڈری نے رات کو جو ضیافت کی اسمیں کی کو بھی مدعو کیا گیا تھا - ان کی موجودگی کے باعث سیاسی معاملات خود بخود زیر بحث آگئے" - (نوٹ) کی سالار جنگ سے تعلقات رکھنے کے باعث اس بے شرمانہ ظلم سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے جو گورنمنٹ ہند ان پر کرتی تھی اور اس واقفیت کو انہوں نے دیسی باشندوں کے مفاد میں صرف کرنے سے کبھی تامل نہیں کیا - اس وجہ سے کلکتہ کے دفتر خارجہ کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتے رہے ۱۸۸۳ء میں وہ بہت سی دولت جمع کر کے انگلستان چلے گئے اور پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے - میری ان سے ملاقات انگلستان میں ہوئی جبکہ انہوں نے "مصریوں کو خراب کرنے" کے عنوان سے ایک فاضلانہ رسالہ لکھا تھا -

" ۲۹ - نومبر - مسٹر کارڈری کی عمر ۵۵ سال کی ہے اور وہ انڈین سول سروس کے چراغ سمجھے جاتے ہیں - شروع شروع میں وہ کچھ کھچے رہے لیکن چونکہ میں نے اپنے خیالات صاف صاف بیان کر دئے ہیں اسلئے ان کا انداز بھی قدرتی ہو گیا ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسیع معلومات رکھتے ہیں اور کسی قدر ہیر مذاق بھی ہیں اور یقیناً غیر ہمدرد نہیں معلوم ہوتے - یہ ظاہر ہے کہ یہاں ہم زیر نگرانی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ ریزیڈنسی میں ہمیں رکھنے کا منشا یہی تھا کہ ہم ہر قسم کی شرارت کرنے سے محترز رہیں - بہر حال میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ میرے الفاظ حکام بالا تک ہی کیوں نہ پہنچائے جائیں میں ہر ملنے والے سے صفائی کے ساتھ بات چیت کرونگا - غالب بے جو عرب ہیں اور یہاں سرکاری افسر ہیں، ریزیڈنسی کے منشی کی معیت میں ملنے کیلئے آئے - میرے خیال میں منشی ہماری گفتگو معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا - لیکن ہم نے عربی میں گفتگو کی جو منشی کو بہت کم آتی ہے - ہم نے مصری معاملات اور عربی کے دوبارہ بحال ہونے کے امکانات پر گفتگو کی - غالب

سلطان لاحج کے رشتہ دار ہین اور چند نسلوں سے یہین مقیم ہین - عربی بولنے مین انہین تکلف ہوتا ہے -

" ان سے زیادہ دلچسپ لائق علی (نوجوان سالار جنگ) کی شخصیت تھی جنہین اپنے والد کا خطاب ملگیا ہے انکی عمر صرف ۲۲ سال کی ہے لیکن اپنے اوضاع واطوار سے بہترین تربیت یافتہ انگریز معلوم ہوتے ہین - ان کے قد کو دیکھکر پمبروک Pembroke کی یادگار تازہ ہو جاتی ہے ان کا خیال تہا کہ انگریزون نے مصر مین سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے - عربی کی واپسی کے خیال سے خوش ہوئے - مین نے شیخ جمال الدین کے تعارفی خط کا ذکر کیا جو نواب رسول یار خان کے نام تہا - انہون نے کہا کہ شیخ میرے والد کے بھی دوست رہ چکے ہین اور ایک مرتبہ انہون نے ہم دونون کی اور نواب موصوف کی دعوت بھی کی تھی تاکہ گفتگو زیادہ آزادی کے ساتھ ہوسکے - مجھے یہ نوجوان بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اور اسے دیکھکر مجھے اسکے والد سے انکی زندگی مین نہ ملنے کا رنج جاتا رہا - سر سالار جنگ ہماری حکومت کیلئے مجسمۂ ملامت تھے اور بقول لٹن Lytton ایک مستقل خطرہ - نوجوان سالار جنگ کو ہندوستانی آزادی کی تاریخ مین نمایان حصہ لینا چاہیئے -

ریزیڈنسی مین کارڈری کے ساتھ ایک اور شخص مسمی ٹریور ہے Trevor بہت ہوشیار آدمی ہے اور انڈین سول سروس کا اچھا نمونہ پیش کرتا ہے - اسکے ماتحت میلویل ہے - ان دونون نے ابتدا مین مجھے شک وشبہ کی نظر سے دیکھا تہا - لیکن جب سے مین نے انسے یہ کہدیا ہے کہ جس سول سروس سے تمہارا تعلق ہے مین اسے بالکل موقوف کردئے جانے کی تمنا رکھتا ہون، اسوقت سے ہم دونون دوست ہوگئے ہین -

" نظام کے اتالیق میجر کلارک Clarke ہمین ہاتھیون پر بٹھاکر شہر کی سیر کیلئے لیگئے - یہ شہر قاہرہ کی طرح نہایت خوشنما ہے اور مدراس کے مقابلہ مین بالکل پیرس کی شان دکھتا ہے - لوگون کے چہرہ سے آزادی کی خوشنما جھلک صاف دکھائی دیتی ہے - وہ بظاہر عرب معلوم ہوتے ہین - اکثر اہل نجد کی طرح اپنے ہاتھ مین تلوار رکھتے ہین - بازارون مین گاڑیون کے علاوہ اونٹ اور ہاتھی بھی چلتے پھرتے نظر آتے ہین - یہ ناممکن ہے کہ یہ لوگ انگریزی عہد حکومت کے پژمردہ شہرون سے کہین زیادہ خوش نہ ہون - اور مجھے تو اس بات کا یقین ہے کہ وہ زیادہ خوش ہین - ہم آج بشیر الدولہ کے محل مین گئے جسکی چھت پر سے جو نظارہ دیکھنے مین آتا ہے وہ دنیا کے عمدہ ترین نظارون مین ہے - اسکے بعد سر سالار جنگ کا تالاب دیکھنے کیلئے گئے - وہان سے فرانسیسی بارکون کی سیر کی -

" ۳۰ - نومبر - صبح کا کھانا کھانے سے پیشتر ہم نظام کا اصطبل دیکھنے گئے - ایک مین بدصورت دیلر ہین اور دوسرے مین عربی گھوڑے موخر الذکر قد مین چھوٹے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ نجد مین پرورش پائی تھی - گھوڑون کا انتظام محمد علی بلٹ کے ہاتھ مین ہے جو ایرانی النسل ہین اور اچھے سوار ہین -

" القیطی (جس نے انگریزون کی مدد سے مقلا کی بادشاہت حاصل کی) کے بھائی اور سید علی بلگرامی سے بھی صحبت رہی موخر الذکر ان نفوس مین سے ہین جنہین عام رائے کو بیدار کرنے کی غرض سے حیدرآباد دبلایا تھا - یہ یہان سول انجنیر ہین - انکے بھائی سید حسین سر سالار جنگ کے پرائیوٹ سیکرٹیری تھے - انہون نے یہان کی پارٹیون کی حالت بیان کی - سالار جنگ کی وفات پر وزیر کے بیٹے لائق علی اور ہندو افسر پیشکار کو بطور کمیشن کے مقرر کر دیا کیونکہ نظام نابالغ تھے - پیشکار معاملات سلطنت کی جانب بہت کم توجہ کرتے تھے اور نوجوان سالار جنگ کو

حتی الامکان نظرانداز کرنیکے عادی تھے۔ سب سے زیادہ اثر ایک تیسرے افسر شمس الامرا کا تھا جو سر سالار جنگ کا دشمن تھا۔ معاملات سلطنت اس طرح سے دن بدن زیادہ خراب ہوتے گئے۔ ریزیڈنسی کی اس عرصہ مین یہی کوشش رہی کہ وہ یہ ظاہر کرتی رہے کہ دیسی حکومت امن قائم رکھنے کے قابل نہین ہے۔ سر سالار جنگ کے زمانہ مین ریاست حیدرآباد کی حالت اتنی ہی محفوظ و مضبوط تھی جتنی ہندوستان کے کسی اور حصہ کی ہوسکتی تھی۔

"۱۔ دسمبر۔ سالار جنگ کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا۔ سالار جنگ کے ایک طرف مین بیٹھا اور دوسری جانب سید علی بلگرامی۔ ان سے مستقبل اسلام کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ انہون نے میری کتاب کا مطالعہ کیا تھا لیکن وہ بہت زیادہ مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس بارے مین وہ میرے ہم خیال تھے کہ اگر ہم عربی اور جامعہ ازہر کے دوسرے روشن خیال اشخاص کا اقتدار مصر مین از سرنو قائم کرا دین تو ہندوستان مین اس کا اثر بے انتہا ہوگا۔ انہون نے کہا کہ قسطنطنیہ کے بجائے مصر اور مکہ کی جانب ہماری نگاہین زیادہ اٹھتی ہین (سید علی شیعہ ہین) لیکن ہم سب ہندوستان مین پست حالت مین ہین۔ اصلاح کیلئے مذہبی بنیاد کی سخت ضرورت ہے۔ اسکے بعد انہون نے حج کا ذکر کیا اور کہا کہ برٹش گورنمنٹ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اسکے انتظامات کو بہتر بنانے کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ مین نے آپ کی کتاب کا حوالہ دیدیا ہے۔ شیعہ ہونے کی حیثیت سے انہین سلطان المعظم سے کوئی عقیدت نہین ہوسکتی۔ شیخ جمال الدین کے متعلق انہون نے کہا کہ وہ سوشلسٹ ہین اور اسقدر جوشیلے کہ ان سے کسی اصلاح کا کام نہین ہوسکتا۔ انہون نے مہدی کا ذکر کیا اور کہا کہ میری دعا ہے کہ اسے کامیابی نصیب ہو۔ انہون نے کہا کہ اگر اسے کامیابی ہوگئی تو چھٹی صدی ہجری کی عبداللہ کی تاریخ کا اعادہ ہو جائیگا۔

شام کو نواب رسول یار جنگ آئے۔ ازہر کے نمونہ کے عالم ہین، روشن خیال، سوشلسٹ اور جمال الدین کے پر جوش مرید وہ انگریزی نہین جانتے۔ مگر فارسی مین ماہر ہین اور عربی سے بھی کسی قدر آشنا ہین۔ ہم نے آخری زبان مین گفتگو کی۔ وہ کہتے ہین کہ یہان زیادہ تر لوگ سنّی ہین مگر سنیون اور شیعون کے درمیان کسی قسم کی رنجش نہین پائی جاتی۔ عام لوگ دکن کے باہر کے واقعات سے نابلد ہین لیکن انہین مصری جنگ کا حال معلوم ہوگیا ہے اور وہ مہدی سے ہمدردی رکھتے ہین۔ لارڈ رپن کے متعلق خود ان کی معلومات محدود تھی ان کا خیال ہے کہ ہندوستان مین جمال الدین جیسا شخص نہین ملے گا۔ انہون نے نہایت احترام کے ساتھ اپنی جیب مین سے افغانی شیخ کا فوٹو نکالا۔ مین نے پوچھا کہ یہان اسلامی اخبارات شائع ہوتے ہین یا نہین تو انہون نے اسکا جواب نفی مین دیا مجھے یہ چھوٹا سا آدمی بہت اچھا معلوم ہوا۔ پیر کے دن آنے کا وعدہ کر گئے ہین۔

"۲۔ دسمبر۔ اقبال الدولہ (وقار الامرا) آئے۔ یہ سالار جنگ کے طرفدار ہین اور روشن خیال ہین۔ اپنے بھائی خورشید جاہ کے مخالف ہین جو قدامت پسند ہین اور پیشکار کی پارٹی کی روح رواں ہین۔ ریزیڈنسی بلاشبہ پیشکار کی جماعت کی حمایت کرتی ہے اسلئے کہ اصلاحات کے مخالفین کے ذریعہ کام کرنے مین انگریزون کا فائدہ ہے بعینہ یہی حالت مصر کی ہے۔ کارڈری ان تمام نوجوان مسلمانون کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے جنہین مرحوم سالار جنگ نے بلایا تھا۔ ان مین سب سے زیادہ قابل سید حسین بلگرامی ہین۔ کارڈری نے انہین صبح کے وقت بلایا اور کہا کہ جسقدر جلد ممکن ہو، حیدرآباد سے چلے جاؤ۔ ریزیڈنٹ کو جو مطلق العنان طاقت یہان حاصل ہے، باہر والونکو

اس کا شکل سے یقین آئیگا۔ اقبال الدولہ اس چھوٹے سے سرخ چہرے کے آدمی کارڈری سے بچے کی طرح تھر تھر کانپتے ہین۔ سید حسین تھرتھراتے تو نہین لیکن وہ حیدرآباد سے چلے جانے پر مجبور کئے جائین گے۔ آج ان کے اور ان کے بھائیون کے ساتھ چائے پی۔ مولوی چراغ علی بھی تھے جنہین پرانے خیال کے مسلمان "نیچری" کے لقب سے یاد کرتے ہین اسلئے کہ "مستقبل اسلام" مین جن سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کا خاکہ کھینچا گیا ہے وہ ان کی تائید کرتے ہین۔ ان کا خیال یہ ہے کہ موجودہ سلطان المعظم اور خلیفۃ المسلمین ان کو عملی جامہ پہنائین۔ ان کی موجودہ رائے اسوجہ سے ہے کہ انہون نے قسطنطنیہ کی کبھی سیاحت نہین کی ورنہ انہین معلوم ہوجاتا کہ یہ توقع کسقدر ناامیدی سے بھری ہوئی ہے۔ ان نوجوانون سے انسان اسی آزادی سے گفتگو کرسکتا ہے جس آزادی کے ساتھ کسی انگریز سے گفتگو کیجاسکتی ہے اور مجھے یہ معلوم کرکے کچھ بھی اچنبھا نہین ہوا کہ کارڈری ان سے خائف رہتا ہے۔

" ہم نے میجر کلارک کے ساتھ کھانا کھایا۔ کارڈری انہین بھی نکالنے کی فکر مین ہین کیونکہ وہ آزاد آدمی ہین اور کلکتہ کے دفتر خارجہ کے مقابلہ مین نظام کے مفاد کا زیادہ خیال رکھتے ہین۔

" ۲۔ دسمبر۔ سلطان نواز جنگ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ شہر مکلا کے سلطان ہین۔ حیدرآباد کے اکثر عرب لوگ عرب کے جنوب مشرقی ساحل سے آئے ہین انہون نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور گاڑی کے ساتھ لانسرز کا ایک دستہ بھیجا۔ ان کا مکان شہر مین ہے اور خوشنما ہے۔ کھانا اچھا نہ تھا اسلئے کہ وہ اینگلو انڈین طرز کا تھا جس سے زیادہ بری اور کوئی چیز دنیا مین نہین ہوسکتی۔ عرب مین سلطان نواز القعیطی کے نام سے مشہور ہین وہ وہان کچھ زیادہ نیک نام نہین ہین کیونکہ انہین موجودہ دولت اور سلطنت انگریزی وسیلے سے روپیہ قرض دینے کے باعث ملی ہے۔ یہان بھی وہ روپیہ قرض دیتے ہین اور ریزیڈنسی کے آدمی کہتے ہین کہ حیدرآباد کے ذمہ ان کے ۳۰ لاکھ روپے نکلتے ہین۔ وہ پیشکار کی جماعت کے آدمی ہین اور آج کھانے کے موقع پر برطانوی حکومت سے اپنی وفاداری کا اظہار کررہے تھے۔ ایسا کرنا انہین زیب دیتا ہے کیونکہ انگریزی حکومت نے ان کے دوسرے دعویدار کو جلاوطن کرکے زنجبار بھیجدیا ہے۔ ان کی پرورش عرب مین نہین ہوئی اور اسلئے عربی بدقت بولتے ہین۔

" سہ پہر کو کارڈری ہمین گھوڑدوڑ مین لے گئے۔ وہان ہمین نظام کے حضور مین پیش کیا گیا۔ ان کی عمر ۱۶ برس کی ہے اور ذرا شرمیلے ہین۔ سالار جنگ جنکی عمر ۲۲ سال کی ہے اور قد چھ فٹ سے اونچا ہے، نہایت شان کے ساتھ ان کے برابر کھڑے تھے

" ۴۔ دسمبر۔ ہمین اکھاڑے اور شہسواری کی نمائش دیکھنے کیلئے گئے۔ وہاں پیشکار سے ملاقات ہوئی جنکی پیٹھ خمیدگی سے دوہری ہوگئی ہے۔ وہ باوجود ہندو ہونے کے عربی بول لیتے ہین۔ گھر آنے کے بعد مسز کلارک نے حیدرآباد کی سیاسیات کا دلچسپ حال بیان کیا۔ وہ کہتی ہین کہ نظام کا شرمیلاپن اور ڈرا ڈرا رہنا ایک واقعہ کی وجہ سے ہے جو زنان خانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پستول کے ساتھ کھیلتے ہوئے اتفاقاً کسی بچے کے گولی لگ گئی اور اب انہین یقین دلا دیا گیا ہے کہ انگریز ریزیڈنٹ اس حرکت کے باعث تمہین ہر وقت قید کرسکتا ہے۔ وہ میرے ساتھ بہت باتین کرتے ہین اور کہتے ہین کہ تخت پر بیٹھتے ہی مین تمام انتظام اپنے ہاتھ مین لے لونگا سالار جنگ سے انہین محبت ہے لیکن کارڈری سے خائف رہتے ہین جو خورشید جاہ کی حمایت مین ہے اور اسکے ایک لڑکے کو ہر وقت

اپنے ساتھ رکھتا ہے - کارڈری میجر کلارک سے اس لئے ناراض ہے کہ اس نے نادرن ریلوے کی مخالفت کی ہے جسے گورنمنٹ ہند جنگی نقطۂ خیال سے ضروری تصور کرتی ہے - کارڈری کلارک اور سر سالار مرحوم کے دوستوں کو نکال دینا چاہتا ہے تاکہ نوجوان سالار جنگ سید حسین بلگرامی جیسے قابل مشیروں سے محروم ہوجائے - اس پالیسی کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآبادی امرا کو دنیا کی تحریکوں کی خبر نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند دیدہ و دانستہ حیدرآباد کے خراب انتظام کو ترقی دینا چاہتی ہے - بعینہٖ یہی کام مصر میں بھی کیا جارہا ہے -

"۵ - دسمبر - علی عبداللہ کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا - سالار جنگ اور سید حسین بلگرامی بھی وہاں موجود تھے - ہم نے مسئلہ شراب خواری پر بحث کی جسکا حیدرآباد کے مسلمانوں میں عام رواج ہے - میں نے کہا کہ انگلستان میں ہم شرابی مسلمان کا احترام نہیں کرتے اور ساتھ ہی ان سے یہ کہا کہ مصر میں بہت کم مسلمان شراب پیتے ہیں اور عرب میں ایک بھی نہیں پیتا - میں نے بمنت سید حسین سے کہا کہ سالار جنگ کو مشورہ دیجئے کہ جب لارڈ رپن کلکتہ میں ہوں تو ان سے یہاں کی حالت من وعن بیان کریں -

"شیعی علماء کے مجتہد سید علی شوستری سے ملاقات کی - ان سے عربی میں بات چیت رہی - یہ بھی جمال الدین کے دوست ہیں مگر انہیں "متعصب" سمجھتے ہیں - یہ پکے عراقی ہیں اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں جچے -

"وقارالامرا کے یہاں کھانا کھایا - وہ آج کل ریزیڈنسی کے معتوب ہیں اسلئے کہ ان کے اپنے بھائی خورشید جاہ سے اچھے تعلقات نہیں - کارڈری بھی ضیافت میں موجود تھے - میجر گف Gough نے جو نظام کے آدمیوں میں سے ہیں، مجھ سے درخواست کی ہے کہ جب آپ لارڈ رپن سے کلکتہ میں ملیں تو سالار جنگ کی تائید میں جو کچھ کہہ سکیں کہیں -

"۷ - دسمبر - مسلم اسکول کے ایک استاد ملنے کے لئے آئے - کہتے تھے کہ مسلمان حالت سکون میں نہیں ہیں انہیں بالکل خبر نہیں کہ بیرونی دنیا میں کیا ہورہا ہے - انہیں علم اور تعلیم کی ضرورت ہے - ان کیلئے مدارس تو ہیں لیکن اعلےٰ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے - ان کا بہترین وزیر سر سالار جنگ تھا لیکن ان کا انتقال ہوگیا ہے - موجودہ افسر انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں اور سر سالار جنگ کے بہترین کاموں کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں - مرحوم سر سالار جنگ کے صاحبزادے چونکہ سیر و سیاحت کر چکے ہیں اسلئے وہ بھی بہت روشن خیال ہیں - میں نے خورشید جاہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ حکومت دو تین جاہل آدمیوں کے ہاتھ میں ہے - قابل آدمیوں کو ریاست سے نکالا جارہا ہے - مسلم ٹیچر کے ساتھ ایک ایرانی بھی تھا - دونوں یہ سنکر بیحد خوش ہوئے کہ اپنی قرآن شریف کو تین مرتبہ ختم کر چکی ہے - یہ پرانے خیال کا مسلمان بظاہر دل سے انگریزوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر اسکے خیالات کا مجھ پر خاص اثر ہوا - حیدرآباد کے مسلمان خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، اصلاحات کیلئے بالکل تیار ہیں - چراغ علی سے بھی انکی کتاب کے متعلق گفتگو رہی - انہوں نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے قاہرہ کا ہر روشن خیال عالم اتفاق کر سکتا ہے - میں نے ان سے کہدیا ہے کہ اگر آپ اصلاحات کے نفاذ کیلئے قسطنطنیہ پر اعتماد کریں گے تو فضول کام کرینگے -

"سالار جنگ نے اپنی سے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنے والد کی تمام خط و کتابت آپ کے سپرد کردونگا - میں بھی اقرار

کے دن کھانے پر بلایا ہے تاکہ ملاقات اطمینان کے ساتھ ہو سکے۔ وہ پورے طور پر مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہین۔ بڑی بڑی ضیافتون مین جب تک تم پاس نہ بیٹھو تم کسی شخص سے گفتگو نہین کر سکتے۔ خواہ یورپین موجود ہون یا نہ ہون ہر شخص خائف رہتا ہے کہ کہین رزیڈنسی کے ملازم اسکی بات نہ سن لین۔ سید علی شوستری اور رسول یار خان بھی موجود تھے اور چونکہ ہماری گفتگو عربی مین ہو رہی تھی اسلئے ہمین کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ شوستری کا خیال ہے کہ ہندو موجودہ نظام حکومت سے خوش اور مسلمان سخت ناراض ہین۔ پیشکار نے بھی ہماری دعوت کی ہے لیکن اسوقت تک ہم حیدرآباد سے جا چکین گے۔

"۸۔ دسمبر۔ سید عبداللہ مکی سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ سوداگر ہے۔ اس نے ترکون کے خلاف شریف مکہ عبدالمطلب کی بغاوتون کا حال بیان کیا۔ وہ کہتا ہے کہ شریف عربون کو ترکون کی طرف سے اسلئے بھڑکاتے رہتے ہین کہ کہین وہ ترکون سے نہ مل جائین۔ آخر عمر مین عبدالمطلب افیون کا عادی ہو گیا تھا اسلئے اپنے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔

"اسی عرب نے حیدرآباد کی سیاسیات پر بھی روشنی ڈالی۔ سالار جنگ مرحوم کا نہایت مداح ہے جو خود عربی النسل تھے۔ اس نے بیان کیا کہ جب مین ۳۰ سال قبل یہان آیا تھا تو کھلم کھلا بازارون مین ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے۔ اسکے بعد سالار جنگ مرحوم نے امن وامان قائم کیا۔ مین نے شیعون کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ سنیون اور شیعون مین بالکل اختلافات موجود نہین۔ مین خود سنی ہون لیکن ہم سب ایک ساتھ نماز پڑھتے ہین۔ ہندوؤن سے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہین۔ نواب لائق علی خان کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ شخص اپنے باپ کی طرح ایک دن وزیر بن جائیگا۔ سب لوگ اس سے محبت کرتے ہین۔ نظام کے متعلق اس نے کہا کہ وہ بادشاہ کی طرح رہتے ہین۔ امرا انہین پبلک مین بولنے نہین دیتے اور لوگ سمجھتے ہین کہ وہ بیوقوف ہین۔ اپنے آدمیون کے ساتھ وہ بہت دل خوش کن طریقہ سے گفتگو کیا کرتے ہین۔ مین اس مکی سوداگر کو پسند کرتا ہون۔ مجھے شبہہ ہے کہ آیا لندن کے سوداگر اپنے ملک کی سیاسیات پر اسکی طرح گفتگو کرنے کے لائق ہو سکتے ہین۔

"نظام رزیڈنسی مین کھانے پر آئے۔ اپنے ساتھ اپنی کو بھی لے آئے تھے۔ بہت سے اعیان سلطنت اور امرا بھی موجود تھے نظام حسب معمول خاموش تھے لیکن یہ آداب مین داخل ہے۔ ٹریور نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ نظام کے والد کبھی انگریزی حکام سے گفتگو نہین کرتے تھے اور نہ انکی طرف دیکھتے تھے۔

"۹۔ دسمبر۔ ماسٹر صاحب دوبارہ ملاقات کو آئے کہتے تھے کہ مسلمان دن بدن زیادہ غریب ہوتے جاتے ہین، گورنمنٹ نے ان کی زمینون پر سخت ٹیکس لگا رکھے ہین اور شہرون مین ان کیلئے کوئی دھندا نہین۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ انہین اپنی حالت کو بہتر بنانے کیلئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین۔ مین نے کہا کہ انہین تجارت کی جانب متوجہ کرنا چاہئے، انگریزی سیکھکر ہندوؤن سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ وہ شاکی ہین کہ جہان جہان مسلمانون نے انگریزی سیکھی ہے وہان وہ کافر کھلائے جاتے ہین۔ حیدرآباد مین ٹیکس زیادہ نہین ہین لیکن انگریزی حکومت کا انتظام انہین گھیرے ہوئے ہے اور انگریزی سامان تجارت ہندوستانی مصنوعات کو مارے ڈالتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی امداد نہ کی گئی تو ہر مسلمان انگریزی حکومت کا دشمن ہو جائیگا۔

" ماسٹر صاحب نے انگریزی افسرون کے مظالم اور وحشیانہ اطوار کی سختی سے شکایت کی۔ انہون نے مجھ سے پوچھا کہ آپ باقی اور انگریزون سے کیون مختلف ہین کیونکہ آپ مجھے اپنی چارپائی پر بیٹھنے کی اجازت دیتے ہین، مجھ سے خوش خلقی سے بات چیت کرتے ہین اور غلامون کی طرح سلوک نہین کرتے۔ انہون نے کہا کہ افسران برطانیہ اپنی کرسیون پر بیٹھے بیٹھے بات کرتے ہین، ہمین کھڑا رکھتے ہین، سلام کا جواب دئے بغیر احکام دینے لگ جاتے ہین۔ آپ مجھ ٹیچرز سے مساوی طور پر ملتے ہین۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ مین نے جواباً کہا کہ ہم مین تربیت کے مختلف مدارج ہین اور جتنی زیادہ تعلیم و تربیت کسی شخص مین ہوگی اتنی ہی اسکے خلق مین وسعت پائی جائے گی ہندوستان مین سرکاری ملازمتون کے لئے جو انگریز آتے ہین ان مین سے اکثر ادنیٰ خاندانون سے تعلق رکھتے ہین۔ اور چونکہ وہ شستہ سوسائٹی کے خوگر نہین ہوتے اسلئے جب وہ ہندوستان مین آتے ہی اپنے تئین بااختیار پاتے ہین تو ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ مگر مین نے امید ظاہر کی کہ یہ حالت جلد بہتر ہو جائیگی۔ انہون نے کہا کہ افسران خود اپنی قوم کی جانب سے نفرت کے جذبات پیدا کراتے ہین بہت سے لوگ جو انگریزی حکومت کو اچھا سمجھتے ہین، حکام کے اطوار دیکھکر اس سے کشیدہ و متنفر ہو جاتے ہین۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور کا سفر کرکے کیون آئے ہین اور یہ کہ آپ ہماری امداد کیون کرنا چاہتے ہین۔ مین نے کہا کہ میری جوانی کے دن تمام مین بسر ہوئے ہین اور مین چاہتا ہون کہ مرنے سے پیشتر کچھ نیکی کر جاؤن۔ چونکہ مسلمانون نے مجھ سے نہایت مہربانی آمیز سلوک کیا ہے اور انہین سے مین نے خدا پر یقین کرنا سیکھا ہے اس لئے مین سال کا کچھ حصہ ان مین بسر کر لیتا ہون۔

" صبح کے ۱۰ بجے سالار جنگ کے یہان کھانے کیلئے گئے۔ ہم نے پہلے سے طے کر لیا تھا کہ دعوت مین کسی انگریز کو مدعو نہ کیا جائیگا سیاسی صورت حالات پر نہایت آزادی سے گفتگو رہی اور وہ یہ ہے کہ چند ہفتے مین نظام بالغ ہو جائین گے اور یہ کہ ریزیڈنسی کی طرف سے اس امر کی کوشش ہو رہی ہے کہ ایسے عہدنامہ پر ان سے دستخط کروالئے جائین جو نظام اور گورنمنٹ ہند کے مابین تجدید اتحاد کے ساتھ ساتھ قبل کے تمام عہدنامون کو کالعدم کر دیگا۔ اس طرح سے صوبجات برار ہمیشہ کیلئے انگریزی قبضہ و تصرف مین آجائینگے۔"

مسئلہ برار کی اصلیت یہ ہے کہ کئی سال ہوئے (اور وہ زمانہ سر سالار جنگ سے پیشتر کا تھا) ریاست حیدرآباد کا انتظام حکومت خراب حالت مین تھا اور اسکی مالی حالت تو اسدرجہ ناقص ہو گئی تھی کہ نظام کو کلکتہ کی حکومت سے کئی کروڑ روپیہ قرض لینا پڑا۔ گورنمنٹ نے اس قرضہ کے عوض مین صوبجات زیر بحث کو مکفول کرلیا۔ یہ علاقہ نظام کی سلطنت کا زرخیز ترین جزو تھا۔ شرطیہ قرار پائی تھی کہ جب تک قرض نہ ادا ہو جائے گورنمنٹ ہند ان علاقون کا انتظام کریگی۔ اس انتظام کی وجہ سے قدرتاً بہت سے انگریزون کو ملازم رکھنا پڑا بالخصوص انڈین سول سروس کے بہت سے ممبرون کو اعلےٰ اعلےٰ تنخواہین دی گئین۔ اسوقت سے گورنمنٹ کی یہ کوشش رہی ہے کہ علاقہ جات کی واپسی کو ناممکن کر دیا جائے۔ اس غرض کیلئے صوبجات مذکورہ کا انتظام نہایت اچھا کیا گیا ہے ٹیکس بھی مقابلتہً ہلکے ہین اور کسانون کو انگریزی عہد حکومت سے مانوس کرنے کے ارادہ سے کوئی ایسی کوشش نہین جو نہ کی گئی ہو درآن حالیکہ برطانوی ہند کے اکثر حصون کی حکومت اس زمانہ مین اس سے بدرجہا خراب تھی۔ یہ

کبھی امید نہین کی گئی تھی کہ نظام قرض ادا کر سکینگے لیکن یہ خیال کرلیا گیا تھا کہ اگر روپیہ واپس دے بھی دیا گیا تو اس صورت مین صوبجات کی خوشحالی انکار کردینے کیلئے وجہ قرار دیدی جائیگی ۔ سر سالار جنگ چونکہ غیر معمولی طبیعت کے شخص تھے ۔ اسلئے انہون نے نہ صرف دکن مین امن و امان بحال کردیا بلکہ حیدرآباد کی مالیات کو ایسی حالت پر پہونچا دیا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین وہ روپیہ لیکر پہنچے اور صوبجات کی واپسی کا مطالبہ کیا ۔ ان کا مسئلہ لندن کو ریہ اصرار کرنا تھا کہ امپیریل گورنمنٹ کے ہاتھون ان پر مظالم کا سلسلہ شروع کردیا گیا جو بے رحمانہ طریقہ سے ان کی وفات تک جاری رہا ۔ ان کا دعویٰ بدستور قائم ہے اسلئے کہ اس کی بنیاد اس معاہدہ پر ہے جو دو سلطنتون کے درمیان ہوچکا ہے ۔ اور اب نظام کی خوردسالی اور انکے طاقتور وزیر کی موت سے فائدہ اٹھا کر اس معاہدہ کو کالعدم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے "

"سید حسین کو پورا وثوق ہے کہ جدید معاہدہ کا مسودہ ریزیڈنسی مین موجود ہے ۔ وہ کہتے ہین کہ مین نے اس کی نقل یا خلاصہ دیکھا ہے اور یہ کہ نوجوان نظام سے جونہی کہ وہ بالغ ہوجائینگے ، تخت نشینی کی شرط کے طور پر زبردستی دستخط کرائے جائینگے یا ان کے تخت نشین ہونے سے پیشتر پیشکار کے دستخط لے لئے جائینگے ۔ کونسل بوڑھے اور کمزور پیشکار ، بسعید خورشید جاہ (ریزیڈنسی کے زیر اثر ہین) اور شمس الامرا ... پر مشتمل ہے ۔ موخر الذکر مین کوئی سکت نہین ۔ نوجوان سالار جنگ کونسل کے سکریٹری ہین اور اسلئے آخری فیصلہ پر ان کی آواز کا زیادہ اثر نہین پڑ سکتا ۔ مگر مجھے یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کہ لارڈ رپن کی حکومت ایسے اہم عہدنامہ کو ایجنسی کے آخری ایام مین انجام تک پہنچانے مین جلدبازی سے کام لیگی ۔ میرا خیال یہ ہے کہ نوجوان سالار جنگ پر دباؤ ڈالا جائے گا خواہ خوشامد سے خواہ دھمکیون کے ذریعہ ، اور نظام کے تخت پر متمکن ہوتے ہی دستخط کروالئے جائینگے ۔ برخلاف اسکے ایک اور معاملہ جسپر حکومت ہند کو اصرار تھا ، یعنی معاہدہ ریلوے ، اسے بعینہ اسی طریقہ سے پیشکار کے ذریعہ طے کرلیا گیا ہے ۔ یہ بات خود کارڈری نے ہم سے بیان کی ہے اور ممکن ہے کہ سید حسین نے جو کچھ کہا ہے ، وہ ٹھیک ہو ۔ اسی وجہ سے مین کلکتہ جانے مین عجلت کر رہا ہون تاکہ لارڈ رپن کے روبرو سارا مسئلہ پیش کرون اور دفتر خارجہ کی چالبازیون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرون ۔

"ریزیڈنسی مین مسودۂ معاہدہ کی موجودگی سے مجھے بہت سی باتون کی حقیقت معلوم ہوگئی ، ایک تو یہ کہ باوجود بدنظمی کے پیشکار کی حمایت کی جاتی تھی ، دوسرے سالار جنگ کو ان کے والد کے بہترین آدمیون کو برخاست کرکے تن تنہا چھوڑ دیا گیا ، تیسرے جو لوگ واپسی برار کی تائید مین تھے ان کے چال چلن کے بارے مین طرح طرح کی افواہین پھیلائی گئین ، چوتھے کارڈری کا یہ کہنا کہ لائق علی بہت متردد رہے اور اسکے لئے واحد چارۂ کار یہ ہے کہ پیشکار کے ساتھ ملکر کام کرے ، پانچوین خورشید جاہ کے ساتھ بہ حیثیت ولیعہد مراعات کا کیا جانا اور نوجوان نظام سے جھگڑا حاصل کرنے کی صورت مین اسکو امیدوار تخت کے طور پر موجود رکھنا ، ساتھ ہی کارڈری کا یہ مشہور کرنا کہ نظام کا چال چلن گڑا ہوا ہے اور اسی قسم کی دوسری باتون کا اعادہ کرنا ۔ کھانے کے موقع پر کارڈری نے اپنی سے ان تمام باتون پر گفتگو کی ۔ اس سے

ایک اور اہم واقعہ پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چند دن ہوئے کار ڈری لائق علی سے سختی کے ساتھ باتین کر رہا تھا اور جب گفتگو ختم ہو چکی تو اس نے لائق علی کے کندھے پر ہاتھ رکھکر معافی مانگی اور کہا کہ سخت گفتگو کرتے وقت مین صرف حکام بالا کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ اسی طرح اسنے سید حسین سے بھی معافی مانگی جنہین اس نے حیدرآباد سے چھ مہینے کیلئے چلے جانے کا حکم دیدیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے کہ "مین آپ سے نا انصافی کر رہا ہون لیکن پبلک کے مفاد کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے"۔ مین نے لائق علی سے کہدیا ہے کہ کلکتہ مین جب آپ لارڈ رپن سے ملین تو ان تمام باتون کو صاف صاف بیان کر دین۔ ساتھ ہی مین نے لارڈ رپن کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔

جب وہ نظام کے ساتھ کلکتہ آئینگے تو مین لائق علی کو ضروری مشورہ دونگا اس لئے کہ ان کے دوستون کو ہمراہ آنے کی اجازت نہین ہے ان نے مجھے مسئلۂ برار کے متعلق اپنے والد کی مطبوعہ خط وکتابت دیدی ہے اور اسپر اپنے والد کی رائے بھی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ واقعہ ہندوستانی حکومت کی انگریزی حکومت پر بے اعتمادی کی زبردست دلیل ہے کہ وہ اس رائے کو بذریعۂ ڈاک نہین بھیجنا چاہتے تھے بلکہ اسے اپنے نمائندہ کے ہاتھ ارسال کرین گے۔

"سلطنت کے معاملات کے متعلق تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے لائق علی نے کہا کہ نظام بطور خود ملک پر حکمرانی کرنے کے قابل نہین ہین جیسا کہ وہ خیال کر رہے ہین، لیکن ملک موجودہ حالت مین سلف گورنمنٹ کے بالکل قابل نہین ہے۔ اب تک یہ رسم رہی ہے کہ حکومت وزیر کے ذریعہ کی جائے اور بلاشبہ وہ وزیر کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے ہین۔ بہرحال جو کچھ مجھ سے بن پڑیگا مین ان کے لئے کرونگا ان کی واحد کمزوری ان کی کم عمری ہے اسلئے کہ وہ ۱۲ سال سے ذرا زیادہ عمر کے ہین۔ مین نے جب اسکے متعلق خصوصیت سے پوچھا تو انہون نے کہا کہ مین اگست سنہ ۱۸۶۲ء مین پیدا ہوا تھا۔ لیکن وہ زیادہ عمر کے ہوتے ہین۔ نظام کی تخت نشینی کے موقع پر مجھے لائق علی نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی ہے۔ بظاہر پیشکار کے زمانۂ حکومت مین لوٹ مار کا بازار خوب گرم رہا ہے، ہر شخص سے یہی داستان سننے مین آئی ہے۔ جب سالارجنگ کا انتقال ہوا تو اسوقت سر اسٹوارٹ بیلی Sir Stewart Bailey بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے کلکتہ سے بھیجے گئے تھے اور لائق علی پیشکار کے ساتھ انتظام سلطنت کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور اسی لحاظ سے انہین انتظام حکومت مین حصہ ملنا چاہئے مگر انہین رد کر دیا گیا ہے۔ یہان کوئی ایسا سرکاری دفتر نہین جہان معاملات مشورہ سے انجام پاتے ہون۔ پیشکار نہ تو ان سے رائے لیتا ہے اور نہ غور وخوض کرنے کیلئے پابندی اوقات کے ساتھ انہین اپنے گھر آنے کی اجازت دیتا ہے۔ نہ وہ کاغذات کو ان کے دستخطون کیلئے بھیجتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ لائق علی کسی کام کو کرنے کیلئے محض بے اختیار ہین اور وہ اب یہ کہتے ہین کہ اگر کلکتہ جانے کے بعد بھی معاملات مین کوئی تغیر نہ ہوا تو مین اپنے عہدہ سے دست بردار ہو جاؤنگا۔ اب بغیر اختیارات کے ان کے سر ذمہ داری ہے اور وہ اس حالت کو جاری رکھنے سے انکار کرتے ہین۔

"ہم رفتہ رفتہ ریزیڈنسی کی نظرون سے گرتے جاتے ہین۔ مگر کار ڈری ہمارے آزادانہ شہر مین جانے سے خوف زدہ ہے اس نے سالارجنگ سے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ شاید اسکا یہ اعلان کرنا کہ مین کلکتہ جا رہا ہون، اس شبہ سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم اس کی ساری تجاویز سے آگاہ ہین۔ چار بجے رسول یار خان ہمین کھانے کیلئے لینے آئے نواز جنگ، چراغ علی، سید حسین اور مولوی مہدی حسن

بھی موجود تھے۔ انہون نے مجھ سے کہا کہ جب ۱۰ سال پیشتر لارڈ بیکنسفیلڈ Beaconsfield برسر حکومت تھے تو اسوقت ہندوستان کا ہر ایک مسلمان کنسرویٹو پارٹی کو اپنا دوست سمجھتا تھا۔ لیکن لارڈ لٹن کی پالیسی نے اصلی حقیقت عیان کردی ہے۔ افغانستان کی جنگ نے بہت سے اشخاص کو ناراض کردیا ہے اور اب مسلمانون کی ہمدردی باقی نہین رہی ہے یہانتک کہ کسی انگریزی پارٹی پر ان کا اعتماد نہین نہین رہا۔ انہون نے لارڈ لٹن کی چھٹی کا بھی ذکر کیا جو لارڈ سالسبری Salisbury کے نام بھیجی گئی تھی اور جو شائع ہوچکی ہے جسمین اس امر کی تشریح کی گئی ہے کہ سرکاری ملازمتون سے مسلمانون کو کس طرح سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

"مہدی حسن میرے برابر بیٹھے تھے۔ وہ لکھنؤ کے رہنے والے ہین اور مجھے یقین دلاتے ہین کہ وہان کے مسلمان آپکا خیر مقدم کرینگے انہون نے چند تعارفی خطوط بھی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مصری جنگ کے متعلق وہ اصل حقیقت معلوم کرنے کے خواہشمند ہین اسلئے کہ چند دنیتے پیشتر تک ان سب کا خیال تھا کہ انگریز سلطان المعظم کے اتحادی بن کر مصر مین داخل ہوئے ہین۔ انہون نے مجھ سے کہا کہ کلکتہ مین آپ اس مسئلہ پر تقریر کرین لیکن مستقبل مین مسلمانون سے جنگ کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے مین اس سبب سے دقت ہوگی (اگرچہ عوام اسے بہت اچھی نظر سے دیکھینگے) کہ جو لیڈر اس مین حصہ لین گے وہ ہمیشہ نظرون مین کھٹکا کرینگے۔ انہون نے مجھ سے کہا کہ ہندوستان مین جس قسم کی مطلق العنان حکومت کی جارہی ہے اسکا آپ کو اندازہ نہین ہوسکتا اور نہ آپ کو اس خطرہ کا علم ہے جو سیاسیات مین پڑنے کے بعد رونما ہوتا ہے۔ جمال الدین نے مذہبی شیوخ کی جلاوطنی کے جو حالات بیان کئے تھے، وہ سب کے سب سچ نکلے۔

"۱۰۔ دسمبر۔ صبح کی گاڑی سے ہم حیدرآباد سے روانہ ہوگئے۔ ہمارے کئی دوست، مدرس اور سلطان نواز جنگ کے صاحبزادے پہونچانے آئے تھے۔ مین نے ان تینون کو اپنے ساتھ بنچ پر بٹھایا جسپر تریور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ کارروائی وہ ہے جسکے انگریزی حکام عادی نہین ہین۔ سید حسین بلگرامی اور رسول یار جنگ بھی آئے تھے۔ موخر الذکر کو اصرار تھا کہ مین دو گھنٹے کی مسافت آپکی معیت مین طے کرون گا۔ انہون نے چند تحائف دئے ہین جن مین ایک نہایت خوبصورت شال بھی ہے۔ کئی مع اپنی بیوی کے موجود تریور بھی جنکے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ وہ ہندوستانی دوستون کے نام معلوم کرنا چاہتے تھے۔

"رات بھر سفر کرنے کے بعد ہم علی الصباح پونہ پہونچے۔ پونہ بالکل غیر دلچسپ مقام ہے اور مشرقیت سے بالکل معرا ہے۔ صحت بخش جگہ ہے اور سطح سمندر سے ۲ ہزار فٹ اونچی ہے۔ مس ڈلن Miss Dillon جنکے ساتھ ہم ٹھہرے ہوئے ہین، ہمین دکن کالج دکھانے لے گئین۔ نہایت بے معنی عمارت ہے۔ ۱۲۰ بورڈرون مین سے صرف ایک مسلمان تھا۔

۱۲ تاریخ کو ہم بمبئی گئے جہان ہمارا وقت ایک یورپین خیالات کے مسلمان کے ساتھ بسر ہوا۔ مسٹر محمد علی دو گھے مالدار روشن خیال مسلمان ہین اور اسلامی جماعت کے لیڈر سمجھے جاتے ہین۔ ان کے خیالات بالکل جدید ہین، اور بعض امور مین وہ بہت آگے بڑھ گئے ہین۔ انڈین اسپکٹیٹر Indian Spectator کے ایڈیٹر مالاباری سے بھی صحبت رہی۔ یہ کرنل اوسبورن Colonel Osborne کے دوست ہین۔ وہ ہین تو پارسی مگر ان کی ہمدردی ہندؤن کے ساتھ ہے۔ وہ بہت سمجھدار شخص ہین اور ہر وقت حب الوطنی کے کامون اور سیاسی مشاغل مین مصروف رہتے ہین۔ وہ زراعتی مصائب جنکا دکھڑا ہم ہر جگہ سنتے آئے ہین تصدیق کرتے ہین اور کہتے ہین

کہ جب تک ہندوستان دیوالیہ نہ ہو جائیگا اسوقت تک صورت حال بہتر نہ ہوگی، دیوالیہ پن یا انقلاب جیسا کہ گارڈن Gordon نے بیان کیا ہے۔ انھون نے بتایا کہ ان انگریزی افسرون پر جو زیادتی ٹیکس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہین کس کس طریقے ظلم کیا جاتا ہے۔ اگر ان مین سے کوئی شخص ہندوستانیون کی شکایات کی طرفداری وحمایت کرتا ہے تو اسے ملازمت سے علیحدہ کردیتے ہین۔ کرنل اوسبورن کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ وہ لارڈ رپن کے مداح ہین اور مجھے دور اندیشی کے ساتھ ان کا ساتھ دینے کا مشورہ دیا ہے۔

"۱۵۔ دسمبر۔ کلکتہ روانہ ہوگئے گورسٹ Sir John Gorst بھی ہم سفر تھے جن سے خوب باتین رہین یہ ہندوستان اس لئے آئے ہین کہ "نظام کو صوبجات برار کی دوبارہ واپسی کے متعلق مشورہ دین"۔ ہندوستانیون کو اب نہ کنسرویٹیو پارٹی پر اعتماد ہے اور نہ گلیڈاسٹون پر، البتہ وہ لارڈ رپن کے شکر گزار ہین کہ انھون نے اظہار ہمدردی کیا ہے لیکن وہ اچھی طرح سے سمجھتے ہین کہ وہ ہندوستانیون کیلئے کچھ بھی نہین کرسکینگے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پہلے پہل گورسٹ نے لارڈ سالسبری کی توجہ سالار جنگ کی جانب مبذول کرائی اور انہین راہ راست پر رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن لٹن مخالف تھے۔ بعد مین گورسٹ ہی نے اخبار "اسٹینڈرڈ" پر گورنمنٹ کی جانب سے مقدمہ چلایا کہ اس نے سرسالار جنگ کو گرفتار کرنے کی کوشش کرنے اور سر رچرڈ میڈ Sir Richard Meade کے رشوت لینے کے بارے مین واقعات کی اشاعت کی ہے۔ انھون نے مجھ سے بیان کیا کہ کلکتہ کے دفتر خارجہ کے کہنے سننے پر مقدمہ کا خیال چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان کی خود اپنی رائے یہ تھی کہ اگر مقدمہ ہوتا تو سر رچرڈ میڈ عہدہ برآ نہ ہوسکینگے

"۱۶۔ دسمبر۔ ابھی تک ٹرین مین ہین۔ حیدرآباد کی بلو بکس Blue Books (لائق علی نے مجھے یہ مطبوعات دی تھین) کا مطالعہ کیا۔ ان کا پڑھنا حقیقتہً سبق آموز ہے۔

(باقی)

ضیاالدین احمد برنی
بی۔ اے

۱؎ سنہ ۱۸۸۲ء کے آخر مین جو گفتگو مین نے جنرل سی جی گارڈن C. G. Gordon سے کی تھی، یہ اسکی طرف اشارہ ہے انھون نے نہایت وثوق سے مجھے اس امر کا یقین دلایا تھا کہ "ہندوستان مین انقلاب کے بغیر کوئی بہتری ممکن نہین"۔ گارڈن سنہ ۱۸۸۰ء مین لارڈ رپن کے پرائیویٹ سکرٹری بن کر آئے، لیکن بمبئی پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد انھون نے استعفا داخل کردیا۔ انڈین سول سروس نے اصلاحات نفاذ کے خلاف جو جدوجہد کی تھی، اسے دیکھنے کے بعد جنرل موصوف کو یقین ہوگیا تھا کہ ناممکن العمل کام مین لارڈ رپن کا ساتھ دینا بالکل بے سود ہے۔

چند گوشت خور درخت

یہ امر مسلمہ ہے کہ گوشت بلحاظ غذائیت ترکاریوں اور اناج وغیرہ سے زیادہ افضل اور مقوی ہے قدرت نے اس غذا کو نہ صرف حیوانات ہی کے لئے مفید بنایا ہے بلکہ بہت سے پودوں کی بہترین نشو ونما کے لئے بھی اس قسم کی غذا لازمی رکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گوشت خوری کی عادت ہرگز قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔ قدرت نے جہاں انسان کو گوشت کا دلدادہ بنایا ہے وہاں چند ایسے درخت بھی پیدا کئے ہیں جنکے لئے گوشت بہترین غذا ثابت ہوا ہے۔ اور اگر ہم جن کو گوشت خور درختوں کے نام سے موسوم کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ درخت بلا گوشت کے بھی زندہ رہ سکتے ہیں لیکن اگر کسی جانور کا گوشت تھوڑی مقدار میں انکو دیا جاتا ہے تو ان میں زیادہ اور اچھے قسم کے پھل اور بیج پیدا ہوتے ہیں۔ گوشت خور درختوں میں چھوٹے کیڑوں یا پتنگوں کے قید کرنے کی ترکیبیں موجود ہوتی ہیں۔ غالباً اس طریقہ سے یہ درخت غذا سے نائٹروجن (Nitrogen) حاصل کرتے ہیں۔ اور خصوصاً مادہ نائٹروجن جو گوشت کا خاص جزو ہے پودوں کے لئے مفید ہوتی ہے۔

ذیل میں چند ایسے درختوں کا بیان کیا جائیگا جن میں قدرت نے خاص خاص طریقے اور ذرائع پتنگوں اور دیگر چھوٹے چھوٹے جانوروں کی گرفتاری کے لئے بنائے ہیں۔ میرے خیال میں ان درختوں کا بیان غیر سائنس دان لوگوں کے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اور ان کے دلوں میں قدرت کے عجیب وغریب کرشموں کے مشاہدہ کا شوق پیدا ہوگا۔




(الف)

اس قسم کے درخت کی پہلی مثال ڈروسیرا (Drosera) ہے۔ اس درخت کی پتیوں (نقشہ نمبر الف) پر بہت باریک باریک اور لمبے ڈنٹھل موجود ہوتے ہیں۔ ان ڈنٹھلوں کی نوکوں سے ایک قسم کا لس دار مادہ خارج ہوتا ہے۔ اگر کوئی قسمت کا مارا کیڑا یا پتنگا اپنی غذا کی تلاش میں ان ڈنٹھلوں سے چھو جاتا ہے تو فوراً اس لسدار مادہ میں پھنس جاتا ہے اور اس کے پر وغیرہ اس مادہ سے ایسے آلودہ ہو جاتے ہیں کہ وہ پھڑ پھڑا نہیں سکتا۔ جتنا کہ غریب قیدی رہائی کے لئے پھڑ پھڑاتا ہے اور تڑپتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ اور ننھے ڈنٹھلوں کے جال میں گرفتار ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک لسدار مادہ کے ساتھ ایک قسم کا تیزاب بھی نکلنا شروع ہو جاتا ہے جس کے اثر سے غریب جانور ختم ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ درخت اسکو ہضم کرلیتا ہے۔ ڈروسیرا کی پتیاں کیڑوں کے جسم کو بآسانی اسطرح حل اور جذب کرلیتی ہیں۔ جسطرح کہ ہم لوگ معدہ کے ذریعہ سے گوشت اور دیگر غذاؤں کو ہضم کرلیتے ہیں۔



دوسری مثال گوشت خور درخت کی نیپنتھس (Nepenthes) ہے۔ یہ پودہ شمالی امریکہ کا باشندہ ہے اور جنوبی ایشیا میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس درخت کی پتیاں چھوٹے کیڑوں کے گرفتار کرنے کی غرض سے صراحی نما شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

ہر پتی کی نوک پر نہایت خوشنما لمبی لمبی صراحیان لٹکتی نظر آتی ہیں جنکے منہ چھوٹے چھوٹے سبز ڈھکنوں سے بند رہتے ہیں (نقشہ نمبر ب) رات کے وقت یہ ڈھکنے صراحی کے منہ کو بالکل بند کر لیتے ہیں۔ اس حالت مین جو لعاب ان صراحیون کی اندرونی سطح سے نکلتی ہے وہ پانی کے قطرون مین مبدل ہو کر صراحی کے اندر جمع ہوتی جاتی ہے۔



یہان تک کہ تا صبح یہ جام صاف اور شفاف پانی سے لبریز ہو جاتے ہین۔ دن کے وقت صراحیون کے ڈھکنے خود بخود کھل جاتے ہین اور ہمارا نیپنتھس مخمور ساقی کی طرح ہوا کے جھونکون سے جھوم جھوم کران چھلکتے ہوئے پیمانون کو اپنی ہتھیلی پر لئے ہوئے تشنہ لب ریگستانی مسافرون کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر پیش کرتا ہے۔ لیکن یہی صاف و شفاف پانی جو پیتے ہوئے ریگستان کے مسافرون کے لئے آب حیات ہے دوسرے چھوٹے کیڑون کے حق مین زہر ہلاہل کا کام کرتا ہے۔

چھوٹے چھوٹے کیڑے شہد کی لالچ مین ان خوشنما صراحیون کے دہانے پر آکر بیٹھتے ہی خوفناک موت کے منہ مین آجاتے ہین اور صراحی کی اندرونی چکنی سطح سے پھسلکر اس پانی مین گر جاتے ہین جو صراحی کی تہ مین بھرا ہوتا ہے۔ کیڑے کے گرتے ہی اس پانی مین ایک قسم کا تیزاب بھی شامل ہو جاتا ہے جو تھوڑے ہی عرصہ مین کیڑون کو حل کر کے پودے کا جزو بدن بنا دیتا ہے۔

ڈائینا Dionaea or (Venus' Flytrap.)



Nepenthes سے بھی زیادہ حیرت انگیز ایک اور گوشت خور درخت ہے جس کی پتیان ہر وقت مکھیون اور پتنگون کے شکار کے لئے جال پھیلائے رہتی ہین اس درخت کو Dionaea کہتے ہین اور یہ زیادہ تر N.Carolina مین پایا جاتا ہے۔ اس درخت کی پتیون کی نوکون پر دو بیضاوی پنکھڑیان ہوتی ہین جو کتاب کے اوراق کی طرح کھولی اور بند کیجا سکتی ہین (نقشہ نمبر ج) ان پنکھڑیون کے کنارے دندانہ دار ہوتے ہین اور ہر پنکھڑی کے وسط مین تین نوکدار کانٹے ہوتے ہین جنکے چارون طرف ایک میٹھا شربت رس رس کر جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس شیرین شہد کی لالچ مین مکھیان اور کیڑے ان پنکھڑیون پر آکر بیٹھتے ہین۔ کیڑون کا جسم چھوتے ہی دفعتاً یہ پنکھڑیان متاثر ہو کر ایک دوسرے سے ملکر بند ہو جاتی ہین۔ اور قیدی کے جسم مین اپنے تیز خار چبھا دیتی ہین۔ قیدی کے پھڑپھڑانے سے یہ پنکھڑیان اور بھی سختی کے ساتھ اسے دبا لیتی ہین۔ حتیٰ کہ اگر ہم ایسی حالت مین ان کو کھولنا چاہین تو پتیان ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہین۔ لیکن ایک دوسرے سے جدا نہین ہوتین۔ جب قیدی

تھک کر بالکل بیدم اور ساکت ہوجاتا ہے تو یہ پنکھڑیان خود بخود کھل جاتی ہین لیکن اس وقت تک اس غریب قیدی کا کام تمام ہوچکتا ہے ایک انگریز سائنس دان کا قول ہے کہ اس قسم کی غذا اس پودے کی بقائے زندگی کے لئے لابدی ہے۔ کیونکہ اس نے بچشم خود مشاہدہ کرکے دیکھا کہ اگر یہ پودہ تارون کے جال کے اندر رکھا جاتا ہے (جس مین مکھیون و پتنگون کا گزر ناممکن ہے) تو وہ رفتہ رفتہ مرجھاکر سوکھ جاتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر وقتاً فوقتاً اسکو گوشت کے ٹکڑے دیئے جائین تو نہایت تندرست اور تازہ رہتا ہے

اٹریکولیریا Utricularia

ایک اور عجیب و غریب گوشت خور درخت اکثر تالابون کے گندے پانی مین پایا جاتا ہے اسکو اٹریکولیریا Utricularia کہتے ہین۔ یہ پودہ ہندوستان مین بھی کثرت سے پایا جاتا ہے مین نے اور میرے طالبعلمون نے اس کو فیض آباد سے سات میل کے فاصلہ پر بھرت کنڈ کے تالاب مین بکثرت پایا جس زمانہ مین ہم لوگ وہان گئے تھے وہ اس درخت کے پھولنے پھلنے کا موسم تھا۔ سطح آب پر اس کے زرد زرد پھول ہری ہری تار پتیون پر تیرتے ہوئے نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہین۔ ہم لوگون نے اس درخت کی بہت سی ٹہنیان اکٹھا کین اور خوردبین کے ذریعہ سے اس درخت کی عجیب و غریب پتیون کا مشاہدہ کیا



اس درخت کی پتیان نہایت باریک نوکدار چھوٹی چھوٹی شاخون مین منقسم ہوتی ہین۔ ان چھوٹی شاخون مین سے چند چھوٹے ہوئے پھکنون کی شکل اختیار کرلیتی ہین۔ (نقشہ نمبر ۸) ہر پھکنے مین ایک چھوٹا سا منہ ہوتا ہے جو ایک ڈھکنے سے بند رہتا ہے یہ ڈھکنے پھکنے کے اندر کی طرف باسانی کھل جاتے ہین اور چھوٹے چھوٹے آبی کیڑے ان کو ہٹاکر پھکنون کے اندر داخل ہو جاتے ہین۔ اسکے بعد ہی فوراً دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اور ان قیدیون کے باہر نکلنے کی صورت نہین رہتی کیونکہ پھکنون کا دروازہ باہر کی جانب نہین کھل سکتا۔ غرض یہ کہ اندر داخل ہوتے ہی غریب قیدی زندہ درگور ہوجاتے ہین اور ایک وقت مین ایک ایک پھکنے کے اندر پارہ پارہ چھوٹے کیڑے مقید نظر آتے ہین۔ یہ تمام کیڑے رفتہ رفتہ گل کر پودے کا جزو بدن بن جاتے ہین۔

یہ پودہ ایک زمانہ مین تو سطح آب پر رہتا ہے اور دوسرے زمانہ مین تالاب کی تلی مین بیٹھ جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب نقل و حرکت بھی انہین چھوٹے چھوٹے پھکنون کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جبتک کہ پودا اپنی غذا حاصل کرنے مین مصروف رہتا ہے اسوقت تک یہ پھکنے ایک قسم کے وزنی رقیق مادہ سے لبریز رہتے ہین جسکی وجہ سے کل پودہ تالاب کی تلی مین بیٹھا رہتا ہے اس پودہ کا قطعی تعلق زمین سے نہین ہوتا لیکن اسمین جڑین وغیرہ مطلق نہین ہوتین۔ ایک عرصہ کے بعد جبکہ درخت

کے پھولنے کا زمانہ آتا ہے تو پھلیوں کا وزنی مادہ جذب ہوجاتا ہے۔ اور ان کے اندر اس کے بجائے ایک قسم کی گیس جمع ہوجاتا ہے۔ اس صورت میں پودہ پانی سے ہلکا ہوکر سطح آب پر تیرنے لگتا ہے جہاں اس کے خوبصورت زرین پھول کھلتے اور بار آور ہوتے ہیں پھل آ جانے کے بعد ان پھلیوں سے پھر گیس خارج ہوجاتا ہے اور وہی بھاری مادہ ان کے اندر بھر جاتا ہے جسکی وجہ سے یہ پودہ پھر تہ آب دفن ہوجاتا ہے۔

احتشام علی - ایم - ایس - سی -

جذبات محمود

میں اور سوزشِ المِ عشقِ دلگداز
تو اور دل فریبئ صد جلوہ ہائے ناز

اک جنبشِ نگاہ میں لاکھوں میں التفات
اللہ رے لطفِ پرسشِ چشمِ وفانواز

بُرِش سے اپنے تیرِ نظر کی ہے بیخبر
مشقِ حیا میں محو ہے وہ چشمِ نیم باز

برپا ہوں حشر اور میں مر مر کے جی اٹھوں
قدموں ہی پر رہے ترے اپنا سرِ نیاز

مرنا مریضِ عشق کو آسان اب کہاں
کچھ دل سے کہہ گئی ہے تیری چشمِ جاں نواز

یہ بدگمانیاں تجھے زیبا نہیں کہ ہے
محمود غم پرست تو پروردۂ نیاز

محمود اسرائیلی

استفسارات

مثنوی کا ایک شعر

(جناب فیاض علی صاحب وکیل فیض آباد)

فروری کے نگار میں بہ سلسلۂ استفسارات سید عبد الحسین صاحب نے آپ سے مثنوی کے ایک شعر کا مطلب تحریر کرنے کی فرمائش کی ہے۔ شعر یہ ہے

کورکورانہ مرو در کربلا تا نیفتی چون حسین اندر بلا

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ "تا" کے معنے "تاکہ" نہ لینا چاہیے بلکہ اسکے معنی "اگر" "جب تک" لئے جائیں تو مطلب بدل جاتا ہے اور شعر کا مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ "کربلا میں اندھوں کی طرح نہ چلے جاؤ، جب تک حسین کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ، یعنی تاوقتیکہ تم حسین کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

اگر آپ میری جسارت کو معاف فرمائیں تو میں بھی اس باب میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، ممکن ہے کہ آپ میری ناچیز رائے سے اتفاق کریں۔ اس شعر کے ظاہری معنی تو ایسے ہیں کہ مولانا روم کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انھوں نے معاذ اللہ حضرت امام حسین پر ایک قسم کا حملہ کیا ہے، لہذا مولانا روم کی تقدس مآب شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے تو یہ ظاہری معنی کسی حالت میں صحیح نہیں ہو سکتے، پھر اگر یہ معنے نہیں ہیں تو کیا ہیں؟۔ آپ نے جو معنے تحریر فرمائے ہیں اس سے گو مولانا روم پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا، مگر شعر گر جاتا ہے۔ علاوہ اسکے کربلا کے معنی اگر مقام کربلا کے لئے جائیں تو شعر مہمل ہو جاتا ہے اور اگر بطور استعارہ کے لیجئے تو اولاً فارسی کلام میں اس کی کوئی سند نہیں کہ کربلا بمعنی ہلاکت کبھی استعمال ہوا ہو اور گو اردو میں کربلا اس مقام کیلئے استعمال ہوتا ہے جہاں پانی نہ ہو لیکن بمعنی ہلاکت اردو میں بھی استعمال نہیں ہوتا۔ تیسرا اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین کربلا میں جانے کے بعد بلا میں پڑے تھے نہ کہ قبل اور جو معنی آپ نے تحریر فرمائے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسین کربلا میں جانے کے پیشتر ہی بلا میں پڑ گئے تھے اور مجبور ہو گئے تھے کیونکہ آپ نے جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک حسین کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ کربلا میں اندھوں

کی طرح نہ چلے جاؤ، یعنی پہلے بلا میں پڑیں پھر کربلا میں جائیں۔ یہ مطلب واقعات کے برعکس ہے کیونکہ حضرت امام حسین کربلا میں جاکر بلا میں جاکر بلا میں پڑے تھے، لہذا بہر صورت کربلا کا مفہوم نہ تو مقام کربلا ہو سکتا ہے اور نہ ہلاکت۔

میری ناچیز رائے میں جس طرح مولانا روم کے اشعار تمام تر تصوف میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اکثر ان کے دو مفہوم ہوتے ہیں، ایک ظاہری دوسرے معنوی۔ اسی طرح یہ شعر بھی اسی رنگ کا ہے اس شعر کو اگر یوں پڑھیے :-

کور کورانہ مرو در کربلا تانیفتی چوں حسین اندر بلا

تو اس کا صوفیانہ مفہوم صاف جھلکنے لگتا ہے۔

اہل تصوف کے ہاں ایک درجہ ہے جسے وہ درجۂ لا کہتے ہیں اور لا مخفف ہے لا الٰہ الا اللہ کا خدا کے وجود کا اثبات اور ماسوا اللہ کے وجود کی نفی یہی درجۂ لا ہے اور اسی کو بالفاظ دیگر مسلۂ ہمہ اوست بھی کہتے ہیں اور یہ درجہ بہت خطرناک خیال کیا جاتا ہے اور اکثر درویش اس درجۂ لا یا درجۂ فنا میں اگر بہک جاتے ہیں یا مجذوب ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی آئندہ ترقی مسدود ہو جاتی ہے کیونکہ مسلۂ ہمہ اوست غلط ہے اور خلاف اسلام ہے اور "ہمہ از وست" صحیح ہے اور موافق اسلام ہے۔ فلسفۂ فنا ہندوؤں کا فلسفہ ہے اور فلسفۂ بقا اہل اسلام کا فلسفہ ہے اور بقا کا درجہ فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے

مولانا روم نے اس کی ایک نہایت دلچسپ مثال بھی دی ہے وہ یہ کہ لوہے کو آگ میں ڈال دو، کچھ دیر کے بعد وہ بھی مثل انگارے کے ہو جائے گا، یہی درجۂ فنا یا درجۂ لا ہے، یعنی انسان خدا میں اسقدر محو ہو جائے کہ اپنے آپ کو بھول جائے اور یہ خیال کرے کہ بجز خدا کے کسی کا وجود ہی نہیں ہے تو میرا بھی وجود نہیں ہے، اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے، بلکہ جیسے دہکتا ہوا لوہا آگ میں پڑ کر یہ سمجھنے لگے کہ میں بھی انگارا ہوں، حالانکہ یہ اسکی غلطی ہے۔ اسی طرح اگر درجۂ لا میں اگر انسان یہ سمجھنے لگے کہ میں خدا ہوں تو یہ اسکی غلطی ہے، لہذا صحیح مسلک یہی ہے کہ درجۂ لا میں پڑکر نہ رہ جائے بلکہ اس سے جلد گزر کر درجۂ بقا میں پہونچ جائیے، یعنی اس کو یہ احساس ہو جائے کہ بندہ بھی ہے اور خدا بھی۔ درجۂ ہمہ اوست سے گزر کر درجۂ ہمہ از وست میں پہونچنا فلسفۂ اسلام کے بموجب سخت ضروری ہے، غالب درجۂ فنا کی غلطی کو تنگ ظرفی کہتے ہیں۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

گر درجۂ فنا میں اگر اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگنا ایک کورانہ غلطی اور بہت بڑی لغزش ہے۔ منصور ہمہ اوست

(درجۂ لا) ہی میں رہ گئے، ہمہ از وست تک نہیں پہنچے تھے کہ مجذوب ہو گئے اور انا الحق پکار اٹھے،
لہذا پہلے مصرع کے معنے یہ ہیں کہ درجۂ لا کے کرب و آزمائش میں تو اندھوں کی طرح نہ پڑ جاؤ، دوسرے مصرع میں حسین سے مراد حضرت امام حسین نہیں ہیں بلکہ "حسین ابن منصور" ہے۔ منصور دراصل ان کے والد کا نام تھا اور خود انکا نام حسین تھا مگر وہ ابن منصور کہلاتے کہلاتے۔ منصور مشہور ہو گئے اور اب ان کا اصلی نام کوئی نہیں جانتا - یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی آپ تصدیق کر سکتے ہیں، لہذا دوسرے مصرع کے معنے یہ ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ تو حسین ابن منصور کی طرح بلا میں پھنس جائے - اور منصور جس بلا میں پھنسے تھے وہ ظاہری و معنوی دونوں قسم کی تھی معنوی بلا یہ تھی کہ وہ درجۂ لا ہی میں رہ گئے، درجۂ بقا میں نہ آسکے اور ظاہری بلا یہ تھی کہ وہ سنگسار کئے گئے دار پر چڑھائے گئے؛ اب کل شعر کے معنے لیجئے تو اسکا مفہوم بہت صاف ہو جاتا ہے اور شعر بھی بہت بلند اور پُر معنی نظر آنے لگتا ہے - رہی یہ بات کہ شعر میں الفاظ کربلا و حسین کیوں آئے تو یہ محض رعایت لفظی ہے جس سے شعر کی خوبی اور چمک جاتی ہے -

میری ناقص رائے میں شعر مذکور کے معنے یہی ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی میری اس رائے سے اتفاق کر کے مجھے ممنون فرمائیں گے، میری جسارت معاف فرمائے گا، مگر چونکہ یہ ایک ادبی نکتہ تھا میں نے بھی اس میں رائے زنی کی ہمت کی -

---

(نگار) آپ نے جس تردد و کاوش سے کام لیکر اس شعر کی وضاحت فرمائی ہے وہ یقیناً قابل داد ہے، لیکن معاف فرمائے مجھے آپکی تحریر پڑھنے کے بعد بے اختیار یہ شعر یاد آگیا:-

مرا جاستہ خرم را نیز جا شد　　زن دہقان بزاید یا نزاید

یعنی آپ نے تو ہر ممکن تاویل سے کام لیکر اپنی بات بنا ہی لی، بعد کو اگر تنقید اسکو غلط ٹھہرا دے یا آپکی تحریر مجموعۂ اضداد نظر آئے تو آیا کرے -

آپ نے اپنی اس تحریر میں ضمناً بعض ایسے عجیب و غریب مسائل تحریر فرمائے ہیں کہ ان پر مستقل بحث کی ضرورت ہے لیکن میں اسوقت ان کی طرف اعتنا نہیں کرونگا اور صرف مسئلہ مابہ النزاع سے جو امور متعلق ہیں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے دیکھونگا کہ آپنے جو مفہوم اس شعر کا ظاہر فرمایا ہے وہ کس حد تک تسلیم کئے جانے کے قابل ہے -

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ میرے بیان کئے ہوئے مفہوم میں آپ نے کیا غلطی پائی؟ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آپکو دو غلطیاں نظر آتی ہیں تو ایک تو یہ کہ لفظ کربلا بہ معنی ہلاکت کبھی استعمال نہیں ہوا اگر بلا کے معنے

اگر شام کربلا لے جائیں تو یہ شعر مہمل ہو جاتا ہے) دوسرے یہ کہ میرے بیان کئے ہوئے مفہوم کے مطابق امام حسین کا کربلا جانے سے پہلے ہی بلا میں پڑ جانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ کربلا میں جانے کے بعد بلا میں پڑے تھے۔ شاید اسی لحاظ سے آپ نے یوں فرمایا ہے کہ اس مفہوم سے شعر گر جاتا ہے۔ یہ آپ نے رعایت کی ورنہ اگر میرا بیان کیا ہوا مفہوم واقعی صحیح نہ تھا تو آپکو صاف صاف لکھدینا چاہئے تھا کہ اس مفہوم کے لحاظ سے شعر مہمل ہو جاتا ہے۔ بہر حال چونکہ اعتراض آپ کے صرف یہی دو ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا معقول جواب دیدیا جائے تو پھر آپ کو بھی اُس مفہوم کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ کربلا کے معنی ہلاکت کے نہیں ہیں، لیکن لفظ کربلا بول کر استعارۃً ہلاکت کے معنے لینے میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ اول مصرع میں لفظ کربلا کے معنے مقام کربلا ہی کے ہیں لیکن استعارۃً اس کا مفہوم ہلاکت و تباہی کا ہے اور فارسی میں اس نوع کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مثلاً "تو مرو در دہان اژدہا"۔ کہ اژدہا بولکر جائے ہلاکت مراد لی گئی یا "بر توکل زانوئے اشتر ببند" کہ اشتر سے مراد یہاں کاروبار عالم اور اسباب دنیا ہیں، ورنہ اگر آپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ معنے ہونگے کہ اژدہا کے علاوہ اور تمام درندوں کے منہ میں چلے جانے کی اجازت ہے اور توکلاً علے اللہ علاوہ اونٹ کے اور تمام چوپایوں کے ہاتھ پاؤں باندھنا ممنوع نہیں ہے۔

آپ کا دوسرا اعتراض اس سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امام حسین کربلا میں جانے کے بعد بلا و مصیبت میں مبتلا ہوئے نہ کہ قبل۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب حسین کا عہد ابتلا، مقابلہ یزید سے قبل ہی شروع ہو گیا تھا اور اسی کی جانب ملائے روم نے اشارہ کیا ہے۔ آپ نے شاید تاریخی نقطۂ نظر سے واقعۂ کربلا پر غور نہیں فرمایا ورنہ ایسا نہ فرماتے۔ اس جنگ کو سیاسی یا دنیاوی جنگ نہیں کہتے، تو لامحالہ اس کو حق و باطل، صدق و کذب کا مقابلہ تسلیم کرنا پڑیگا اور امام حسین کا یزید پر فوجکشی کرنا صرف اس مجبوری کی بنا پر تھا کہ آپ حق و صداقت کو زیادہ پامال ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے اور آپ کا جذبۂ ایمانی مجبور کر رہا تھا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہو وہ فسق و بغاوت کا مقابلہ کریں۔ کیا اس سے زیادہ کوئی صورت ابتلا کی ہو سکتی تھی اور کیا یزید کے مستبدانہ دور حکومت سے زیادہ کسی اور باطل و فاسق کی ضرورت تھی کہ امام حسین اس کے مقابلہ میں اپنے جوش ایمان کا مظاہرہ فرماتے۔ پھر اسی کے ساتھ جب آپ اس حقیقت پر بھی غور فرمائیں گے کہ کوفہ سے واپس آنے کے بعد امام حسینؓ نے بالکل مراجعت کا قصد فرمالیا تھا لیکن یزید کی فوج نے انھیں جانے نہیں دیا اور ان کے لئے کوئی صورت مفر کی باقی نہ رہی تو آپ کو یوں بھی اُن کی مجبوری و پریشانی کو تسلیم کرنا پڑیگا جو واقعۂ کربلا سے قبل ہی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے اس شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ "بلا سمجھے بوجھے کسی شخص کو مصیبت میں نہ پڑ جانا چاہئے تا وقتیکہ حسین کی طرح مجبور نہ ہو جائے"

آپ نے جو مطلب بیان کیا ہے اس کو صحیح نہ سمجھنے کے وجوہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مثنوی کے جتنے قدیم قلمی و معتبر نسخے موجود ہیں ان میں پہلا مصرع اسی طرح لکھا ہوا پایا گیا ہے:۔

ع کور کورانہ مرو در کربلا

اگر مراد وہ ہوتی جو آپ کہتے ہیں تو بجائے کربلا کے کرب لا تحریر ہوتا کیونکہ حسب قاعدہ رسم خط کرب لا کو لا کربلا کی طرح نہیں لکھ سکتے۔

(۲) چونکہ بظاہر شعر میں ردیف بلا اور قافیہ کر تا قبل صرف ساکن معلوم ہوتا ہے اس لئے کرب لا پڑھنا فن شعر کے لحاظ سے غلط قرار پاتا ہے۔ پہلے مصرعہ میں کرا اور دوسرے میں اندر قافیہ ہے اور ردیف بلا بفتح آیا ہے اس لئے اس کو کسرہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

(۳) آپ نے جو توجیہہ و تشریح لفظ لا کی فرمائی ہے وہ ساقط الاعتبار ہے کیونکہ یہ کوئی نہ مسلم الثبوت علمی توجیہہ ہے اور اور نہ تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ اصطلاح اس معنے میں کبھی استعمال کی گئی تھی اگر کسی مخصوص جماعت نے بصورت معما اس کے یہ معنے (Code word) کے انداز سے متعین کر لئے ہیں تو اسکا اطلاق عام نہیں ہو سکتا۔

(۴) اگر لا اس جگہ لا الہ الا اللہ کا مخفف ہے جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو پھر یہ عین اسلام کا مسلک ہے، اس کو کرب و مصیبت سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے لفظ لا کے اصطلاحی معنے پہلے، اثبات وجود باری اور نفی ماسوا اللہ بیان کئے ہیں، لیکن اسکے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست بھی یہی ہے حالانکہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ الغرض آپ نے تین جداگانہ تعبیریں کی ہیں اور تینوں کو آپ ایک کہتے ہیں حالانکہ تینوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ اگر لا کلمۂ توحید کا مخفف ہے تو اسکو نفی ماسوا اللہ سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر اس سے مراد نفی ماسوا اللہ ہے تو اسے ہمہ اوست نہیں کہ سکتے کیونکہ وہ شخص جو نفی ماسوا اللہ کا قائل ہے اسکے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمہ اوست کا بھی قائل ہو ان دونوں میں فرق ہے۔

اسکے بعد آپ نے لا کے مقابلہ میں ایک اصطلاحی لفظ بقا کا استعمال کیا ہے اور دعوے کیا ہے کہ یہ فلسفہ اسلام ہے۔ لیکن آپ نے بقا کی کوئی صراحت نہیں فرمائی اور نہ یہ ثابت کیا کہ فنا کیونکر فلسفۂ ہنود ہے اور اسکا کیا مطلب ہے۔

(۵) میں جانتا ہوں کہ حسین نام منصور کا تھا لیکن چونکہ یہاں کوئی ضرورت اس امر کی نالشی نہیں ہوتی کہ بجائے حسینؓ کے اسکو مراد لیا جائے اس لئے میں اس بحث کو نہیں چھیڑتا کہ حسین بن منصور حقیقتاً ایک بیدین شخص تھا اور وہ اپنے افعال و اعمال کے لحاظ سے اس قابل نہ تھا کہ مولانا روم اس کا ذکر کرتے اور وہ بھی اسقدر اہتمام کے ساتھ کہ بعد کو کربلا کے ٹکڑے کرکے کرب لا بنانے کی ضرورت دنیا کو لاحق ہوتی۔

(۶) آپ نے درجۂ فنا کی غلطی غالب کے کلام سے بھی ثابت کی ہے، حالانکہ جو شعر آپ نے نقل کیا ہے اسی سے درجۂ فنا کی اہمیت و صداقت ثابت ہوتی ہے، غالب کو اگر احتراز ہے تو صرف اس امر سے کہ وہ اسکا اعلان نہیں کرنا چاہتا وہ کہتا ہے کہ، "حقیقتاً اپنا قطرہ بھی دریا ہے، یعنی میری ہستی بھی وہی چیز اصلی ہے (جسے دریا سے تعبیر کیا ہے) لیکن میں منصور کی طرح تنگ ظرف ہو کر اسکا اعلان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

کارخانۂ اصغر علی محمد علی کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن ہے

(۷) سوائے اس کلام کے جس کو ہم وحی متلو یا وحی غیر متلو کہتے ہیں، ہمکو کسی اور کلام میں تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے - چونکہ کلام پاک اور حدیث نبوی کے متعلق ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ وحی خداوندی ہے اور اس میں کوئی سقم نہیں ہو سکتا، اس لئے انسان اپنی ناچیز فہم کے مطابق اگر ان میں کوئی بات خلاف عقل پاتا ہے تو قدرتاً تاویل پر مجبور ہوتا ہے اور اسے تاویل کرنی چاہئے تاوقتیکہ اصل حقیقت کا انکشاف اسپر نہ ہو جائے، لیکن کسی انسانی کلام کے متبادر معنے چھوڑ کر دور از کار تاویلوں سے کام لینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا - اگر کسی شاعر کا شعر یا کسی مصنف کی تصنیف کسی مروجہ انسانی زبان میں لکھی گئی ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ اسی زبان کے مقررہ اصول و اصطلاحات مسلمہ کی رو سے اسکو سمجھیں اور اسپر تنقید کریں اور اگر اس لحاظ سے کوئی نقص اس میں پایا جائے، یا یہ کہ مصنف کسی غلط نظریہ کا مقلد دیکھا جائے تو اس نقص و غلطی کو وہی سمجھیں جو اس کی حقیقت ہے - ہمکو کوئی حق حاصل نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی تاویل کر کے اپنی مزعومات وقیاسات کے مطابق اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں - مثلاً کلام حافظ کو لیجئے کہ اسکے کلام کی تاویل حضرات صوفیہ نے کس کس طرح کی ہے، لیکن اگر انصاف سے کام لیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تاویل اس کے کلام کی نہیں ہے بلکہ صرف اس خیال کی پاسداری ہے جو حافظ کے متعلق قائم کر لیا گیا ہے - یہانتک کہ آج مشکل سے کوئی شخص ایسا ملیگا جو بادہ کو صرف بادہ سمجھکر کلام حافظ سے لطف اٹھاتا ہو -

اسی طرح مثنوی کے بھی بہت سے اشعار کی لوگوں نے عجیب و غریب تاویل کی ہے - حالانکہ بعض شعر تو ایسے ہیں جنکی تاویل کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی (جیسا کہ یہ کربلا والا شعر) اور بعض کی تاویل اسوجہ سے کی گئی ہے کہ ان کا متبادر مفہوم مولانا روم کی شخصیت سے بہت بعید نظر آتا ہے - حالانکہ میری رائے میں بجائے تاویل کرنے کے کہیں زیادہ مستحسن امر یہ ہے کہ اس شعر کو غلط قرار دیا جائے اور مولانا روم سے منسوب ہی نہ کیا جائے - کون کہ سکتا ہے کہ اس وقت جتنی کتابیں نظر آتی ہیں وہ بجنسہ مصنف کے اصل مسودہ کی نقلیں ہیں اور ان میں کوئی حذف و اضافہ نہیں ہوا ممکن ہے کہ اکابر علماء و صوفیہ کی تصانیف میں جو بعض باتیں ایسی نظر آتی ہیں وہ بعد کا اضافہ ہوں اور انھوں نے اسکو لکھا ہی نہ ہو - یہ مختصر سی بحث میں نے اس لئے کی تاکہ تاویل وغیرہ کے متعلق کم از کم میں اپنے اصول کو آپ پر واضح کر دوں -

(۸) مثنوی کی متعدد شرحیں موجود ہیں اور ہر چند مجھے اس وقت تک ان میں سے کسی کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہوا اور نہ اسکی ضرورت سمجھتا ہوں، لیکن کم از کم اس شعر کے معاملہ میں میرا بھی جی چاہتا ہے کہ شارحین کی رائے معلوم کروں - اگر آپ کے پاس کوئی شرح ہو تو ملاحظہ کر کے مجھے اطلاع دیجئے - ممنون ہونگا

بقیہ ملاحظات

گزشتہ ماہ سے نگار میں، ماہیرہ کی چٹنی کا اشتہار شائع ہو رہا ہے جس میں بر سبیل "اضمار قبل الذکر" میری رائے کا بھی حوالہ دیا جا رہا ہے

میں نے اس چٹنی کو عرصہ تک استعمال کیا اور اسقدر لذیذ پایا کہ آخر کار چھوڑنا پڑا کیونکہ میں ڈرتا تھا کہیں اس کا استعمال میری ضروریات حیات میں شامل نہ ہو جائے - میں امید کرتا ہوں کہ جو حضرات طلب فرمائیں گے انکو "افسوس حاصل" کا تلخ تجربہ کبھی نہ ہوگا اور وہ اس کارخانہ کو بہت امین و دیانتدار پائیں گے -

---

جس وقت آخری کاپی پریس کو جا رہی تھی مسٹر عبدالرحمن چغتائی کی یہ مسرت خیز تحریر آئی کہ انھوں نے فی الحال "عالم خیال" (یا عالم انتظار) اور "اسیری" کی دو نہایت دلکش تصویریں طیار کرائی ہیں جو ۱۲ اپریل تک یہاں پہونچ جائیں گی - ممکن تھا کہ اس ماہ کے رسالہ میں بھی ایک تصویر ان میں سے دیدیجاتی، لیکن اشاعت میں کچھ تعویق ہو جاتی - جناب چغتائی کی عنایت اگر شامل حال رہی تو امید ہے کہ آئندہ ماہ سے نگار میں تصویر بالالتزام شائع ہوگی -

قیمت سات روپیہ آٹھ آنہ عہ

مع محصول ڈاک و پیکنگ

صرف خوردنی خضاب کھائیے سارٹیفکٹ ملاحظہ ہو

یہ وہی خضاب خوردنی ہے جسکے صرف بیس یوم کے متواتر کھانے سے چالیس ایام کے ہی اندر سفید بال ہمیشہ کے لئے سیاہ دائم ہو جاتے ہیں چہرہ کا رنگ روغن بھی نور کیطرح دمکنے لگتا ہے نزلہ کو ہمیشہ کے لئے کھوتا ہے آنکھوں میں طاقت دماغ میں تراوٹ ہو جاتا ہے بال کیسے ہی وقت سے پہلے یا وقت پر سفید ہو گئے ہوں دوا سر سے پیر تک خوشنما قیمتی بالوں کے سیاہ ہو جاوینگے۔ بینائی کو اسقدر تیز کرتی ہے کہ زائد سے زائد چالیس عمر کے اندر عینک تک کی عادت جاتی رہتی ہے۔ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے اور معدہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جو کھائے وہ ہضم قوت باہ اسقدر بڑھاتا ہے کہ اسکا کھانیوالا بعد استعمال اسکے اپنے کو قابل فخر جوانوں میں شمار کرنے لگتا ہے غرض اسکے کھانے سے حقیقی معنوں میں شباب قربان ہوتا ہوا نظر آنے لگتا ہے اسلئے اب آپ کھندر خضابوں کی شیشیاں توڑ کر پھینک دیجئے اور اسے استعمال کیجئے بڑے بڑے سند یافتہ حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ کثیر تعداد میں منگا منگا کر شہرت حاصل کرتے اور صدہا روپیہ پیدا کر رہے ہیں۔ جس قصبہ یا گاؤں میں اس کا ایک پارسل پہونچ جاتا ہے اسکے حیرت انگیز فوائد کو دیکھکر بالکل ہی مصر ہو کی وجہ سے معمولی معمولی گاؤں در جنوں آرڈر آتے ہیں لطف یہ ہے کہ ہر عمر ہر مزاج والا ہر جگہ حتی کہ سفر تک میں بھی استعمال کر سکتا ہے ترکیب استعمال ہمراہ پارسل ملیگا۔ قیمت مکمل بکس خوردنی خضاب کی صرف سات روپیہ آٹھ آنہ۔ دو بکس للعہ تین بکس عسہ مع محصول ڈاک۔

المشتہر مینیجر کارخانہ خوردنی خضاب حکیمی شفا لکھنؤ

نوٹ عسہ سے زاید کے خریدار کو ۲ فی روپیہ کمیشن بھی ملیگا۔

عالیجناب رفیع احمد صاحب سکریٹری کانگریس ضلع ڈسٹرکٹ گلٹی تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا سرخ خضاب خوردنی کا استعمال کیا گیا سر کے کچھ بال جو بوجہ نزلہ عالم شباب ہی میں سفید ہو گئے تھے بفضلہ اسکے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے براہ مہربانی دو دستوں کے لئے دو بکس ارسال فرمائیے

مقامی اخبار شیعہ کالج نیوز نے ۱۱ جون ۲۲ء کے پرچہ میں ریویو کیا ہے کہ ہمنے خضاب خوردنی کا تجربہ کرایا تو واقعی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں بیحد مجرب ثابت ہوا علاوہ اسکے دافع نزلہ مقوی باہ مقوی جگر اور ہاضمہ وغیرہ کے حق میں تو اکسیر ہے۔

عالیجناب سردار مجیب الرحمان خانصاحب آنریری مجسٹریٹ درجہ اعظم مقام نونیا سونڈان ضلع لکھیم پور تحریر فرماتے ہیں کہ ابتک پانچویں حصہ کے قریب سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہیں چار بکس اور جلد بھیجدیجئے۔

عالیجناب منیجر صاحب کارخانہ فقیری پھول پور پوسٹ اجگرہ ضلع پرتاب گڈھ اودھ تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اس اطراف میں اسکی دھوم مچ گئی ہے لہذا جلد سے جلد چھ بکس بذریعہ وی۔ پی۔ ارسال فرمائیے۔

سید جالب صاحب دہلوی اڈیٹر روزنامہ ہمدم نے ۲۹ جون ۲۴ء کے پرچہ میں خضاب ہذا کے اجزا کے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اسکے اجزا نظام انسانی خصوصاً اعصاب پر نہایت اثر کرتے ہیں معدہ کو تقویت دیتے ہیں۔ غذا جزو بدن بنجاتی ہے خضاب خوردنی بجاتے ہیں امراض پیری کا ازالہ ہو جاتا ہے اچھی چیز ہے علاوہ اسکے آپکی اطمینان کیلئے صدہا میں سے چند حکمائے متقدمین کی رائیں درج کرتا ہوں جنکی بنائی ہوئی نسخہ اسوقت رائج ہیں ایک زمانہ چلا رہا ہے ہماری ادویہ اجزا کے متعلق مصنف مخزن الاحسانی و مصنف المفردات و مصنف قادر الادویہ نیز کوکا پنڈت و مصنف خزانۃ الادویہ وغیرہ اسکی تعریف میں اسقدر بھر پور دائرہ کے مرکبات مصنف مجربات بوعلی سینا کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ بال بالکل سیاہ ہو جاتے ہیں تمام عمر سفید نہ ہونگے بینائی تیز جسم کی طاقت دن بدن بڑھے ضعیفی نزدیک نہ آئے غرض بال اسقدر مفید ہونے پر بھی آپ قدر نہ فرمائیں تو تعجب ہے۔۔

عالیجناب شیخ عظمت الٰہی صاحب المتخلص عاصی سلونوی مشہور اسسٹنٹ ... کی چند اور قابل دید تصانیف

فریبی عاشق

مسمریزم وہ مسمریزم جسکی مافوق العادت طاقتوں نے ایک دنیا کے کانوں کے پردوں کو بھر دیا ہے جسکی عجیب غریب کارروائیاں دیکھکر آنکھیں آئینۂ حیرت ہو گئی ہیں اگر آپ اسکے اصلی راز دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو پڑھکر دیکھئے کہ ایک بھولی بھالی شریف لڑکی پر ایک مسمریزم کا عمل ہوتا ہے اسکا باپ خود اس لڑکی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے بلکہ بجبر اسکو بیوی بنایا جاتا ہے ایک بزرگ جنکا سینہ نور اسلام سے معمور تھا جن کے اثر سے ... کا جوش تھا اور اس جادوگر مسمریزم کو شکست فاش دیتا ہے اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ روحانیت پر کبھی مادیت غالب نہیں ہو سکتی قیمت ۸/

ناول
بدنصیب لڑکی
خونی لڑکا ۸/

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہوشیار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسمیں بیہودگی کے نقصانات تعلیم غیر ضروری کی خرابیاں دکھائی گئی ہیں ایک شریف لڑکی کا بیٹا ہوکر والدین کے بے رحمانہ قوانین عصمت سے تنگ آکر گھر کو چھوڑنا ...

ناول تیاگی یا قاتل ۸/ ہنسی کا پٹارہ ۸/

نواب ۱۲

نوابی دربار کے نوابی ٹھاٹ خوشامدی مصاحب ... کا ... نواب کی اکڑ فون اور چھچھورپن ... قیمت

کی صدائے بے ہنگام دل کا ایک معشوقہ مہ جبین کے چاہ ذقن میں اسیر ستم ہوکر نہ صرف اپنی بلکہ دادا پردادا کی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑھی کمائی کو شکیوں میں اڑاکر بے باق ہو جاتے ہیں اور بالکل اسکے مصداق بنتے ہیں

داڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے
فارغ البال اسکو کہتے ہیں

یہ ناول نہیں بلکہ ناول گر ہے ہندوستان کے بہترین ظرافت نگار سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اور عالمگیر کے مشہور مسخرے وقائع نویس نعمت خان عالی کا رنگ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے وہ لوگ جو نثر اردو کو دیکھنا اور سیکھنا چاہیں ان کی لائبریری میں رکھنے کے قابل ہے جسے ایک مرتبہ پڑھکر سو مبالغہ ایک ہزار مرتبہ پڑھنے سے تو ... قیمت کے ... موافق دس دس واپس کی جا سکینگی۔

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا زندہ نگار ... عبرت آمیز حیرت انگیز مرقع ... کی زندگی کے عبرتناک ... انکشافات زنان بازاری کے فریب اور دغا سے کارنامہ ... [illegible] ... کیونکہ ... بدنام ... کی ... ہے ... ایسے دلچسپ ناول بہت

کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸/

رسالہ قوت باہ عظمی

آئین کدہ میں آج قدر دان کمال کے
کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

دنیا سرگرداں ہے کہ وہ نسخہ قوت ہاتھ آئے ... جن مایوسان قوت باہ دبے ہوئے مسلہ نکلیں انکے لئے بہت زور کے ساتھ یہ کتاب پیش کرتے ہیں جسمیں مشرق و مغرب کے جدید و قدیم حکیموں ڈاکٹروں وغیرہ کے ان تمام تجربات معلومات و مشاہدات کا نچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا ہے جو قوت مردمی و اصلیت سے تعلق رکھتی ہیں ساتھ ہی قواعد جماع ... مباشرت ... اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر فلسفہ عشق فلسفہ ازدواج انتخاب بیوی تعلقات زوجین لطف مباشرت اور صحبت کے طریقوں وغیرہ کی اعلیٰ ترین علمی تعلیم دی گئی ہے ضعف باہ کمزوری ... نامردی جریان سرعت انزال وغیرہ کا مفصل بیان مرضوں کی تشخیص اور پیدا ہونے کے اسباب و علاج اور عضو خاص جلق اغلام وغیرہ کی تمام پیدا شدہ خرابیوں کے دور کرنیکے صد ہا مرتبہ کے آزمائے ہوئے مجرب اور بے خطا نسخہ جات جو آجکل کے موجودہ اطبا صد ہا روپیہ دیکر بھی اپنا اعتباری نسخہ نہیں دیتے نذر خوش فائدہ عام درج کر دئے گئے ہیں آپ بھی اگر منگا کر اپنی حسرت نہ پوری کیجئے تو آپکی قسمت قیمت فی جلد صرف آٹھ آنہ (۸/)

مینیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

نگار بکٹ ایجنسی

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان ۔ مذہبی و عالمانہ تقریروں کا بیمثل مجموعہ خواتین ہند کے لئے عجیب و غریب نعمت ہے ۔	[illegible]
سیرتِ مصطفےٰ ۔ سیرتِ رسول کے متعلق بیمثل کتاب نہایت مستند روایات پر ۔	[illegible]
عفت المسلمات ۔ پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شایع نہیں ہوئی جسمین مشرق و مغرب کے تمام علما کے آرا کا نچوڑ ہے ۔	۸؍
اخلاقی سلسلہ ۔ اسمین اکابر و بزرگانِ اسلام کے تاریخی واقعات یکجا کر کے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچون عورتون اور مردون کے مطالعہ کے لئے بے مثل مجموعہ قیمت چار دن حصون کی حسب ترتیب [illegible]	۱۲؍
مہذب زندگی ۔ اخلاقی سلسلہ کا پانچوان حصہ ۔	[illegible]
ترتیبِ اطفال ۔ عورتون کے لئے بے مثل کتاب	۸؍
مقصد ازدواج ۔ نکاح کے پر تمدن و معاشرت نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ ۔	۸؍
حفظ صحت ۔ خواتین کو اسکا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے	۱۳؍
تندرستی ۔ اس کتاب کا بھی ہر گھر میں ہونا ضروری ہے ۔	[illegible]
درس حیات ۔ اخلاق و آداب کے پیرایہ مین فرماروی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر ۔ دوم	[illegible]
اسلام اور عورت ۔ اس کتاب کا مطالعہ عورتون پر فرض ہے	[illegible]

نام کتاب	قیمت
معیشت و معاشرت ۔ یہ دو نون کتابین اس پایہ کی ہین کہ اگر عورتین ان کا مطالعہ کر لین تو پھر امور خانہ داری کے متعلق کوئی بات ان سے فرو گذاشت نہین ہو سکتی بیمثل کتاب ہے اور ہر گھر کے لئے ضروری ہے	[illegible]
تہذیب نسوان ۔ یہ کتاب بھی امورِ خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے ۔	[illegible]
بچون کی پرورش ۔ اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمین ۱۱ مضامین ہین بچون کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو و نما تک کے حالات امراض و علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیے گئے ہین	[illegible]
ہندوستانی گھر وں مین تیمارداری جسمین [illegible] نقشے شامل ہین	[illegible]
فرائض باغبانی ہدایات باغبانی ۔ یہ دونون ہر [illegible] خاندان کے لئے ضروری ہین ۔	[illegible]
باغ عجیب ۔ تین حصون مین مع تصاویر بچون کے لئے اخلاقی سبق دلچسپ قصون کی صورت مین نہایت دلچسپ کتاب ہے ۔	۵؍
ہدیۃ الزوجین ۔ نکاح کے پہلے اور اس کے بعد ہر مرد اور عورت کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے ۔	۸؍

نگار، جلد ۹

۸۹۱۵۲۰۵

نیاز فتحپوری

نگار

[illegible]